المقصدُ الثالث فی المجرورات

تیسرا مقصد مجرورات کے بیان میں ہے

الاسماء المجرورة ہِی المضَاف الیہِ فَقط.

وہ اسماء جو مجرور ہوتے ہیں وہ صرف مضاف الیہ ہے یہاں یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ مصنف کا فقط کے ذریعہ حصر پیدا کرنا صحیح نہیں چونکہ بہت سے اسماء ایسے ہیں جو مضاف الیہ کے علاوہ بھی مجرور ہوتے ہیں جیسے کفی باللّٰہ بحسبك درھم وما جاء نی من أحد آپ دیکھئے کہ یہ سب مجرور ہیں جب کہ ان کی طرف مضاف الیہ کے واسطہ سے کوئی چیز منسوب نہیں ہے۔ **الجواب**: یہ اعتراض جو کیا ہے یہ اس لیے صحیح نہیں کہ ہماری مراد مجرور سے مجرور اصلی ہے اور مجرور اصلی صرف مضاف الیہ ہے اور جن امثلہ کو لے کر معترض نے اعتراض کیا وہ مجرور اصلی نہیں ہیں، بلکہ مجرور اصلی کے ساتھ ملحق ہیں ہماری اسی بیان کردہ تفصیل سے یہ بات بھی آپ کو معلوم ہوگئی کہ گویا کہ مجرور کی بھی دو قسمیں ہیں ایک اصلی دوم ملحق۔

وھو کلُّ اسمٍ نُسِب الیہ شیٔ بواسطةِ حرف الجر لفظاً نحو مررتُ بزید.

ترجمہ و تشریح: یہاں سے اسماء مجرورہ کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ وہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کوئی چیز منسوب ہو حرف جر کے واسطے سے وہ حرف جر خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً حرف جر لفظاً کی مثال جیسے مررت بزید تعریف میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ مضاف الیہ ہمیشہ اسم ہوگا یہ الگ بات ہے کہ وہ اسم خواہ صریحی ہو یا تاویلی اسم حقیقی کی مثال تو اوپر آچکی ہے اور اسم تاویلی جیسے یوم ینفخ فی الصور یہاں مضاف الیہ ینفخ فعل ہے جو مصدر نفخ کی تاویل میں ہے ای یوم النفخ فی الصور نیز لفظ شیٔ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ مضاف کے لیے یہ ضروری نہیں کہ وہ اسم ہی ہو بلکہ وہ فعل بھی ہو سکتا ہے جیسے مررت بزید کے اندر مررت فعل مضاف ہے زید کی طرف بواسطہ حرف جر کے۔

نوٹ: لفظاً ترکیبی اعتبار سے یا تو خبر ہے کان محذوف کی تقدیری عبارت ہوگی سواء کان ذلك الحرف لفظا ای ملفوظاً اور تقدیراً ای مقدراً ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ ہم نے لفظاً کو ملفوظ کے معنی میں جو لیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر صحیح نہیں ہوا کرتا اس لیے اس کو اسم مفعول کے معنی میں لیا ایسے ہی تقدیراً کو مقدر کے معنی میں لیا، یا یہ منصوب ہے بناء بر حال کے اس صورت میں عبارت ہوگی حال کون

ذلك الحرف ملفوظاً۔

ويُعبَّر عن هٰذا التركيب في الاصطلاح بانّهٗ جارٌّ ومجرورٌ او تقديرًا نحو غُلامُ زيدٍ تقديرهٗ غلامٌ لزيدٍ ويُعبَّرُ عنه في الاصطِلاح بانهٗ مضافٌ ومُضافٌ اليه.

ترجمہ و مطلب: حرف جر جب کہ لفظاً مذکور ہو تو اس ترکیب کو اصطلاح میں جار مجرور سے تعبیر کرتے ہیں نہ کہ مضاف ومضاف الیہ سے ہاں امام جوزی نے شیخ رضی سے یہ بات نقل کی ہے کہ امام سیبویہ اس ترکیب کو بھی مضاف ومضاف الیہ سے ہی تعبیر کرتے ہیں مگر یہ اصطلاح مشہور کے خلاف ہے، چونکہ مضاف الیہ مجرور بحرف جر تقدیری مراد ہوتا ہے اور حرف جر جب کہ مذکور ہو اس کو جو مضاف ومضاف الیہ کا نام دیا جاتا ہے یہ تو باعتبار لغت کے ہے چونکہ مجرور کی طرف فعل بواسطہ حرف جر کے مضاف ہورہا ہے۔

أو تقديراً اس کا عطف لفظاً پر ہے حرف جر تقدیری کی مثال جیسے غلام زید تقریرہ غلام لزید یہاں لام مقدر ہے اس ترکیب کو اصطلاح قوم میں اس بات سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ مضاف ومضاف الیہ ہیں نہ کہ جار مجرور یہ یادرہے کہ مضاف الیہ میں عامل جر مضاف ہوتا ہے۔

نوٹ: مصنفؒ اگر تقدیراً کے ساتھ مراداً کی قید لگادیتے جیسا کہ دیگر مصنفین حضرات نے یہ قید لگائی ہے تو اس قید سے ظرف سے احتراز ہوجاتا جیسے قمت يوم الجمعة وغیرہ چونکہ یہاں بھی يوم الجمعة کی طرف قمت بواسطہ حرف جر مضاف ہورہا ہے اور وہ حرف جر فی مقدر ہے لیکن مراد نہیں ہے چونکہ اگر وہ مراد ہوتا تو يوم الجمعة مجرور ہوتا اس لیے کہ معنی مرادی کا اثر تو لفظوں میں ظاہر ہوتا ہے جیسے غلام زید کے اندر دیکھ لیجئے، کہ لام تقدیری کی وجہ سے زید مجرور ہورہا ہے۔ عبارت میں لفظ اصطلاح آیا ہے اس کی بھی تحقیق سن لیجئے، اصطلاح کہتے ہیں کسی خاص قوم یا جماعت کا کسی لفظ اور کسی کلمہ کے معنی پر اتفاق کرلینا جو اصل معنی کے علاوہ ہو، اس کی جمع آتی ہے اصطلاحات۔

ويجب تجريدُ المضافِ عَنِ التّنوين او مايقُومُ مقامهٗ وهو نونُ التثنيةِ والجمع نحو جاءني غلامُ زيد وغُلاما زيدٍ ومسلمو مصرٍ.

ترجمہ و مطلب: اور واجب ہے اضافت کی وجہ سے مضاف کا خالی ہونا تنوین سے یا جو اس کے قائم مقام ہو اس سے اور وہ قائم مقام تثنیہ وجمع کا نون ہے ایسے ہی الف ولام ہیں۔ پھر تنوین سے مراد عام ہے خواہ لفظاً ہو جیسے غلام زید کے اندر لفظاً تنوین تھی اضافت کی وجہ سے ساقط ہوئی یا وہ تنوین تقدیراً ہو جیسے حواج بيت الله کے اندر حواج کی تنوین تقدیری ہے اب رہا یہ مسئلہ کہ عندالاضافت مضاف کا ان سب سے خالی ہونا کیوں ضروری ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب کلمہ کے تام ہونے پر دلالت کرتے ہیں پھر جب دوکلموں کو آپس میں ملائیں

تو اس اتصال کا مقصد یہ ہوگا کہ کلمہ اولیٰ کلمہ ثانی سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف کا فائدہ حاصل کرلے اس لیے اتصال کے وقت کلمہٴ اولیٰ سے اتمام کلمہ کی علامت کو حذف کرنا ضروری ہوگا اور اگر حذف نہ کریں تو دونوں کلموں میں اتصال پیدا نہیں ہوسکتا ہے انفصال ہی رہے گا اور یہ مقصود اضافت کے خلاف ہے اس لیے کہ کلمہ اولیٰ سے علامت اتمام کو حذف کرکے کلمہ ثانیہ کے ساتھ اس کو تام کریں گے۔

یا اتنی لمبی چوڑی وجہ کو چھوڑ کر یہ وجہ یاد رکھئے کہ تنوین وغیرہ کلمہ کے انفصال پر دلالت کرتے ہیں اور اضافت اتصال پر اور ان دونوں میں منافات ہے اس لیے مضاف سے ان سب کا خالی ہونا ضروری ہے۔تنوین سے تجرید کی مثال جیسے غلام زید اورنون تثنیہ سے تجرید کی مثال جیسے جاء نی غلاما زید اورنون جمع سے تجرید کی مثال جیسے جاء نی مسلمو مصرٍ۔

واعلم اَنَّ الاضافةَ علیٰ قسمین معنویةٌ ولفظیةٌ.

ترجمہ و مطلب: اس سے قبل مضاف الیہ کی تعریف سے آپ کو اضافت کی دو قسمیں معلوم ہوگئیں ایک یہ کہ جس میں حرفِ جر لفظاً ہو دوم یہ کہ جس میں حرف جر تقدیراً ہو پھر جہاں حرف جر لفظاً مذکور ہو اس کی بحث چونکہ بہت قلیل ہے اور قسم ثانی (یعنی حرف جر تقدیری) کی بحث کثیر ہے اس لیے قسم اول کے بیان کو حروف کی بحث پر موقوف رکھا اور قسم ثانی کے بیان کو یہاں سے شروع فرمایا۔

معنویہ منسوب ہے معنی کی طرف اس لیے کہ یہ اضافت معنوی لحاظ سے مضاف میں تعریف کا فائدہ دیتی ہے یا تخصیص کا ااضافت معنویہ کا دوسرا نام حقیقیہ بھی ہے اور اضافت لفظیہ لفظ کی طرف منسوب ہے، یعنی وہ صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اس طور پر کہ تنوین اور قائم مقام تنوین کو ساقط کردیا جاتا ہے اس وجہ سے اس کا نام غیر حقیقیہ بھی ہے۔

امّا المعنویَةُ فهی ان یکونَ المضافُ غیر صفةٍ مضافةٍ الیٰ معمُولِها.

ترجمہ و مطلب: بہرحال اضافت معنوی کی علامت یہ ہے کہ مضاف ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو۔صفت سے مراد ہے اسم فاعل واسم مفعول وصفت مشبہ اور معمول سے مراد ہے فاعل یا مفعول بہ تو گویا کہ کلام میں اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ مضاف یا تو سرے سے ہی صیغہٴ صفت نہ ہو بلکہ اسم جامد ہو جیسے غلام زید یا صفت کا صیغہ تو ہو لیکن اپنے معمول کے علاوہ کی طرف مضاف ہو جیسے کریم البلد میں کریم صیغہ صفت مضاف تو ہے مگر غیر معمول کی طرف اس لیے کہ بلد مفعول نہیں ہوسکتا چونکہ کرم البلد کہنا جائز نہیں بلکہ کرم من فی البلد کہا جاتا ہے۔اضافت معنوی کی جو تعریف کی ہے یہ تعریف انی ہے لمی نہیں چونکہ علامت سے کسی چیز کو پہچاننا تعریف انّی ہے۔یہاں چونکہ اضافت معنوی کو علامت کے ذریعہ پہچانا جارہا ہے۔

وھی اِمّا بمعنی اللامِ نحو غلامُ زیدٍ او بمعنی من نحو خاتمُ فضۃٍ او بمعنیٰ فی نحو صلوٰۃُ اللیل.

ترجمہ: اضافت معنوی یا تولام کے معنی میں ہوگی جیسے غلام زید یا من کے معنی میں ہوگی جیسے خاتم فضۃ یا فی کے معنی میں ہوگی جیسے صلوۃ اللیل۔

یہاں سے اضافت معنویہ کے اقسام کو بیان فرمارہے ہیں جس کو آپ دلیل حصر سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔

مضاف الیہ مضاف کا مباین ہوگا یا نہیں اگر مباین ہوگا تو پھر دو حال سے خالی نہیں مضاف الیہ مضاف کے لیے ظرف ہوگا یا نہیں، برتقدیر اول اضافت بمعنی فی ہوگی جیسے صلوۃ اللیل أی صلوۃ فی اللیل اور برتقدیر ثانی اضافت بمعنی اللام ہوگی جیسے غلام زید ای غلام لزید اگر مباین نہیں تو پھر مضاف الیہ مضاف کے مساوی ہوگا جیسے لیث اسد یا عام مطلق ہوگا جیسے اَحَد الیوم کہ یوم ان ایام کو بھی شامل ہے جو احد الیوم کے علاوہ ہیں تو ان دونوں صورتوں میں اضافت ممتنع ہوگی عدم افادہ کی وجہ سے یا مضاف الیہ مضاف سے خاص ہوگا جیسے یــــــوم الاحد کہ مراد اس سے صرف ایک یوم ہے (اتوار) اور جیسے علم الفقہ علم النحو شجرۃ الزمان وغیرہ اس صورت میں بھی اضافت بمعنی اللام ہوگی یا مضاف الیہ مضاف سے اخص من وجہ ہوگا اس صورت میں اگر مضاف الیہ مضاف کے واسطے اصل ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی جیسے خاتم فضّۃ ای خاتمٌ من فِضۃٍ یہاں فضّۃ (چاندی) خاتم (انگوٹھی) کی اصل ہے اہل عرب بولتے ہیں فضۃ خاتمك خیر من فضۃ خاتمی تیری انگوٹھی کی چاندی بہتر ہے میری انگوٹھی کی چاندی سے۔

وفائدۃُ ھٰذہ الاضافۃِ تعریفُ المضافِ اِن اُضیف الیٰ معرفۃٍ کما مرّ.

ترجمہ و مطلب: اور اضافت معنوی کا فائدہ مضاف کو معرفہ بنانا ہے اگر وہ معرفہ کی جانب مضاف ہو اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مثلاً غلام زیدٍ اضافت معنوی ہے تو اس سے وضع کے لحاظ سے زید کے غلاموں میں سے وہ غلام مراد ہوگا جس کو زید کے ساتھ کسی وجہ سے خصوصیت حاصل ہے مثلاً یہ کہ وہ تمام غلاموں میں سب سے بڑا ہے، یا وہ سب میں مشہور ہے یا یہ کہ وہ متکلم و مخاطب کے درمیان خارج کے لحاظ سے یا ذہن کے لحاظ سے متعین ہے، نیز اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ ایک لفظ غلام لزید استعمال کیا جاتا ہے یہ معرفہ نہیں ہوگا بلکہ نکرہ رہے گا اس لیے کہ زید کے جتنے غلام ہیں ان میں سے بطریق بدل ہر ایک مراد ہوسکتا ہے جب ہر ایک مراد لیا جائے گا تو تعریف باقی نہ رہی اس لیے یہ نکرہ ہے۔

فائدہ: ہم نے اُوپر جو قاعدہ بیان کیا کہ نکرہ کو معرفہ کی طرف مضاف کردینے سے معرفہ بن جاتا ہے اس لفظ غیر لفظ مثل وسوٰی، نظیر وشبہ مستثنیٰ ہیں چونکہ ان میں باوجود اضافت کے بھی ابہام بہت زیادہ رہتا ہے یہی

ہے کہ بوقت اضافت ان پر الف لام کا دخول ممتنع نہیں ہے ہاں البتہ ایک صورت میں یہ معرفہ ہوجاتے ہیں جب کہ مضاف الیہ کی ایک ہی ضد یا ایک ہی مماثل ہو جیسے حرکت کی ضد سکون ہے لہٰذا آپ کہیں علیك بالحركة غير السكون یا جیسے کہیں فلانٌ مثل حاتمٍ تو اس صورت میں یہ عدم ابہام کی وجہ سے معرفہ ہوجائیں گے۔

و تخصيصهٗ اِنْ اُضيف الىٰ نكرةٍ كغُلام رجل.

ترجمہ و مطلب: اور اگر کوئی اسم نکرہ کی طرف مضاف ہو تو دریں صورت مضاف میں تخصیص حاصل ہوجائے گی جیسا کہ مثال مذکور میں اضافت سے یہ تخصیص حاصل ہوئی کہ عورت کا غلام اس سے خارج ہوگیا۔

واما اللفظيةُ فهى اَنْ يكونَ المضافُ صفةً مضافةً الىٰ معمولها.

ترجمہ: اور بہرحال اضافت لفظیہ کی علامت یہ ہیکہ مضاف اس میں صیغۂ صفت ہو جو اپنے معمول (فاعل مفعول) کی طرف مضاف ہو۔

وهى فِى تقدير الانفِصالِ نحو ضارِبُ زيدٍ وحَسَنُ الوجهِ.

ترجمہ و مطلب: تقدير بمعنى درجه :انفصال بمعنی جدائیگی، مصنفؒ کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اضافت لفظی عدم اضافت کے درجہ میں ہے گویا کہ اضافت ہوئی ہی نہیں، چونکہ اضافت سے نہ تو تعریف کے معنی حاصل ہوئے اور نہ تخصیص کے صرف لفظوں میں تخفیف پیدا ہوگئی معنیً اب بھی انقطاع ہے چونکہ اضافت لفظی میں مضاف الیہ اضافت سے قبل بھی فاعل یا مفعول واقع ہورہا تھا، اور اضافت کے بعد بھی وہ معنیً فاعل یا مفعول واقع ہے اس لیے یہ اضافت نہ ہونے کے درجہ میں ہے۔

نحو ضارِبُ زيدٍ: اس مثال میں مضاف صیغۂ اسم فاعل ہے جو اپنے معمول یعنی مفعول کی طرف مضاف ہے۔

وفائدتُهَا تخفيفٌ فى اللفظ فقط.

ترجمہ و مطلب: اور اضافت لفظی کا فائدہ یہ ہے کہ صرف لفظوں میں تخفیف حاصل ہوجاتی ہے تعریف و تخصیص کے معنی پیدا نہیں ہوتے وجہ اس کی وہی ہے کہ اتصال صرف لفظاً ہوتا ہے معنیً انفصال ہی رہتا ہے۔

فائدہ: اضافت لفظی میں تخفیف کبھی صرف مضاف میں ہوتی ہے بایں طور کہ اس سے تنوین یا نون تثنیہ و نون جمع کو حذف کردیا جائے جیسے ضاربُ زيدٍ وضاربا زيدٍ وضاربُو زيد کہ اصل میں یہ ضاربٌ زيداً وضاربان وضاربون زيداً تھا، اور کبھی تخفیف حاصل ہوتی ہے صرف مضاف الیہ میں جیسے القائم الغلام کہ اصل میں القائم غلامه تھا ضمیر کو مضاف الیہ سے حذف کرکے القائم میں مستتر مان لیا، ہاں یہ ضرور یاد رہے کہ القائم مضاف میں تخفیف بحذف تنوین جو نظر آرہی ہے یہ اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کی وجہ سے ہے۔

اور کبھی دونوں میں تخفیف ہوجاتی ہے جیسے زید قائم الغلام کہ غلام میں، ضمیر کو حذف کرکے اور قائم میں تنوین کو

کرکے تخفیف پیدا ہوئی ہے۔

واعلم انکَ اذا اَضفتَ الاسمَ الصحیح او الجاریَ مجری الصحیح الیٰ یاءِ المتکلمِ کسَرتَ آخرہٗ واسکنتَ الیاءَ او فتحتھا کغلامِیَ ودلوِیُ وظبییَ.

ترجمہ و مطلب: اور جاننا چاہئے کہ جب کہ اسم صحیح یا جار مجریٰ صحیح کی اضافت کردی جائے یاء متکلم کی طرف تو اس اسم کے اخیر کو جو کہ یاء سے قبل واقع ہے کسرہ دیا جائے گا یاء کی مناسبت کی وجہ سے اور خود یاء کو ساکن کردیا جائے گا تخفیف کی وجہ سے یا فتحہ دیا جائے گا چونکہ جو کلمہ ایک حرف پر مبنی ہو، اس میں اصل یہی ہے کہ وہ حرکت پر مبنی ہوتا کہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے اور پھر جب مبنی حرکت پر ہو تو اصل یہ ہے کہ فتحہ پر ہو چونکہ وہ اخف الحرکات ہے۔ اسم صحیح کی مثال جیسے غلامِیُ غلامِیَ بالفتح اور جاری مجریٰ صحیح کی مثال جیسے دلوی و ظبی بالسکون و بالفتح۔

واِن کان آخرُ الاسمِ الفاتثبتُ کعصَایَ ورحایَ خلافا للھُذیل کعصِیّ ورَحِیَّ.

ترجمہ و مطلب: اور اگر اسم مضاف کے آخر میں الف ہو تو اس کو باقی رکھا جائے گا جیسا کہ کعصَایَ ورحایَ برخلاف قبیلہ ہذیل کے یہ کہتے ہیں کہ اگر الف تثنیہ کا نہ ہو تو اس کو مشاکلت کی وجہ سے یاء سے بدل دیتے ہیں پھر یاء کا یاء میں ادغام کردیتے ہیں جیسے عصی ورَحی اور اگر الف تثنیہ کا ہے تو یاء سے تبدیل کرنا جائز نہ ہوگا، کیونکہ تثنیہ میں الف رفع کی علامت ہوتی ہے اور یاء ماقبل مفتوح علامت ہوتی ہے نصب وجر کی با اگر یاء سے تبدیل کردیا تو حالت رفعی کا حالت نصبی وجری سے التباس لازم آئے گا۔

وان کانَ آخر الاسمِ یاءً مکسورا ما قبلھا ادغمتِ الیاء فی الیاءِ وفتحت الیاء الثانیۃَ لئلا یلتقیَ الساکنان تقول فی قاضی قاضیَّ.

ترجمہ و مطلب: اور اگر اسم مضاف کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو خواہ وہ یاء واحد میں ہو یا جمع میں تو یاء کا یا متکلم میں ادغام کردیا جائے گا، اجتماع مثلین کی وجہ سے اور یاء ثانیہ کو فتحہ دیا جائے گا تا کہ اجتماع ساکنین لازم نہ آئے لہٰذا قاضِیُ میں قاضی کہا جائے گا، یہاں قاضی میں جو یاء محذوفہ تھی وہ لوٹ آئی چونکہ قاضٍ میں تنوین اور یاء متکلم ساکن کی وجہ سے التقاء ساکنین لازم آرہا تھا۔

وان کان آخرُہٗ واوا مضمومًا ما قبلَھا قلبتھا یاءً وعَملْتَ کما عملتَ الآنَ تقُولُ جاءَ نی مُسلِمِیَّ.

ترجمہ و مطلب: اور اگر اسم مضاف کے آخر میں واوَ ماقبل مضموم ہو تو اس کو یاء سے بدل دیا جائے گا پھر یاء کا یاء متکلم میں ادغام کرکے یاء متکلم پر فتحہ دے دیا جائے گا جیسے جاء نی مُسلِمِیَّ کہا جائے گا۔

وفی الاسماءِ الستة مُضافةً إلیٰ یاء المتکلّم تقُول اخِی وابی وحمی وھنی.

ترجمہ و مطلب: اور اسماء ستہ مکبرہ جو یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں ان میں لام کلمہ جو واؤ ہے اس کو محذوف ہی رکھا جائے گا لہٰذا بجائے اخوی وابوی وغیرہ کے اخی وابی وحمی وھنی کہا جائے گا۔

وفی عند الاکثر وفمی عند قومٍ.

اور لفظ فم کو یاءِ متکلم کی جانب اضافت کرتے وقت اکثر نحاۃ کے نزدیک فی کہا جائے گا اور بعض لوگوں کے نزدیک فمی استعمال ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ فمٌ اصل میں فوہٌ تھا ہاء کو تو خلاف قیاس حذف کر کے نسیاً منسیاً کا درجہ دے دیا گیا پھر بوقت عدم اضافت واؤ کو میم سے تبدل کر لیا گیا اگر واؤ کو میم سے تبدیل نہ کریں تو واؤ ما قبل کے مفتوح ہونے کی وجہ سے الف سے بدل دیا جائے گا اب الف اور تنوین کی وجہ سے اجتماع ساکنین لازم آئے گا جس کی بناء پر الف کو ساقط کر دیا جائے گا، لہٰذا اضافت کے وقت تو واؤ میم سے بدرجۂ مجبوری تبدیل ہوا اور چونکہ یاءِ متکلم کی طرف اضافت کرتے وقت یہ عذر موجود نہیں ہے اس لیے کہ اضافت کے وقت واؤ جو مفرد میں عذر کی وجہ سے میم سے تبدیل ہوا تھا وہ لوٹ آئے گا پھر واؤ کو یا سے تبدیل کر کے یا کا یاءِ متکلم میں ادغام کر دیا جائے گا، اس لیے اکثر نحاۃ کے نزدیک فِیّ کہا جائے گا اور بعض نحاۃ نے اضافت کے وقت میم کو جو مبدل بواؤ تھا اس کو باقی رکھتے ہوئے فمی پڑھا ہے۔

وذُوٗ لایضافُ الیٰ مضمر اصلاً.

اور اسماء ستہ میں سے ذو کبھی مضمر کی طرف مضاف نہیں ہوتا بلکہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ذُو کی وضع اس لیے ہوئی ہے کہ یہ اسم جنس کی طرف مضاف ہو کر کسی شئ کی صفت قرار دیا جائے تو اگر یہ مضمر کی طرف بھی مضاف ہونے لگا تو خلافِ وضع لازم آئے گا، چونکہ ضمیر تو معرفہ ہوتی ہے۔

وقول القائِل ع انما یَعْرِف ذَ الفضل منَ النَاس ذووُہٗ شاذٌ.

اور رہا شاعر کا یہ قول تو یہ شاذ ہے اور الشاذ کالمعدوم لہٰذا اس سے ہمارے قاعدہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ترجمہ شعر کا یہ ہے کہ فضل والے کو فضل والا ہی پہچانتا ہے جیسا کہ قدر جوہر را می داند جوہری یعنی جوہر کو جوہری ہی پہچان سکتا ہے ایسے ہی بزرگی والے کو بزرگ ہی پہچان سکتا ہے۔

واذا قطعُتَ ھٰذِہِ الاسماء عن الاضافۃِ قلتَ اخٌ وابٌ وحمٌ وھَنٌ وفمٌ.

ترجمہ و مطلب: اور جب ان اسماء ستہ کو اضافت سے منقطع کر دیا جائے تو بحذف لام کلمہ استعمال ہوں گے اور جو حرکت لام پر تھی وہ عین کلمہ پر جاری ہو جائے گی لہٰذا اخٌ وابٌ وحمٌ وھنٌ کہا جائے گا۔

نوٹ: جب یہ غیر مضاف ہو کر استعمال ہوں تو ان کو یہاں بیان کرنے کی حاجت نہیں تھی، چونکہ یہ

اضافت کا چل رہا ہے مگر یہاں ان کو تبعاً ذکر کردیا برائے فائدہ طلبہ۔

وذو لا يقطعُ عن الاضافةِ البتة.

اور ذُو کبھی بھی منقطع عن الاضافت استعمال نہیں ہوتا، چونکہ اس کی وضع ہی اضافت کے ساتھ ہوئی ہے۔

هٰذا كلّهٗ بتقدير حرفِ الجر.

اضافتِ معنویہ اور لفظیہ کی جو اقسام ہم نے بیان کی ہیں یہ سب بہ تقدیر حرف جر کی ہیں۔

امّا ما يذكر فيه حرفُ الجرّ لفظاً فسياتيک فی القِسم الثالثِ ان شاء اللّٰهُ تعالىٰ.

بہرحال جس میں حرف جر لفظاً مذکور ہو اس کا بیان انشاءاللہ قسم ثالث (بحث حروف) میں آئے گا۔

تمرین:

اسماء مجرورہ کتنے ہیں (۲) اسماء مجرورہ کی تعریف بیان فرمایئے (۳) حرف جر اگر لفظوں میں مذکور ہو تو اس ترکیب کو اصطلاح میں کیا کہیں گے، اور اگر مقدر ہو تو کیا نام دیں گے (۴) مضاف پر الف لام، تنوین، نون تثنیہ، نون جمع کیوں نہیں آسکتا مختصر وجہ بیان کیجئے (۵) اضافت کی کتنی قسمیں ہیں مع تعریف کے بیان کیجئے (۶) اضافت معنوی میں حروف جارہ لام، من، فی میں سے کہاں کونسا مقدر ہوتا ہے، دلیل حصر کے انداز میں بیان کیجئے (۷) اضافت معنوی و لفظی کا کیا فائدہ ہے (۸) مصنفؒ کی عبارت وہی فی تقدیر الانفصال کا مطلب بیان کیجئے (۹) کسی اسم صحیح یا جاری مجریٰ کی یائے متکلم کی طرف اضافت کی جائے تو اس کے آخر کا حال بیان کیجئے (۱۰) جب اسماء ستہ کی اضافت یاءِ متکلم کی طرف کریں گے تو لام کلمہ جو واء تھا اس کو محذوف ہی رکھیں گے، یا لوٹائیں گے (۱۱) ذو کا حکم بھی بیان کیجئے۔

مشقی جملے:

ذیل میں چند جملے برائے مشق دیئے جارہے ہیں ان میں اضافت لفظی و معنوی کی تعیین کیجئے، نیز جس جملہ میں اضافت جائز نہ ہو اس کی تعیین کیجئے۔

العلماء محسنوا الامة، الحفاظ محافظوا القرآن ، المدارس مراكز الاسلام، المساجد بيوت اللّٰه، دين اللّٰه يسر، اليهود وكلاء الشيطان، أمير كا مُسانِدة (امریکا اسرائیل کا سپوٹر ہے) إسرائيل، طلاب الكليات منتهكو حُرمَةِ أساتذتهم (کالجوں کے طلبہ اپنے اساتذہ کے بے حرمتی کرنے والے ہیں)، طلاب المدرسة صالحون، نحن محسنو البلد، هو شريف القرية۔

الخاتمة فی التوابع.

مصنفؒ نے اسم معرب کو ایک مقدمہ اور تین مقاصد اور ایک خاتمہ پر مشتمل فرمایا تھا یہاں سے اُسی اسم معرب کے خاتمہ کا بیان ہے چنانچہ مصنف فرماتے ہیں کہ خاتمہ توابع کے بیان میں ہے۔

اعلم اَنَّ التی مرّت من الاسماء المعربة کان اعرابھَا بالاصالة بان دخلتْھا العوامِلُ من المرفوعات والمنصوبات والمجرورات.

اب تک جن اسماء معربہ کا بیان ہوا ان کا اعراب تو بالاصالۃ تھا نہ کہ بالتبعیۃ بان دخلته العوامل بالاصالة کا مطلب یہ ہے کہ ان اسماء معربہ پر جو عوامل داخل ہو رہے تھے وہ بلا واسطہ داخل ہو رہے تھے، من المرفوعات یہ بیان ہے اسماء معربہ کا یعنی کہ وہ اسماء معربہ مرفوعات ومنصوبات ومجرورات تھے۔

فقد یکونُ اعراب الاسم بتبعیةِ ما قبله ویُسمی التابعَ لانهٗ یتبع ما قبلهٗ فی الاعراب.

ترجمہ: کبھی اسم معرب پر اعراب آتا ہے اپنے ماقبل کے تابع ہونے کی وجہ سے اگر ماقبل مرفوع ہے تو یہ تابع بھی مرفوع ہوگا اور اگر منصوب ہے تو یہ بھی منصوب اور اگر مجرور ہے تو یہ بھی مجرور ہوگا۔

اور اس اسم کا نام تابع رکھا جاتا ہے اس لیے کہ وہ اعراب میں اپنے ماقبل کا تابع ہوتا ہے۔

وھو کُلُّ ثانٍ معرب باعراب سابقهٖ من جھةٍ واحِدة.

ترجمہ و مطلب: اور اصطلاح نحاۃ میں تابع ہر وہ ثانی اسم ہے جس کو اعراب دیا جاتا ہے اپنے سابق کے اعراب کے ساتھ ایک ہی جہت سے مطلب یہ ہے کہ تابع اعراب میں اپنے ماقبل کے موافق ہوگا اور دونوں کے اعراب کی جہت بھی ایک ہی ہوگی، یعنی اگر پہلے کلمہ پر اعراب فاعلیت کی وجہ سے ہے تو دوسرے کلمہ پر بھی فاعلیت ہی کی وجہ سے آئے اور اگر اولیٰ پر مفعولیت کی وجہ سے ہے تو اس پر بھی اسی جہت سے آئے۔

فائدہ: تابع کی تعریف میں جو لفظ ثان آیا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ دوسرے ہی نمبر پر ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ مرتبہ کے اعتبار سے وہ مؤخر ہو، خواہ دوسرے نمبر پر ہو جیسے جاء نی رجلٌ عالمٌ میں عالم دوسرے نمبر پر ہے اور خواہ تیسرے چوتھے نمبر پر ہو، جیسے جاء نی رجلٌ عالمٌ فاضل کاتبٌ۔

فوائد قیود: مصنفؒ کا قول ثانی جنس کے درجہ میں ہے جو مبتداء کی خبر کے توابع اور افعال ناقصہ اور حروف مشبہ بالفعل کی خبروں کے توابع کو شامل ہے ایسے ہی افعال قلوب کے باب علمتُ کے مفعول ثانی اور اعلمتُ کے مفعول ثالث کو شامل ہے باعراب سابقہ کی قید سے علاوہ مبتداء کی خبر اور باب علمتُ کے مفعول ثانی اور باب اعلمت کے مفعول ثالث کے سب خارج ہوگئے، پھر من جھة واحدة کی قید سے یہ سب بھی خارج ہوگئے۔

والتوابعُ خمسةُ اقْسامٍ النعت والعطفُ بالحروفِ و التاکیدُ والبدَلُ وعطفُ

البیَان.

اور توابع کی پانچ قسمیں ہیں جن کو آپ دلیل حصر کے ساتھ یوں سمجھ سکتے ہیں کہ تابع مقوی حکم ہوگا یا نہیں، اگر ہوگا تو وہ تاکید ہے اور ثانی پھر دو حال سے خالی نہیں تابع مبین ہوگا یا نہیں، اگر مبین ہوگا پھر دو حال سے خالی نہیں، وہ مشتق ہوگا یا نہیں اگر مشتق ہوگا تو نعت ہے ورنہ عطف بیان اور اگر تابع مبین نہ ہو پھر دو حال سے خالی نہیں تابع اور متبوع میں حرف عطف کا واسطہ ہوگا یا نہیں اول عطف بحرف ہے اور ثانی بدل ہے۔

فصلٌ النعت تابعٌ یَدُلُّ علیٰ معنیً فی متبوعہٖ نحو جاء نی رجلٌ عالِمٌ وفی متعلّقِ متبُوعہٖ نَحو جَاء نی رجلٌ عالِمٌ اَبُوہُ ویُسمّٰی صفةً ایضًا.

تابع کی اقسام خمسہ میں سے سب سے پہلے نعت کو بیان کیا چونکہ یہ کثیر الاستعمال اور شدید المتابعت اور زیادۃ الفائدہ ہے یعنی کہ نعت کبھی تو متبوع کے معنی اور وصف پر دلالت کرے گی اور کبھی متبوع کے متعلق کے معنی اور وصف پر دال ہوگی اول کی مثال جیسے جاء نی رجل عالم کہ اس مثال میں عالمٌ رجلٌ کے وصف (عالمیت) پر دلالت کر رہا ہے اور نعت کی قسم ثانی میں تابع اور متبوع میں علاقہ اور تعلق کبھی تو نسب کے لحاظ سے ہوگا، جیسے جاء نی رجل عالم ابوہ اور کبھی یہ تعلق ملکیت کے لحاظ سے ہوگا جیسے جاء نی رجلٌ حسنٌ غلامہ اور کبھی یہ علاقہ مخالطت اور میل جول کا ہوگا جیسے جاء نی رجل طویل ثوبہ یا وہ تعلق بہت بعید کا ہوگا جیسے جاء نی رجلٌ عالم غلام ابیہ یا جیسے جاء نی رجل عالم ابو غلام أبیہ۔

ویُسمّٰی صفةً ایضًا. اور تابع کی اسی قسم کا نام صفت بھی ہے یعنی متبوع کو موصوف اور تابع کو صفت کہیں گے۔

والقسمُ الاولُ یتبعُ متبوعَہٗ فی عشرۃ اَشیاءَ فی الاعرابِ والتعریفِ والتنکیرِ والافرادِ والتثنیةِ والجمعِ والتذکیرِ والتانیث نحو جاء نی رجلٌ عالمٌ ورجلانِ عالمانِ ورجالٌ عالمون وزیدُ العالمُ وامرأۃٌ عالمةٌ.

ترجمہ و مطلب: اور قسم اول رفع، نصب، جر اور تعریف، تنکیر، مفرد، تثنیہ، جمع، اور تذکیر و تانیث میں اپنے متبوع کے موافق ہوگی اور ان دس میں سے بیک وقت ہر ترکیب میں چار پائی جائیں گی۔ رفع نصب جر میں سے ایک معرفہ ونکرہ میں سے ایک۔ مفرد تثنیہ وجمع میں سے ایک تذکیر وتانیث میں سے ایک کوئی ترکیب ایسی نہ ہوگی جن میں بیک وقت یہ چار نہ پائی جائیں، ہاں البتہ اگر صفت ایسی ہو جس میں تذکیر وتانیث مساوی ہوں جیسے فعول کا وزن جو بمعنی فاعل ہو جیسے صبورُ رجل صبورُ ای رجل صابر وامرأۃ صبورٌ ای امرأۃ صابرۃ یا فعیل کا وہ وزن جو بمعنی مفعول ہو جیسے جریح میں رجل جریح بمعنی رجل مجروح (زخمی) وامرأۃ جریح ای امرأۃ مجروحة۔ یا صفت ہو تو مونث مگر مذکر کے لیے استعمال ہوتی ہو جیسے علامۃ

تو ان مذکورہ تینوں صورتوں میں موصوف وصفت میں تذکیر وتانیث کے لحاظ سے مطابقت شرط نہیں اس لحاظ سے ان تراکیب میں بیک وقت تین شرطیں پائی جائیں گی جو تذکیر وتانیث کے علاوہ ہیں۔
اب رہی یہ بات کہ موصوف وصفت میں یہ مطابقت کی شرط کیوں ہے الجواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ موصوف وصفت کا مصداق ایک ہوتا ہے اور صفت موصوف کے ساتھ قائم ہوتی ہے تو اس وجہ سے اشیاء مذکورہ میں مطابقت ضروری ہے۔ مصنفؒ کی بیان کردہ امثلہ میں غور فرمایئے کہ جملہ تراکیب میں دس میں سے بیک وقت چار چار شرائط پائی جارہی ہیں۔

والقِسمُ الثانی انما یتبعُ متبوعهٗ فی الخمسةِ الاُوَل فقط اعنی الاعراب والتعریفَ والتنکیر.

ترجمہ و مطلب: اور نعت کی دوسری قسم اپنے متبوع کے صرف پہلی پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے یعنی رفع نصب جر اور تعریف وتنکیر میں ان پانچ میں سے ہر ترکیب میں دو پائی جائیں گی اور اخیر کی باقی پانچ میں اپنے متبوع کے تابع نہ ہوگی بلکہ ان پانچ میں مثل فعل کے ہوگی جیسا کہ جب فعل اسم ظاہر کی جانب مسند ہوتو فعل کو واحد لانا واجب ہوتا ہے تثنیہ وجمع لانا ناجائز، ایسے ہی صفت جب اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتو ہر حال میں مفرد لانا واجب ہے تثنیہ وجمع لانا ناجائز اسی کے ساتھ ساتھ اگر وہ اسم ظاہر مذکر ہوتو جیسے فعل کو مذکر اور اسم ظاہر مونث حقیقی ہوتو فعل کو مونث لانا واجب ہوتا ہے، ایسے ہی صفت کو مذکر و مؤنث لانا واجب ہے۔ مثال سے وضاحت حاصل کیجئے۔

کقولہٖ تعالیٰ من ھٰذہ القریة الظالِم اھلُھَا.

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں دیکھئے کہ ظالم قریۃ کے متعلق اہل کے معنی پر دلالت کررہا ہے یہاں ظالم اور قریۃ دونوں کا اعراب بھی ایک ہے اور دونوں تعریف میں بھی متحد ہیں۔

ترجمہ: اس بستی سے کہ ظالم ہیں یہاں کے باشندے۔

وفائدةُ النّعتِ تخصیصُ المنعُوتِ ان کانا نکرتَین نحو جاء نی رجلٌ عالمٌ.

ترجمہ و مطلب: یہاں سے صفت کے فوائد کو بیان فرمارہے ہیں، اور نعت کا فائدہ منعوت (موصوف) میں تخصیص پیدا کرنا ہے جب کہ یہ دونوں نکرہ ہوں اور تخصیص کے معنی آتے ہیں قلت اشتراک کے جیسے جاء نی رجل عالم کہ اس کے اندر دیکھئے کہ رجل وضع کے لحاظ سے رجال کے ہر فرد کے درمیان مشترک تھا، وہ عالم ہو یا جاہل جب عالم کے ساتھ صفت لائی گئی تو نکرۃ میں تخصیص پیدا ہوگئی کہ اب رجل کا اطلاق اس شخص پر ہوگا جو صفت علم کے ساتھ متصف ہو۔

وتوضیحُهٗ اِن کانا معرفتین نحو جاءَ نِی زیدُ الفاضِل.

دوسرا فائدہ نعت کا یہ ہے کہ موصوف میں وضاحت پیدا کرنی ہے اگر وہ دونوں معرفہ ہوں جیسے جاء نی زید الفاضل اس مثال میں زید اگر چہ معرفہ تو ضرور ہے مگر اس میں فاضل غیر فاضل دونوں ہی کا احتمال تھا فاضل صفت کے ذریعہ احتمال غیر کو رفع کر دیا گیا۔

وقد يكونُ لمجرد الثناءِ والمدحِ نحو بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرّحِيمِ وقد يكونُ للذّمّ نحو اَعُوذُ باللهِ مِن الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ وقد يكونُ لِلتّاكيد نحو نفخةٌ وّاحدَة.

اور کبھی صفت لائی جاتی ہے محض ثنا و مدح سرائی کے لیے مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ موصوف معرفہ ہو اور صفت موصوف میں ضمناً معلوم ہو رہی ہو جیسے بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرّحِيمِ کہ اس میں دونوں صفتیں محض ثنا و مدح کے بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہیں نہ کہ وضاحت وغیرہ کے لیے۔

اور کبھی صفت ہوتی محض مذمت بیان کرنے کے لیے جیسے اَعُوذُ بِاللهِ مِن الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ۔اس میں رجیم شیطان کی صفت ذم کو بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے۔

وقد يكونُ لِلتّاكيد الخ. اور کبھی صفت لائی جاتی ہے صرف تاکید کے لیے جیسے اللہ کے فرمان نفخةٌ واحدةٌ کے اندر صفت واحدة صرف تاکید کے لیے ہے ورنہ تو تاء خود وحدت پر دلالت کر رہی ہے۔

نوٹ : اخیر کی تین میں مصنفؒ نے لفظ قد کو استعمال کیا اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان کا استعمال قلیل ہے اور شروع کی دو کا استعمال کثیر ہے۔ مذکورہ مقاصد کے علاوہ بھی صفت کا استعمال ہوتا ہے جیسے کبھی استعمال ہوتی ہے ترحم کے لیے مثلاً انا زيد ن الفقير ۔اور کبھی صفت لائی جاتی ہے تعمیم کے واسطے جیسے كان ذلك فى وقت من الاوقات تو مثال مذکور میں وقت کی صفت اوقات لائی گئی صرف تعمیم پیدا کرنے کے لیے اور کبھی صفت لائی جاتی ہے کشف ماہیت کے واسطے جیسے الجسم الطويل العريض العميق مثال مذکور میں جسم کی جو تین صفتیں لائی گئی ہیں یہ صرف ماہیت کی وضاحت کے واسطے ہیں ورنہ تو کوئی جسم ایسا نہیں ہوتا جو یہ صفات ثلثہ نہ رکھتا ہو۔

واعلم اَنّ النّكرة تُوصَفُ بالجملة الخبريَة نحو مَررتُ برجُلٍ ابوه عالِمٌ او قامَ ابوهُ.

ترجمہ و مطلب: اور نکرہ کی صفت جملہ خبریہ بھی لائی جاتی ہے اس لیے کہ متبوع کے معنی پر دلالت جیسے مفرد میں پائی جاتی ہے، ایسے ہی جملہ میں بھی پائی جاتی ہے مگر اس کے لیے ایک شرط ہے وہ یہ کہ جملہ میں ایک ضمیر لازم ہوگی جو نکرہ کی طرف راجع ہو کہ دونوں میں ربط پیدا ہو جائے جیسے مَررتُ برجُلٍ ابوه عالِمٌ او قامَ ابوهُ.

نوٹ: مصنفؒ نے جملہ کو خبریہ کی قید کے ساتھ مقید کیا اس سے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ جملہ انشائیہ صفت واقع نہیں ہو سکتا ہاں تاویل کے ساتھ ہو سکتا ہے جیسے جاء نی رجُلٌ اضربه اى مقول فى

له اضربه یعنی مستحق لأن یُؤمَر بضربه ترجمہ: میرے پاس وہ مرد جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کو مارنے کا حکم دیا جائے۔

والمضمرُ لا یوصَفُ به.

اور ضمیر نہ تو موصوف واقع ہوتی ہے اور نہ صفت۔ضمیر موصوف اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ معرفہ میں تو صفت کا فائدہ صرف وضاحت ہوتا ہے اور ضمائر میں سے ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب تو اعرف المعارف ہیں، ان کو صفت واضحہ کی ضرورت ہی نہیں، اگر صفت لائیں گے تو تحصیل حاصل لازم آئے گا اور ضمیر غائب اگر چہ اعرف اور واضح نہیں ہوتی لیکن اس کو طرداً للباب ضمیر متکلم ومخاطب پر محمول کرلیا گیا ایسے ہی اگر چہ ضمیر صفت مادحہ وذامہ آ سکتی تھی مگر اس کو بھی طرداً للباب صفت موضحہ پر محمول کر کے عدم جواز کا فتوٰی صادر کر دیا مگر یہاں کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ ضمیر غائب تو موصوف ہوتی ہے جیسے لا اله الا هو العزیز الحکیم۔کے اندر ھُوَ ضمیر کی صفت العزیز الحکیم لائی گئی ہے۔

الجواب: العزیز الحکیم ھُوَ کی صفت نہیں بلکہ ھُوَ سے بدل ہے۔دوسرا جواب یہ ہے کہ ھُو بسکون الواو ضمیر نہیں ہے بلکہ اسماء الٰہی میں سے ایک اسم ہے لہٰذا صفت لانا صحیح ہے، اور ضمیر صفت اس وجہ سے واقع نہیں ہوتی کہ اس میں وصفیت کے معنی ہی نہیں ہوتے جو متبوع کے معنی پر دلالت کرے۔

تمرین:

تابع کی تعریف بیان فرمایئے (۱) تابع کی کل کتنی قسمیں ہیں، دلیل حصر کے انداز میں بیان کیجئے (۲) نعت کی تعریف بیان کرتے ہوئے بتلایئے کہ نعت کی کتنی قسمیں ہیں مع امثلہ وضاحت فرمایئے (۳) نعت کی قسم اول کتنی چیزوں میں متبوع کے مطابق ہوتی ہے، اور مطابقت کی وجہ بھی بیان فرمایئے۔اور قسم ثانی کتنی چیزوں میں متبوع کے موافق ہوتی ہے (۴) نعت کے کیا فوائد ہیں (۵) جب نکرہ کی صفت جملہ خبریہ آئے تو اس کے لیے کیا شرط ہے (۶) ضمیر موصوف اور صفت کیوں واقع نہیں ہو سکتی۔

ذیل میں چند جملے دیئے جا رہے ہیں ان میں بتلایئے کہ کونسا جملہ نعت کی کونسی قسم سے تعلق رکھتا ہے نیز صفت کا جن چیزوں میں مطابق ہونا ضروری ہے ان کو بیان فرمایئے اور غلط جملوں کی تصحیح کیجئے۔

أدَّبَنِی أستاذٌ کَامِلٌ، علّمتُ التَّلامِیذ المجتَهدِین یُحبُّ الوَالدَانِ الوَلدَ البارّ، التِّلمیذُ الکسَلَانُ لَیُس بِمحبُوب۔ جَاءَ نی تلمِیذٌ حَسَنٌ خُلُقه۔ اللهم احفظنا من رفیقٍ سیئٍ۔

واتَّقُو فِتْنة لَّاتُصِیبَنَّ الَّذِینَ ظَلَمُوا مِنْکُم خاصّةً۔ اللهم ارزقنا رفیقٌ حسنٌ۔

ایسے فتنہ سے بچو جو صرف تم میں سے ظالمین ہی کو نہیں پہنچے گا۔

فصل العطف بالحروفِ تابعٌ یُنسبُ الیه ما نُسِبَ الیٰ متبوعہٖ وکلاھما مقصودان بتلک النسبة ویسمّی عطفَ النّسقِ وشرطُهٗ ان یکونَ بینَه وبین مَتبُوعِہٖ احدُ حُرُوفِ العطفِ وسیاتی ذکرھا فی القسم الثالِث اِن شاء اللّٰہُ تعالیٰ نحو قام زیدٌ وعمرٌو.

ترجمہ: عطف بالحروف ایسا تابع ہے کہ جس کی طرف منسوب ہو وہ چیز جو منسوب ہے اس کے متبوع کی طرف اور اس نسبت سے وہ دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں اور اس کا نام عطف نسق بھی ہے، اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس کے درمیان اور اس کے متبوع کے درمیان حروف عاطفہ میں سے کوئی ایک حرف ہو جس کا ذکر انشاء اللہ قسم ثالث میں آئے گا جیسے قام زیدٌ وعمرٌو.

تشریح و توضیح: دوسری فصل عطف بالحروف کے بیان میں ہے عطف کے لغوی معنی آتے ہیں امالہ کے تو تابع کی اس قسم ثانی کو عطف بالحروف بھی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ حرف عطف کے ذریعہ سے اس کا مابعد ماقبل کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ عطف بالحروف وہ تابع ہے کہ منسوب کی جائے اس کی طرف وہ چیز جو منسوب کی گئی ہے اس کے متبوع کی طرف پھر نسبت سے متعلق یہ بھی یاد رکھیں کہ اس میں دو اعتبار سے تعمیم ہے اول یہ نسبت خواہ ایجابی ہو یا سلبی۔ دوسرے یہ کہ اس تعریف میں ایک قید کا اور اضافہ کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ جیسے تابع کی طرف کسی چیز کی نسبت ہوتی ہے ایسے ہی تابع کی نسبت بھی کسی چیز کی طرف ہو سکتی ہے دونوں کی مثال ملاحظہ فرمائیے، اول کی مثال جیسے جاء نی زید و عمرو کہ اس مثال میں عمر کی طرف مجیئة (آنے کی) نسبت ہے جو اس کے متبوع زید کی طرف ہے ثانی کی مثال جیسے زید قائم وذاھبٌ کہ اس مثال میں جیسے متبوع کی نسبت زید کی طرف ہے ایسے ہی ذاھب تابع کی نسبت بھی زید کی طرف ہے۔

تو خلاصہ یہ کہ خواہ تابع کی طرف کسی چیز کی نسبت ہو یا تابع کی کسی چیز کی طرف ہو۔

آگے مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ نسبت سے تابع و متبوع دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں جیسے جاء نی زید وخالد میں جیسے آمد کی نسبت زید کی طرف مقصود ہے ایسے ہی خالد کی طرف بھی مقصود ہے۔

نوٹ: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ابھی یہ بتلایا کہ نسبت سے دونوں ہی مقصود ہوتے ہیں اس سے وہ معطوف خارج ہو جاتا ہے، جو حرف عطف لا وبل ولکن وأم وأو کے ذریعہ ہوتا ہے اس لیے کہ ان حروف عاطفہ کے ذریعہ سے تابع و متبوع میں سے مقصود بالنسبت ایک ہی ہوتا ہے دونوں نہیں ہو سکتے، مثلاً جیسے آپ کہیں جاء نی زید لا بکر تو یہاں ظاہر ہے کہ نسبت سے صرف متبوع مقصود ہے نہ کہ تابع۔

الجواب : یہاں متبوع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ متبوع تابع کے لیے بطور توطیہ وتمہید کے نہ ہو جیسا کہ مبدل منہ بدل کے لیے بطور تمہید کے ہوتا ہے۔ اور تابع کے مقصود بالنسبت ہونے سے مراد یہ ہے کہ تابع متبوع کے لیے بطور فرع کے نہ ہو یعنی غیر مستقل نہ ہو جیسا کہ صفت موصوف کے لیے بطور فرع کے ہوتی ہے اس معنی کے لحاظ سے ظاہر ہے کہ دونوں ہی مقصود بالنسبت ہوئے۔

ویسمّی عطفَ النّسقِ اور عطف بالحروف کا دوسرا نام عطف نسق بھی ہے، اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نسق کے معنی آتے ہیں بات کو ترتیب دینا تو چونکہ چند مواضع میں معطوف بھی معطوف علیہ کے بعد بالترتیب آتا ہے جیسے جاء نی زید فعمر وثم بکر یعنی اولا زید آیا پھر عمرو آیا اور سب سے اخیر میں بکر آیا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نسق بفتح السین ماخوذ ہے عرب کے قول ثغر نسق سے اور اہل عرب ثغر نسق اس وقت بولتے ہیں جب کہ دانت برابر ہو جائیں تو اب وجہ مناسبت یہ ہوگی کہ حروف عاطفہ بھی چونکہ تابع و متبوع کو باعتبار اعراب کے برابر کر دیتے ہیں۔

وشرطُهٗ ان یکونَ بینَه وبین مَتبُوعِهٖ الخ اور عطف بالحروف کی شرط یہ ہے کہ اس کے درمیان اور اس کے متبوع کے درمیان حروف عاطفہ میں سے کوئی ایک ہونا چاہئے اور حروف عاطفہ کتنے ہیں اور کیا معنی دیتے ہیں اس کی تفصیل حروف کی بحث میں آئے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔

واذا عطِفَ علی الضمیر المرفوع المتصل یجبُ تاکیده بالضمیر المنفصل نحو ضربتُ انا وزیدٌ اِلا اذَا فُصِّل نحو صربتُ الیومَ و زیدٌ.

ترجمه و مطلب : اور جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی اسم کا عطف کیا جائے تو ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لانا واجب ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل فعل کے لیے بمنزلۂ جزء کلمۃ کے ہے، لہٰذا یہ غیر مستقل ہوئی اور معطوف اسم مستقل ہے اور مستقل قوی ہوتا ہے اور غیر مستقل ضعیف اب اگر بغیر تاکید کے عطف کریں گے تو قوی کا عطف ضعیف پر اور انحطاط متبوع کا تابع سے اور تابع کی زیادتی متبوع پر لازم آئے گی اور یہ بہت بری بات ہے اس لیے تاکید لانا واجب ہے جیسے ضربتُ اَنا وزید کے اندر زید کا عطف ضمیر بارز متکلم پر بذریعہ انا کیا گیا ہے اسی سے آپ کو یہ مسئلہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اگر ضمیر متصل پر عطف کیا جائے تب تاکید لانا واجب ہے اور اگر ضمیر منفصل پر کیا جائے تو بغیر تاکید کے بھی عطف کرنا درست ہے جیسے انا وزیدٌ ذاھبٌ اِلا اذَا فُصِّل ہاں ایک صورت مستثنٰی ہے وہ یہ کہ جب ضمیر متصل اور اسم معطوف کے درمیان فاصلہ آ جائے اس صورت میں تاکید کا لانا واجب نہیں ہے بلکہ اختیار ہے لاؤ یا نہ لاؤ پھر یہ فاصلہ خواہ حرف عطف سے قبل ہو جیسے ضربتُ الیوم و کے اندر اور خواہ حرف عطف کے بعد ہو جیسے مَا اَشرَکْنَا ولَا آبَاؤنَا کے اندر لائے زائدہ فاصل حرف عطف

کے بعد ہے ایک مثال وہ سن لیجئے جہاں باوجود فصل کے تاکید لائی گئی جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے فکبکبوا فیھا ھم وَالغاون ترجمہ: گمراہ لوگ اور ابلیس کا لشکر سب کے سب اوندھے منھ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے۔

و اذا عُطِف عَلی الضمیر المجرُور یجبُ اعادةُ حرفِ الجر نحو مَررتُ بکَ وبزیدٍ.

اور جب ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو نثر عبارت و حالت اختیار میں حرف جر کا اعادہ واجب ہوگا اور ضرورت کے تحت اعادۃ واجب نہیں ہوگا اور وجہ وجوب اعادہ حرف جر کی یہ ہے کہ ضمیر مجرور حرف جار کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلۂ جزءِ کلمہ کے ہے تو اگر بغیر اعادۂ حرف کے عطف کریں گے تو عطف جزءِ کلمہ پر کرنا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے جیسے مررتُ بكَ وبزيد۔

نوٹ: مذکورہ تفصیل بصریین حضرات کے مذہب کے مطابق ہے البتہ کوفیین نے اس سلسلے میں حرف جار کے اعادہ کی حالت اختیاری وغیرہ اختیاری دونوں میں ترک کی اجازت دی ہے، جیسے وَاتَّقُو اللّٰہ الّذِی تساء لون بہ والأرحام ۔اس فرمانِ باری میں أرحام کا عطف بہ کی ہ ضمیر مجرور پر ہو رہا ہے بلا اعادہ کے حضرات بصریین نے اس کا جواب دیا کہ یہ شاذ ہے اور شاذ لائق اعتماد نہیں یہ بھی ممکن ہے کہ والارحام میں واؤ قسمیہ ہو۔

واعلم اَنَّ المَعْطوفَ فی حکم المعطوف علیه اعنِی اذا کان الاولُ صفةً لشیءٍ او خبراً لامرٍ او صلةً او حالاً فالثانی کذلک ایضاً.

ترجمه ومطلب: اور یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر معطوف علیہ کسی کی صفت ہو تو معطوف بھی اسی کی صفت ہوگا جیسے جاء نی زید ن العاقل والعالم اور اگر اول کسی کی خبر ہے تو یہ بھی اسی کی خبر ہوگا جیسے زید عامل وعاقل اور اگر اول صلہ ہے تو یہ بھی صلہ ہوگا جیسے قام الذی صلی وصام اور اگر حال ہے تو یہ بھی حال ہوگا جیسے جاء نی زید مشدوداً ومضروبا اور ایسے ہی اگر معطوف علیہ میں ضمیر کا لانا واجب ہو تو معطوف میں بھی ضمیر لانا واجب ہوگا جیسے زید قام أبوه وقعد أخوه۔

والضابطةُ فیهِ اَنهُ حیثُ یجوزُ اَن یُقامَ المعطوفُ مقامَ المَعطُوفِ علیه جاز العطفُ وحیثُ لا فَلا.

ترجمه و مطلب: یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ کہاں اور کب معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور کب نہیں چنانچہ فرماتے ہیں مسئلہ مذکورہ کے لیے ضابطہ اور قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اگر معطوف کا معطوف علیہ کے قائم مقام ہونا صحیح ہو تو معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوگا اور اگر قائم مقام بننا صحیح نہ ہو تو معطوف معطوف علیہ کے حکم میں نہ ہوگا جیسے جب کہ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو قائم مقام کرنا درست ہوتا

مضاف الیہ کو مضاف کا حکم دے دیا جاتا ہے، جیسے واسئل القریة ای اهل القریة ۔اس وجہ سے ضابطہ مذکورہ کی بناء پر ما زید بقائم اوقائما ولا ذاھبٌ عمروٌ کے اندر ذاہب کا رفع واجب ہوگا چونکہ اگر اس کو منصوب یا مجرور پڑھیں تو اس کا عطف قائم یا قائماً پر کر کے زید کی خبر مانیں گے اور یہ صحیح نہیں اس لیے کہ ذاھب عمرو میں ضمیر نہیں ہے جو زید کی طرف راجع ہو جیسا کہ قائم میں ضمیر راجع ہے اور ضمیر اس لیے نہیں ہے کہ ذاھب خبر مقدم ہے اور عمرو مبتداء مؤخر، لہٰذا ذاھب کا عطف قائم پر درست نہیں اس لیے ذاھب کو مرفوع پڑھیں گے اس صورت میں یہ الگ جملہ ہوگا اور اس جملہ کا عطف پھر زید بقائم اور قائما پر ہوگا۔ اور یہ درست ہے اب معنی یہ ہوں گے کہ نہیں ہے زید کھڑا اور نہیں ہے عمرو جانے والا۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ اس مثال میں ذاہب کا قائماً یا بقائم کے قائم مقام کرنا صحیح نہیں خرابی مذکورہ کی وجہ سے، لہٰذا عطف کرنا بھی صحیح نہیں۔

والعطفُ علىٰ معمولَیْ عاملَین مختلفَین جائزٌ اِنْ کانَ المعطوف علیه مجروراً مقدمًا والمعطوفُ کذلک نحو فی الدارِ زیدٌ والحجرةِ عمرو.

ترجمہ و مطلب : اور ایک حرف عطف کے ذریعہ سے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کرنا جائز ہے اگر معطوف علیہ مجرور مقدم ہو بعض مرفوع یا منصوب پر اور ایسے ہی معطوف مجرور بھی مقدم ہو مرفوع یا منصوب پر جیسے فی الدار زید والحجرة عمرو ۔اس مثال میں حجرہ کا عطف دار پر ہے اور عامل اس میں فی حرف جار ہے اور عمرو کا عطف زید پر ہے اور اس میں عامل ابتداء ہے اس مثال میں ایک عطف کے ذریعہ سے دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کیا گیا ہے اور یہ جو عطف جائز ہے، یہ اس وجہ سے کہ اہل عرب سے مجرور مقدم کی صورت میں ایسے ہی مسموع ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ اگر مجرور مؤخر ہو تو عطف ممتنع ہوگا چونکہ اہل عرب سے مسموع نہیں جیسے زید فی الدار وعمرو فی الحجرة اس میں حجرۃ کا عطف دار پر اور عمرو کا زید پر ممتنع ہوگا۔

نوٹ: اسی سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ ایک عامل کے دو معمولوں پر اگر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ جائز ہے جیسے ضرب زیدٌ عمرواً وعمرو خالداً اس میں ضرب عامل ہے اور اس کے دو معمولوں پر عمرو اور خالد کا عطف ہے عمرو کا عطف زید فاعل پر اور خالد کا عمرو مفعول پر عطف جائز ہے جس پر تمام نحویین کا اتفاق ہے۔

وفی هذه المسئلةِ مذهبانِ آخرَانِ وهُمَا اَن یجوزَ مطلقاً عندَ الفرّاءِ ولا یجوز مُطلقاً عِندَ سِیبویه.

ترجمہ و مطلب: اور اس مسئلہ میں دوسرے دو مذہب اور ہیں اور وہ یہ کہ امام فراء یہ فرماتے ہیں کہ

جیسے ایک عامل کے دو معمولوں پر مطلقاً عطف کرنا جائز ہے ایسے ہی دو عامل کے دو معمولوں پر بھی مطلقاً عطف کرنا جائز ہے خواہ مجرور مقدم ہو یا مؤخر ہو مگر یہ ملحوظ رہے کہ یہ جواز کی صورت ان کے یہاں بھی اس وقت ہے جب کہ جار مجرور درمیان کا فصل واقع نہ ہو اور اگر فصل واقع ہو جائے تو بالاتفاق عطف نا جائز ہوگا جیسے اِنّ زیداً فی الدار وعمرو فی الحجرة وذهب زيدٌ إلى عمرٍ وبكرٌ الى خالد اور امام سیبویہؒ کے نزدیک عطف مطلقاً نا جائز ہے یعنی کہ خواہ مجرور مقدم ہو یا مؤخر ہو وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ حرف عطف ایک عامل کا تو نائب ہوسکتا ہے اس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ دو عاملوں کے قائم مقام ہوسکے۔

تمرین:

(۱) عطف بالحروف کی جامع مانع تعریف کیجئے، نیز یہ بھی بتلائیے کہ اس کا دوسرا نام کیا ہے۔

(۲) جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی اسم کا عطف کرنا ہو تو اس کے لیے کیا شرط ہے، مع وجہ اور مثال کے بیان فرمائیے۔

(۳) اگر ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو اس کے لیے کیا شرط ہے مع وجہ اور مثال کے بیان فرمائیے۔

(۴) معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس کے لیے مصنفؒ نے ایک ضابطہ بیان کیا ہے اس کی وضاحت فرمائیے۔

(۵) کیا دو مختلف عاملوں کے دو معمولوں پر عطف کرنا جائز ہے اور اس کے لیے اگر کوئی شرط ہو وہ بھی بیان فرمائیے، نیز اس مسئلہ میں دو مذہب اور بھی ہیں اُن کی بھی وضاحت کیجئے۔

(۶) کیا ایک عامل کے دو معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کرنا صحیح ہے، مثال بیان کیجئے۔

نوٹ: اس کی تمرین عطف بیان کے بیان میں دی جائے گی تا کہ دونوں میں شناخت اور وجہ شناخت معلوم ہو جائے فلينتظر المنتظر۔

فصلٌ التاكيد تابع يدُلّ علىٰ تقرير المتبوعِ فی ما نُسبَ اليه او على شمولِ الحكمِ لكل فردٍ من افرادِ المتبوعِ.

ترجمہ: تاکید ایسا تابع ہے جو دلالت کرتا ہے متبوع کے ثابت کرنے پر اس کے منسوب الیہ ہونے میں یا حکم کے شامل ہونے پر متبوع کے افراد میں سے ہر فرد کے لیے۔

تشریح: عطف بالحرف کے بعد مصنفؒ تاکید کو بیان کررہے ہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ تاکید لفظی میں بھی حروف عاطفہ میں سے ثم اور فاء زیادہ کردیئے جاتے ہیں جیسے کلام خداوندی میں وارد ہوا ہے کلا سوفَ تعلمونَ ثم كلا سوف تعلمونَ اسی وجہ سے تاکید کو عطف بالحروف کے بعد بیان کررہے ہیں۔

تاکید کے لغوی معنی آتے ہیں مضبوط کرنا ثابت کرنا اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل اور توضیح یہ ہے کہ متبوع کی طرف جس چیز کی نسبت کی گئی ہے تاکید اس بات کو ثابت کر دیتی ہے کہ مراد اس نسبت سے متبوع ہی ہے نہ کہ کوئی اور چونکہ سامع بعض دفعہ یہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ متکلم نے کلام میں مجاز کا استعمال کیا ہوگا جیسا کہ مثال ہے قَطَعَ الامِیرُ اللّص ً امیر نے چور کا ہاتھ کاٹا تو عموماً ایسا ہوتا ہے کہ امیر خود سزا نہیں دیتا بلکہ حکم کرتا ہے تو سامع ایسے کلام سے یہاں سمجھ سکتا ہے کہ امیر کی طرف قطع فعل کی نسبت مجازی ہے، ہوسکتا ہے کہ چور کا ہاتھ کسی اور نے کاٹا ہو۔ تو تاکید کے لانے سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ نہیں ۔ مراد نسبت سے واقعۃً متبوع ہی ہے اس لیے جب تاکید لائیں گے تو یوں کہیں گے:

قَطَعَ الأمِیرُ اللّص.

یا تاکید سے یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ متبوع کا حکم اس کے تمام افراد کو شامل ہے توضیح اس کی یہ ہے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حکم بعض افراد کو شامل ہوتا ہے، اور نسبت تمام افراد کی طرف مجازاً کر دی جاتی ہے تو تاکید کے لانے سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ مجاز کا یہ وہم دور ہوجائے گا، اور یہ ثابت ہوجائے گا کہ حکم حقیقتاً تمام افراد کو شامل ہے جیسے جاء نِی القَوم کُلُّھُم۔ لفظ کلھم نے حکم کے بعض افراد کے شامل ہونے کا جو احتمال تھا وہ ختم کر دیا۔

فوائد قیود : علی تقریر المتبوع کی قید سے عطف بالحرف و بدل خارج ہوگیا چونکہ یہ دونوں تقریر متبوع پر دلالت نہیں کرتے۔ فیما نسب الیہ کی قید سے نعت اور عطف بیان سے احتراز ہوگیا۔ چونکہ یہ دونوں متبوع کی ذات کی تعیین پر تو دلالت کرتے ہیں لیکن ان کے ذریعہ متبوع کی طرف نسبت نہیں کی جاتی۔

نوٹ: مصنفؒ کی اس عبارت پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تعریف ضرب ضرب زید و ان اِنّ زیداً قائم پر صادق نہیں آتی چونکہ یہ متبوع کی نسبت یا شمول میں ثابت کرنے پر دلالت نہیں کرتے جب کہ تاکید میں متبوع کی طرف نسبت ضروری ہے، حالانکہ یہ بھی تاکید ہے۔

الجواب: مصنف مخصوص قسم کی تاکید کی تعریف بیان فرما رہے ہیں اور وہ تاکید اسمی ہے چونکہ بحث اسم ہی کی چل رہی ہے اس لیے ہماری بیان کردہ تعریف سے اگر تاکید فعلی و حرفی خارج ہو تو ہوجائے، اس سے ہماری تعریف پر کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

والتاکیدُ علیٰ قِسمین لفظی وھو تکریرُ اللفظِ الاول نحو جاء نی زیدٌ زیدٌ وجاء جاء زیدٌ.

ترجمہ: تاکید کی دو قسمیں ہیں، ایک لفظی اور وہ لفظ اول کو مکرر لانے کا نام ہے جیسے جاء نی زیدٌ زیدٌ جاء جاء زیدٌ.

تشریح: تاکید کی تعریف کے بعد اس کی تقسیم شروع فرما رہے ہیں۔ تاکید کی دو قسمیں ہیں (۱) لفظی (۲) معنوی۔ لفظی لفظ کی طرف منسوب ہے تو تاکید لفظی کو تاکید لفظی اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ لفظ کے تکرار سے حاصل ہوتی ہے اور معنوی معنی کی طرف منسوب ہے تاکید معنوی کو معنوی اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں معنی کا لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ وَهُو تكريرُ اللّفظِ الاوّل ۔ تاکید لفظی کہتے ہیں اس تاکید کو جس میں لفظ اول کا تکرار ہو خواہ وہ تکرار حقیقۃً ہو یا حکماً پھر تکرار خواہ اسم کا ہو، جیسے ضَرَبَ زَيْدٌ زيدٌ خواہ فعل کا ہو جیسے ضَرَبَ ضَرَبَ زيدٌ اور خواہ حرف کا ہو جیسے اِنّ اِنَّ زيداً قائمٌ تکرار حکمی کی مثال جیسے ضَربْتَ انتَ وضَربْتُ انَا وضَربْتك اِيَّاكَ۔

ومعنوی وهو بالفاظٍ معدودةٍ وهی النفسُ و العينُ للواحدِ والمثنى والمجموع باختلافِ الصيغةِ والضمير نحو جاء نی زيدٌ نفسُه والزيدانِ انفُسُهما او نفساهما والزيدونَ انفُسُهُمْ وكذلك عينُه واعينهما او عَينَاهُما واعيُنُهم جاء تنی هندٌ نفسُها وجاء تنی الهندان انفسُهما او نفساهُما وجاء تنی الهنداتُ انفسُهنَّ.

ترجمہ: تاکید کی دوسری قسم معنوی ہے اور وہ چند الفاظ کے ساتھ ہے اور وہ نفسٌ وعَيْنٌ ہیں، واحد وتثنیہ وجمع کے لیے صیغہ اور ضمیر کے اختلاف کے ساتھ جیسے جاء نی زيدٌ نفسُه والزيدان انفُسُهما او نفساهما والزيدونَ انفُسُهُمْ وكذلك عينُه واعينهما او عَينَاهُما واعيُنُهم کا مذکر کے اندر۔ مؤنث کی مثال جیسے جاء تنی هندٌ نفسُها وجاء تنی الهندان انفسُهما او نفساهُما وجاء تنی الهنداتُ انفسُهنَّ.

تشریح: تاکید کی دوسری قسم معنوی ہے اور تاکید معنوی کے چند گنے چنے الفاظ ہیں انہی کے ذریعہ تاکید معنوی لائی جا سکتی ہے، ان ہی الفاظ مخصوصہ میں سے نفسٌ وعَيْنٌ ہیں یہ دونوں کے دونوں واحد تثنیہ وجمع سب کی تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں صیغہ اور ضمیر کے اختلاف کے ساتھ مطلب اس کا یہ ہے کہ اگر متبوع واحد ہے تو ان کا صیغہ بھی واحد ہوگا اور اسی طرح ضمیر بھی واحد کی لائی جائے گی جاء نی زيدٌ نفسُه (ترجمہ میرے پاس زید خود آیا) اور اگر متبوع تثنیہ ہو تو صیغہ بھی تثنیہ اور ضمیر بھی تثنیہ کی لائی جائے گی جیسے جاء نی الزيدانِ انفُسُهما یا انفُساهُمَا تثنیہ کی صورت میں نفس کو بجائے نفساہما تثنیہ لانے کے انفسُ جمع کا صیغہ لانا زیادہ بہتر ہے اور اگر متبوع جمع ہو تو ان دونوں کو بھی جمع لایا جائے گا اور ضمیر بھی جمع کی لائی جائے گی جیسے جاء نی الزيدونَ انفُسُهُمْ اور یہی حال ہے لفظ عین کا اس کو بھی ایسے ہی واحد تثنیہ وجمع لایا جائے گا اور ضمیر کو بھی جیسے جاء نی زيدٌ عينُه والزيدان اعيُنُهما یا عَينَاهُما والزيدونَ اعيُنُهم ۔ اور اگر متبوع مؤنث ہو تو تابع اندر بھی ضمیر مؤنث ہی کی لائی جائے گی كما هو مذكورٌ فی المتن۔

وکلا وکلتا للمثنیّ خاصةً نحو قامَ الرجلان کلاھُما وقامتِ المرأتان کلتاھما.

ترجمہ: اورکلا وکلتا خاص ہیں تثنیہ کے لیے جیسے قامَ الرجلان کلاھُما دونوں مرد کھڑے ہوگئے وقامتِ المرأتان کلتاھما دونوں عورتیں کھڑی ہوگئیں۔

تشریح: مطلب یہ ہے کہ کلا وکِلتا دونوں کے ذریعہ صرف تثنیہ کی تاکید لائی جاتی ہے کلا سے تثنیہ مذکر کی جیسے قامَ الرجلان کلاھُما (دونوں کے دونوں مرد کھڑے ہوئے) اورکلتا سے تثنیہ مؤنث کی جیسے قامتِ المرأتانِ کلتاھما.

وکُلٌّ واجمعُ واکتعُ وابتعُ وابصعُ لغیرِ المثنی باختلافِ الضمیر فی کُلٍّ والصّیغةِ فی البَواقی تقول جاء نی القوم کلھم اَجمعُون اَکتعُونَ اَبتعُونَ اَبصَعُونَ وقامتِ النساء کلُّھُنَّ جُمعُ کُتَعُ بُتَعُ بُصَعُ.

ترجمہ: اورکل واجمع واکتع وابتع ابصع تثنیہ کے علاوہ کے لیے ہیں، ضمیر کے اختلاف کے ساتھ لفظِ کل میں اور صیغہ کے اختلاف کے ساتھ باقی میں۔

تشریح: اورلفظ کُلٌّ واجمع واکتع وابتع وابُصعُ یہ پانچوں الفاظ واحد وجمع کی تاکید کے لیے مستعمل ہیں، اتنا فرق ضرور ہے کہ جب لفظ کل سے تاکید لائی جائے گی تو صرف ضمیر تبدیل ہوگی واحد کے لیے واحد کی ضمیر لائی جائے گی اور جمع کے لیے جمع کی ضمیر لائی جائے گی اور باقی چار میں صرف صیغہ تبدیل ہوگا ضمیر نہیں لائی جائے گی۔ **امثلہ** متبوع اگر واحد مذکر ہے تو کل بھی واحد مذکر جیسے اَکلتُ الطَّعام کُلَّه اور واحد مؤنث میں جیسے اَکلتُ الکمّثریٰ کُلَّھا بمعنی امرود۔ اورجمع مذکر کی مثال جیسے جاء نی القوم کُلُّھُم اور جمع مؤنث کی مثال جیسے قامتِ النساء کلُّھُنَّ اور باقی چار کے ساتھ تاکید لانے کی صورت یہ ہوگی کہ متبوع اگر واحد مذکر ہے تو اَجمَعُ لایا جائے گا۔ اور اگر جمع ہے تو اجمَعُونَ اور اگر واحد مؤنث ہو تو جمعاءُ اور اگر جمع مؤنث ہے تو جُمعُ اور یہی حال ہے اکتع ، اتبع ، ابصع کا۔

واذا ارادتَّ تاکید الضمیر المرفوعِ المتصل بالنفسِ والعین یجب تاکیدهٗ بالضمیر المنفصل نحو ضربتَ انتَ نفسَکَ.

ترجمہ: اور جب ارادہ کرے تو لفظ نفسٌ اور عینٌ کے ذریعہ سے ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لانے کا تو واجب ہے اس کی تاکید لانا ضمیر منفصل کے ذریعہ سے جیسے ضربتَ انتَ نفسَکَ.

تشریح و توضیح: مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ضمیر مرفوع متصل کی نفس وعین کے ذریعہ تاکید لانا چاہیں تو پہلے ضمیر متصل کی تاکید منفصل سے لائیں گے پھر نفس و عینٌ کے ساتھ لائیں گے جیسے

ضربت انت نفسک میں، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ایسا نہیں کیا جائے گا تو بعض صورتوں میں یہ پتہ نہ چلے گا کہ لفظ نفس اور عینٌ اپنے ماقبل فعل کے فاعل ہیں یا فاعل کی تاکید جیسے زیدٌ اکرمنی ھُوَ نفسہ میں اگر نفسہ کی تاکید بغیر ھُو ضمیر منفصل کے لائی جائے تو یہ معلوم نہ ہوگا کہ نفس فاعل ہے اکرمنی کا یا اکرام کے فاعل ہو مستتر کی تاکید ہے یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ ہر جگہ یہ التباس لازم نہیں آتا لیکن طرداً للباب ایسی ترکیب میں بھی یہی حکم نافذ کردیا گیا۔

فائدہ: مصنفؒ نے قاعدہ مذکورہ کے لیے ضمیر کو مرفوع متصل کی قید کے ساتھ مقید کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اگر ضمیر منصوب متصل یا مجرور کی نفسٌ و عینٌ کے ذریعہ تاکید لائیں گے تو اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لانا واجب نہیں ہے ایسے ہی ضمیر مرفوع منفصل کی تاکید بھی دوسری ضمیر منفصل کے ساتھ لانا واجب نہیں ہے التباس کے نہ ہونے کی وجہ سے جیسے ضَرَبْتَكَ نَفسكَ وَمَرَرْتُ بِكَ نَفْسِكَ وَمَا ضَربَ اِلَّا اَنتَ نَفْسُكَ۔

ولا يُؤكَّدُ بكلّ واجمع الاماله اجزاءٌ وابعاضٌ يصحُّ افتراقُها حِسًّا كالقوم او حكمًا كما تقولُ اشتريتُ العبدَ كلّهٗ ولا تقولُ اكرمتُ العَبد كُلّهٗ.

ترجمہ: اور نہیں تاکید لائی جائے گی لفظ کلٌّ واجمعُ کے ذریعہ مگران سماء کی کہ جن کے لیے اجزاء وابعاض ہوں صحیح ہو اس کا جدا کرنا، حسًّا جیسا کہ قوم یا حکماً جیسا کہ تو کہے اشتریتُ العبد کلہ اور نہیں کہے گا تو اکرمتُ العبد کلہٗ۔

توضیح: توضیح اس کی یہ ہے کہ کلٌّ واجمعُ کے ذریعہ ایسے اسم کی تاکید لائی جاتی ہے جس کے اجزاء ہوں اور ان اجزاء کو حساً یا حکماً جدا بھی کیا جاسکتا ہو۔ افتراق حسی کی مثال جیسے جاء نی القوم کُلُّھُم اس مثال میں قوم کی تاکید کلھم سے لائی گئی چونکہ قوم میں حساً افتراق پایا جاتا ہے یعنی یہ ممکن ہے کہ مجیئت کا حکم قوم کے بعض افراد کو شامل ہو اور بعض کو نہ ہو اور افتراق حکمی کی مثال جیسے اشتریتُ العبدَ کُلّہٗ کہ اس میں حکماً افتراق موجود ہے چونکہ نصف اور تہائی چوتھائی غلام کو خریدا جاسکتا ہے مثلاً دو آدمی مل کر خرید لیں کہ دونوں کی خدمت کرے گا تو عبد میں اگرچہ حقیقتاً افتراق نہیں ہے مگر حکماً ضرور ہے۔ البتہ اکرمتُ العبد کلہ نہیں کہہ سکتے، چونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ زید کے کچھ حصہ کا اکرام کیا جائے اور کچھ کا نہ کیا جائے۔

واعلم اَنَّ اكتع وابتَع وابصَع اَتْباعٌ لأجْمَعَ وليس لها معنىً هٰهُنا بدونه فلا يجوز تقديمُها علىٰ اجمعَ ولا ذكرُها بدونه.

ترجمہ: اور جان تو کہ اکتع وابتَع وابصَع تابع ہیں اجمع کے اور نہیں ہیں ان کے معنی اس جگہ اجمع کے بغیر لہٰذا ان کا اجمع پر مقدم ہونا بھی جائز نہیں اور نہ ان کا ذکر کرنا جائز ہے بغیر اجمع کے۔

توضیح: اس مقام کی یہ ہے کہ یہ تینوں تاکید کے مقام پر اجمع کے تابع ہیں استعمال کے لحاظ سے کسی اسم کی تاکید لانے میں اور قاعدہ یہ ہے کہ تابع اپنے متبوع پر مقدم نہیں ہوا کرتا لہٰذا یہ بھی اجمع پر مقدم نہ ہوں گے بلکہ اجمع کے بعد آئیں گے دوسری بات یہ ہے کہ یہ سب چونکہ اجمع کے تابع ہیں اس لیے بغیر اجمع کے نہیں آئیں گے ورنہ تو لازم آئے گا کہ تابع بغیر اصل کے مذکور ہے۔

تمرین:

(۱) تاکید کی تعریف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتلائیے کہ اس کی کتنی قسمیں ہیں۔

(۲) تاکید معنوی کے لیے کتنے الفاظ آتے ہیں اور ان کے استعمال کا طریقہ بھی بتلائیے۔

(۳) جب ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لفظ نفس وعین کے ذریعہ لانا چاہیں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟

(۴) لفظ کلٌّ وأجمع کے ذریعہ کس چیز کی تاکید لا سکتے ہیں مع مثال وضاحت فرمائیے؟

(۵) لفظ اکتع، أبتع، أبصع کے کیا معنی ہیں، اور یہ کس کام کے لیے آتے ہیں۔

ذیل کے جملوں میں تاکید کی دونوں قسموں میں سے ایک کی تعیین فرمائیے۔

قُومُوا صَفًّا صَفًّا، تَدْعُوكُمْ إلَى المَأدُبَةِ جَمَاعَةً جَمَاعَةً. اَللهُ يُحَاسِبُكُمْ وَاحِداً وَاحِداً. حَضَرَ رَئِيسُ الْجَامِعَة نفسُه. قَرَأتُ قَرَأتُ دَرْسِيْ. تَقَدَّمَ الطُّلّابُ كُلُّهم أجْمَعُون. أدَّتِ الإمتِحَانَ الطَّالباتُ.

تمام کی تمام طالبات نے ایک ساتھ امتحان دیا۔ (اجتزتُ الامتحانين كليتهما) میں نے دونوں امتحان پاس کر لیے، لا نصرنكم أجمعين. حفظت الكتب كلها، قال سليمان يوماً لأطوفن الليلة على نسائي كلهن الخ (ایک روز حضرت سلیمانؑ نے یہ فرمایا کہ میں آج رات اپنی تمام ازواج کے پاس جاؤں گا)۔

فصل البدلُ تابعٌ يُنسَبُ اليه ما نُسبَ الىٰ متبوعهٖ وهو المقصودُ بالنسبةِ دون متبوعهٖ.

ترجمہ: بدل ایسا تابع ہے کہ منسوب ہو اس کی طرف وہ چیز جو منسوب ہو اس کے متبوع کی طرف اور بدل ہی مقصود بالنسبۃ ہوتا ہے نہ کہ اس کا متبوع۔

تشریح و توضیح: توضیح مقام کی یہ ہے کہ جس چیز کی نسبت متبوع کی طرف ہو وہی نسبت تابع کی طرف ہو اتنا ضرور ہے کہ نسبت تو اگرچہ دونوں کی طرف کی گئی ہو مگر مقصود اصلی نسبت سے تابع ہو یعنی بدل ہو اور رہا متبوع تو وہ تو صرف اس کی تمہید کے لیے آتا ہے مقصود اصلی نہیں ہوتا۔

فوائد قیود: تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے۔ المقصود بالنسبة فصل اول ہے اس قید

سے احتراز ہے نعت اور تاکید وعطف بیان سے چونکہ یہ مقصود بالنسبۃ نہیں ہوتے اور دون متبوعہ فصل ثانی ہے اس سے احتراز ہو گیا عطف بالحروف سے چونکہ اگر چہ نسبت سے یہ بھی مقصود ہوتا ہے مگر ساتھ ہی ساتھ متبوع بھی مقصود ہوتا ہے۔

واقسامُ البدلِ اربعةٌ.

جب مصنفؒ بدل کی تعریف سے فارغ ہوگئے اب اس کی تقسیم شروع فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ بدل کی چار قسمیں ہیں۔ان کو آپ بطور دلیل حصر کے اس طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ بدل دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو یہ کہ بدل کا مفہوم بعینہ مبدل کا مفہوم ہوگا یا نہیں اگر اول ہے تو بدل الکل من الکل ہے مفہوم ایک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہوں اور اگر ثانی ہے پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو بدل کا مفہوم مبدل منہ کا جزء ہوگا یا نہیں اگر اول ہے تو بدل البعض من الکل ہے۔اور اگر ثانی ہے پھر وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو بدل اور مبدل منہ دونوں کے درمیان کلیت اور جزئیت کے علاوہ کسی اور قسم کا تعلق ہوگا یا نہیں اگر اول ہے تو بدل الاشتمال ہے اور ثانی ہے تو بدل الغلط ہے۔اب مصنف کی زبانی ہر ایک کی تعریف ملاحظہ فرمائیے۔

بدلُ الکلّ منَ الکُلِّ وهو ما مدلولُه مدلول المتبُوع نحو جاءَ نی زیدٌ اخُوکَ.

ترجمه: بدل الکل من الکل وہ تابع ہے کہ اس کا مدلول مبدل منہ کا مدلول ہووے جیسے جاءَ نی زیدٌ اخُوکَ.

توضیح : توضیح اس کی یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ دونوں کا مصداق ایک ہوتا ہے یعنی ذات کے اعتبار سے دونوں متحد ہوتے ہیں مفہوم کے اعتبار سے اتحاد نہیں ہوتا جیسے جاءَ نی زیدٌ اخُوکَ ۔ کہ اس میں دونوں ذات کے لحاظ سے متحد ہیں کیونکہ ذات زید اور ذات اخوک ایک ہے ہاں البتہ باعتبار مفہوم کے۔ دونوں میں اتحاد نہیں کیونکہ اخوک کا مفہوم جنسیت ہے کہ ہر اخ کو شامل ہے اور زید کا مفہوم شخصیت ہے جو صرف زید ہی کو شامل ہے ہاں البتہ کسی کسی مادہ میں اتحاد مفہوم بھی ہو جاتا ہے مگر یہ شاذ ہے جس کا اعتبار نہیں جیسے زیدٌ ضربتُه إیاهُ میں دونوں مفعول کی ضمیریں ہیں مفہوم کے لحاظ سے بھی متحد ہیں۔

وبدلُ البَعْضِ منَ الکُلِّ وهو ما مدلولُه جزءُ مدلول المتبوعِ نحو ضربْتُ زیدًا رأسَهٗ.

اور بدل البعض وہ تابع ہے کہ اس کا مدلول متبوع کے مدلول کا جز ہووے، جیسے ضربت زیداً راسه میں رَاسُ زید کا جزء ہے۔

وبدل الاشتِمالِ وهو ما مدلولُه متعلقُ المتبوع کسُلِبَ زیدٌ ثوبُه.

اور بدل الاشتمال وہ ہے کہ اس کا مدلول متبوع کا متعلق ہووے توضیح اس کی یہ ہے کہ متبوع اور تابع میں نہ تو کلیت کا تعلق ہو اور نہ جزئیت کا بلکہ کسی اور قسم کا تعلق ہو اور یہ تعلق اس انداز کا ہوتا ہے کہ متبوع کی طرف جو نسبت ہو رہی ہے وہ تابع کی طرف بھی نسبت کو اجمالاً ثابت کرتی ہے جیسے اعجبنی زید علمه میں اعجب کی نسبت زید کی طرف ہو رہی ہے اور زید ذات ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تعجب کبھی بھی ذات کے اعتبار سے نہیں ہوتا ہے اس لیے مثال مذکور میں جب اعجبنی زید کہا تو اس سے اجمالاً اتنا پتہ چل گیا کہ زید کی کوئی صفت ہے جو باعث تعجب ہے علمه سے اس اجمال کی تعیین ہوگئی کہ تعجب کا باعث صفت علم ہے یعنی زید کو علم میں وہ مقام حاصل ہے کہ جس مقام تک لوگوں کی رسائی بہت کم ہو پاتی ہے ایسے ہی مصنفؒ کی بیان کردہ مثال سلب زید ثوبه میں جب سلب زید کہا تو اس سے اجمالاً اتنا علم ہو گیا کہ زید کی ذات نہیں چھینی گئی بلکہ اس سے متعلق کوئی چیز چھینی گئی ثوبہ نے آ کر اس اجمال کو متعین کر دیا کہ وہ کپڑا ہے۔

فائدہ: بدل الاشتمال کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ میں سے ہر ایک دوسرے پر مشتمل ہوتا ہے، جیسے سُلِبَ زَیدٌ ثَوبَہٗ میں بدل مبدل منہ پر مشتمل ہے اور یَسئَلُونَکَ عَنِ الشَّھرِ الحَرَامِ قِتَالٌ فِیہِ ۔ ترجمہ سوال کرتے ہیں وہ حرام مہینوں میں جنگ کے بارے میں اس مثال میں مبدل منہ یعنی الشَّھرُ الحَرَامُ بدل یعنی قتال پر مشتمل ہے۔

وبَدلَ الغلَط وهُو ما يُذكرُ بعدَ الغلطِ نحو جاء نى زيدٌ جعفرٌ ورأيتُ رجلا حماراً.

ترجمہ: اور بدل کی چوتھی قسم بدل الغلط ہے۔ تعریف اس کی یہ ہے کہ بدل الغلط وہ تابع ہے جو غلط کے بعد ذکر کیا جائے جیسے جاء نى زيدٌ جعفرٌ ورأيتُ رجلا حماراً.

توضیح: متکلم نے غلطی سے مبدل منہ کو ذکر کیا اس غلطی کی تلافی کے لیے بدل کو لایا جاتا ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں مثالوں میں سے اول مثال میں غلطی سے آمد کی نسبت زید کی طرف اور ثانی میں رأیت کی نسبت رجلاً کی طرف کر دی تھی زید نہیں آیا تھا، بلکہ جعفر آیا تھا ایسے ہی میں نے مرد کو نہیں دیکھا تھا بلکہ حمار کو دیکھا تھا تو اس غلطی کے تدارک کے لیے بدل کو لائے۔

والبدلُ ان كان نكرةً من معرفةٍ يَجبُ نعتُه كقولهٖ تعالىٰ بالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كاذِبَةٍ.

ترجمہ: اور بدل اگر نکرہ ہو معرفۃ سے تو اس کی صفت لانا واجب ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے: بالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كاذِبَةٍ.

تشریح: بدل جب کہ نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ ہو تو بدل کی صفت لانا واجب ہوگا تا کہ صفت سے نکرہ

میں تخصیص پیدا ہو جائے، چونکہ نکرہ معرفہ سے کم درجہ میں ہے اور بدل مقصود ہوتا ہے تو اگر وہ نکرہ رہے گا تو مقصود کا غیر مقصود سے کم مرتبہ ہونا زلام آئے گا، اس لیے صفت لاکر تخصیص پیدا کریں گے جیسے اللہ کے فرمان میں مبدل منہ الناصیۃ معرف باللام ہے اور ناصیۃ بدل نکرہ ہے۔ اس لیے اس کی صفت کاذبۃ لاکر ناصیۃ میں تخصیص پیدا کردی۔

ولا یَجبُ ذٰلکَ فی عکسِہ ولا فی المتجانَسین.

ترجمہ: اور نہیں واجب ہے یہ اس کے برعکس میں اور نہ متجانسین میں۔

تشریح: اگر بدل معرفہ ہو اور مبدل منہ نکرہ ہو جیسے جاء نی اخٌ لك زیدٌ تو اس صورت میں صفت لانا واجب نہیں ہے چونکہ مقصود غیر مقصود سے اکمل ہے اور ایسے ہی صفت لانا واجب نہیں جب کہ دونوں معرفہ ہوں جیسے جاء نی زید اخوك یا دونوں نکرہ ہوں جیسے جاء نی رجل غلام لك ان دونوں صورتوں میں صفت لانا واجب نہیں دونوں کے مساوی ہونے کی وجہ سے۔

تمرین:

بدل کی تعریف کرتے ہوئے اس کی اقسام مع تعریف بتلایئے، اور ان کی امثلہ بھی بیان کیجئے (۲) اگر مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ ہو تو صفت لانا کیوں واجب ہے مع مثال بیان فرمائیں (۳) اگر مبدل منہ نکرہ اور بدل معرفہ ہو، دونوں ہی نکرہ ہوں تو کیا جب بھی صفت لانا واجب ہے مع مثال بیان فرمایئے۔ مندرجہ ذیل مثالوں میں چاروں قسموں کی شناخت کیجئے:

بعث اللّٰہ نبینا محمدا الی الناس کافۃ (اللہ پاک نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا) حضر الیوم إمام الحرمین الشریفین الشیخ عبد الرحمن (حفظہ اللّٰہ ورعاہ) حفظنا الکتاب ربعہ، زرت الھند دارالعلوم بدیوبند، اعجب المستمعین الکرام التلمیذ خطابہ، اطرب السامعین الشیخ عبد الباسط صوتہ (عبدالباسط کی آواز نے سامعین کو مست بنادیا)

فصلٌ عَطفُ البَیان تَابِعٌ غیرُ صفۃٍ یُوضِحُ متبوعَہٗ وھو اشھُر اِسمَیُ شیءٍ نحو قامَ ابو حفص عُمر وقامَ عبدُ اللہِ بنُ عُمر.

ترجمہ: عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت نہ ہو وہ واضح کرتا ہوا اپنے متبوع کو اور وہ کسی چیز کے دو ناموں میں سے مشہور ہوتا ہے جیسے قام ابو حفص عمر کھڑے ہوئے ابو حفص عمر اور کھڑے ہوئے عبداللہ بن عمر۔

تشریح: توابع کی پانچویں قسم عطف بیان ہے تعریف اس کی یہ ہے کہ عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت

کو لیکن اپنے متبوع کو واضح کرتا ہو۔ تعریف تو یہاں تک مکمل ہوگئی آگے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ عطف بیان ایک شئی کے دوناموں میں سے زیادہ مشہور ہوتا ہے یعنی عطف بیان کا متبوع سے زیادہ واضح اور مشہور ہونا ضروری ہے جیسے ابو حفص کنیت ہے حضرت عمر فاروقؓ کی مگر آپ کنیت سے زیادہ مشہور نہیں تھے، بلکہ اپنے علَم یعنی عمر کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں، تو عمر عطف بیان ہے ابوحفص کا ایسے ہی دوسری مثال میں حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبداللہ اپنے علَم سے مشہور نہ تھے بلکہ ابن عمر سے مشہور تھے، تو ابن عمر نے آ کر عبداللہ کو واضح کر دیا تو ابن عمر عبداللہ کا عطف بیان ہے۔

فائدہ : محشی کتاب فرماتے ہیں کہ عطف بیان کے لیے مشہور ہونے کی شرط لگانا یہ مصنف کتاب اور صاحب مفصل کے نزدیک ہے ورنہ صحیح قول یہ ہے کہ عطف بیان کے لیے مشہور ہونا شرط نہیں ہے۔ بلکہ عطف بیان کے واضح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عطف بیان اور اس کے متبوع مبین سے مل کر ایسی وضاحت ہو جائے جو صرف متبوع یا صرف عطف بیان کے لانے سے حاصل نہ ہو سکے، لہٰذا اس میں یہ بھی ممکن ہے کہ متبوع فی نفسہ عطف بیان سے واضح ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ عطف بیان اپنے متبوع سے زیادہ واضح ہو۔

نوٹ: متبوع فی نفسہ عطف بیان سے زیادہ واضح ہو اس کی مثال علی زین العابدین اس میں علی جو کہ متبوع ہے زیادہ واضح ہے، زین العابدین سے عطف بیان اپنے متبوع سے زیادہ واضح ہو، اس کی مثال المسجد الذھب، اس میں تابع الذھب المسجد سے زیادہ واضح ہے۔ بحوالہ دروس البلاغہ ص:۵۴۔

فوائد قیود: غیر صفۃ فصل اول ہے اس قید سے صفت خارج ہوگئی کیونکہ عطف بیان ایسے معنی پر دلالت نہیں کرتا جو اپنے متبوع کے ساتھ قائم ہو اور یوضح فصل ثانی ہے اس سے احتراز ہوگیا بدل اور عطف بحرف اور تاکید سے کیونکہ یہ سب اپنے متبوع کو واضح کرنے کے لیے نہیں آتے۔

ولا یلتبِس بالبدلِ لفظًا فی مِثل قولِ الشّاعِر شعر :

اَنا ابنُ التّارِکِ البِکرِیّ بِشْرٍ عَلَیہِ الطَّیرُ تَرْقَبُہٗ وُقُوْعًا

ترجمہ: اور نہیں التباس ہوتا ہے عطف بیان کا بدل کے ساتھ لفظاً بھی شاعر کے قول مندرجہ ذیل شعر کے مثل میں۔

تشریح : یہاں سے حضرت مصنفؒ اس بات کو بیان فرما رہے ہیں کہ عطف بیان اور بدل دونوں قسموں کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں دونوں کے درمیان لفظی لحاظ سے بھی التباس لازم نہیں آتا، اور معنوی لحاظ سے تو التباس ہے ہی نہیں جیسا کہ بعض کو یہ وہم ہوگیا کہ عطف بیان اور بدل دونوں ایک شئی کے دو نام ہیں۔ معنوی لحاظ سے دونوں اس طرح علیحدہ علیحدہ ہیں کہ بدل اور مبدل منہ میں بدل مقصود بالذات ہوتا ہے اور عطف بیان مقصود بالذات نہیں

ہوتا، بلکہ مقصود بالذات متبوع ہوتا ہے یہ معنوی فرق تو ان دونوں کی تعریف سے واضح ہے اور رہا لفظی فرق سو اس کو مصنفؒ بیان فرماتے ہیں فرق کے بیان کرنے سے قبل شعر کا ترجمہ اور ترکیب اور کچھ ضروری باتیں سمجھ لیجئے، اس شعر کا شاعر المراری الاسدی ہے۔ مثل سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں عطف بیان کا متبوع معرف باللام ہو اور اس کی طرف صیغۂ صفت معرف باللام کی اضافت کی گئی ہو۔

ترکیب شعر: انا مبتداء، ابن مضاف، التارك شبہ فعل، البكری مبدل منہ، بشر بدل، مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر التارك کا مضاف الیہ (اور محل کے اعتبار سے مفعول بہ) علیہ خبر مقدم طير مبتداء موخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر محل کے اعتبار سے التارك کا مفعول ثانی ترقبه فعل فاعل ومفعول سے مل کر علیہ خبر مقدم کے متعلق كائن سے حال ہے وقوعاً واقع کی جمع ہے یہ حال ہے۔ ترقبه کی ھی ضمیر سے اب تقدیری عبارت ہوگی واقعةً حَولَ البكری مترقبةٌ لخُروجِ رُوحِه۔

اب شعر کا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے شاعر المراری الاسدی کہہ رہا ہے اپنی شجاعت دکھلاتے ہوئے کہ میں ایسے شخص کا بیٹا ہوں کہ جس نے بکری بشری کا ایسا حال کر دیا ہے کہ اس پر پرندے (منڈلا رہے ہیں) اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے اس کو اتنا مارا ہے کہ بس اب روح نکلنے والی ہے اور پرندے اس کی روح کے نکلنے کا انتظار کر رہے ہیں کہ کب روح نکلے اور ہم اس کے گوشت پوست کو کھائیں، اب اس کے بعد ایک بات یہ یاد رکھئے کہ اضافت لفظی کے بیان میں آپ نے پڑھا کہ اضافت لفظی کا فائدہ ہے، تخفیف فی اللفظ اسی وجہ سے الضارباز يد والضار بوازيد کی ترکیب جائز ہے کیونکہ ان دونوں میں اضافت کی وجہ سے نون حذف ہو گیا جس سے تخفیف حاصل ہوگئی اور الضارب زیدٍ کی ترکیب ناجائز ہے کیونکہ اس میں اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں آئی اس لیے الضارب زیدٍ کی ترکیب ناجائز ہے اب آمدم برسر مطلب شعر مذکور میں بشر عطف بیان ہے اور البکری اس کا متبوع ہے جو معرف باللام ہے اور اس کی طرف التارک صیغۂ صفت معرف باللام کی اضافت کی گئی ہے تو عطف بیان ماننے کی صورت میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اگر بشر کو بدل قرار دیا جائے، اور البکری کو مبدل منہ اور البکری کا عامل التارک کو قرار دیا جائے گا اور قاعدہ یہ ہے کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوا کرتا ہے یعنی جو عامل مبدل منہ کا ہوتا ہے وہی عامل بدل کا بھی ہوا کرتا ہے لہٰذا اس قاعدہ کی بناء پر بشر کا عامل بھی التارک ہوگا اور چونکہ مقصود بالذات بدل ہوتا ہے اس لیے تقدیری عبارت ہوگی۔

التارك بشر، یعنی التارک مضاف ہوا، بشر کی طرف اور اب آپ غور کیجئے کہ التارك بشر الضارب زيـــد کے مثل ہو گیا اور یہ ترکیب آپ پڑھ چکے ہیں کہ ناجائز ہے لہٰذا بدل ماننے کی صورت میں التارک بشر بھی ناجائز ہوئی اس سے ہمارا مدعیٰ ثابت ہو گیا کہ بدل اور عطف بیان دونوں ایک شئ نہیں ان دونوں میں لفظاً بھی فرق

فاحفظه هذا لِانَّه شيء عجيبٌ۔

نوٹ: یہ عامۃ نحاۃ کی رائے ہے جوآپ کے سامنے بیان کی گئی ہے،شارح ابن عقیل کی رائے یہ ہے کہ ہر عطف بیان بدل بننے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسے ضربت ابا عبد الله زيدا اس مثال میں ابوعبداللہ اور زید عطف بیان اور بدل دونوں واقع ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ صرف دو مسئلے اس قاعدہ کلیہ سے مستثنٰی ہیں ایک تو مصنفؒ اور دیگر نحاۃ کا بیان کردہ مذکورہ قاعدہ اور دوسرا یہ کہ تابع مفرد معرفہ معرب ہو اور متبوع منادیٰ ہو جیسے يا غلام يعمرا دیکھئے اس مثال میں يعمرا عطف بیان ہے اس کا بدل ہونا جائز نہیں ہے، چونکہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے اس مسئلہ کے پیش نظر يعمرا کا مبنی علی الضم ہونا واجب تھا مگر چونکہ مبنی علی الضم نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ایک یہ مسئلہ بھی مستثنٰی ہے اس میں عطف بیان بدل واقع نہیں ہوسکتا۔

تمرین:

عطف بیان کی تعریف کیجئے، (۲) مصنفؒ کی عبارت وھو اشھر اسمی شئ یہ عطف بیان کی تعریف کا جزء ہے یا علیحدہ سے مصنفؒ کوئی نئی بات بتلارہے ہیں (۳) یہ مصنفؒ کی اپنی رائے ہے یا تمام یا اکثر نحاۃ کی یہی رائے ہے جو بھی صحیح بات ہو اس کو واضح فرمائیں۔ ولا يلتبس بالبدل لفظاً سے مصنفؒ کیا بیان فرمارہے ہیں۔ مندرجہ ذیل جملوں میں عطف بحرف وعطف بیان کی شناخت کیجئے، يُعْرَفُ الإنسانُ بأخلاقِه وعاداتِه ، صلَّى الرجالُ ثُمَّ الصبيانُ ثُمّ النساءُ، رَوىٰ عبد الله بْنُ عُمَرؓ، أدّبَنِى الأساتِذَةُ والرَّبَّانِيُّون، أكلَ حَامدُ بَلْ محمودٌ ، قَال احمد بنُ حَنْبلؒ، يَفوزُ فِى الامتحان المجتهدون لا الكسالى، جَلَسَ الأساتذةُ فَا لطُّلَّابُ، نَجحَ آلُ عثمان فى القرأة لٰكِنْ آلُ أمْجَد۔

البابُ الثانى فى الاسمِ المبنيِّ وهُو اسمٌ وَقَعَ غيرَ مُركبٍ مَعَ غيرِهٖ مثلُ اب ت ث ومثل واحد واثنان وثلثة وكلفظةِ زيد وحدهٗ فانهٗ مَبْنِيٌّ بالفِعل عَلى السُّكون ومُعربٌ بالقُوَّة او شابَه مَبْنِيَّ الاصل بانْ يكونَ فى الدّلالة علىٰ معناهُ مُحتاجًا الىٰ قرينةٍ كالاشارة نحو هٰؤلاءِ ونحوها يكونُ علىٰ اقلَّ مِن ثلثةِ احرُفٍ او تضمَّنَ معنى الحرفِ نحو ذا ومَنْ واحَدَ عَشَر الىٰ تِسعةَ عَشَر وهٰذا القسم لا يصير مُعرَبًا اصلاً۔

ترجمه: دوسرا باب ہے اسم مبنی کے بیان میں مبنی وہ اسم ہے جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب واقع نہ ہو جیسے اب ت ث اور واحد واثنان وثلثة اور جیسے لفظ زید کہ جب کہ وہ تنہا ہو پس بے شک یہ تمام اسماء مبنی علی السکون ہیں بالفعل اور معرب ہیں بالقوۃ۔ یا مشابہہ ہو وہ مبنی اصل کے یعنی اسم اپنے معنی پر دلالت کرنے میں کسی قرینہ کا محتاج ہو جیسا کہ اسماء اشارہ مثلاً ھؤلاء وغیرہ یا ہو اسم کی بناء تین حرف سے کم پر یا اسم متضمن ہو حرف کے معنی کو جیسے ذا اور

مثل اور احد عشر سے سعة عشر تک، اور یہ قسم بالکل معرب نہیں ہوتی۔

تشریح: وهُوَ اسم وقع غیر مرکب مع غیرہ جب مصنفؒ اسم معرب کی تعریف وتقسیم سے فارغ ہوگئے تو اب یہاں سے اسم مبنی کی بحث کا آغاز فرماتے ہیں جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب نہ ہو اس طور پر کہ اس کے ساتھ اس کا عامل متحقق نہ ہو، یعنی تعریف میں دو چیزیں ملحوظ ہیں، اول یہ کہ اسم اپنے غیر کے ساتھ بھی مرکب نہ ہو اور دوسرے اگر مرکب ہو بھی تو اسکے ساتھ اس کا عامل نہ پایا جائے، جیسے غـلام زیـد، اگرچہ مرکب ہے مگر غلام کے ساتھ اس کا عامل موجود نہیں لہٰذا غلا م زید میں غلا م مبنی ہوگا۔

مثل اب ت ث یہاں سے مصنفؒ اسم مبنی کی امثلہ بیان فرماتے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ ان حروف سے مراد ان کے اسماء ہیں نہ کہ مسمیات یعنی الف وباوتاوثاوغیرہ۔ یہ ان حروف کے اسماء کہلاتے ہیں یہ جب اپنے غیر کے ساتھ ملے ہوئے نہ ہوں، تو مبنی ہوں گے اور اگر اپنے عامل کے ساتھ ملے ہوئے ہوں تو مبنی نہ ہوں گے جیسے ان البـــاء لـلالـصـاق اس مثال میں آپ دیکھئے کہ الباء معرب ہوگیا، مثل واحـد واثـنـان وثلثة اور جیسے واحد واثـنـان وثلثة وغیرہ یعنی اسماء معدودۃ یہ بھی مبنی ہوتے ہیں وکـلـفظة زید وحده اور جیسے لفظ زید جب کہ وہ ترکیب میں واقع نہ ہوں مبنی ہوگا فـانـه مبنی بالفعل علی السکون ومعرب بالقوة مصنف فرماتے ہیں کہ جتنی امثلہ ہم نے بیان کی یہ سب مبنی علی السکون ہوں گے بالفعل اور معرب ہوں گے بالقوۃ یعنی جب کہ ترکیب میں واقع نہ ہوں تو مبنی ہوں گے، ہاں البتہ ان میں صلاحیت ہے معرب بننے کی جب کہ یہ ترکیب میں واقع ہوں جیسا کہ ما قبل میں اس کی مثال ہم بیان کر چکے ہیں، او شـابَهَ مبنی الأصل الخ ۔مطلب یہ ہے کہ اسم مبنی تو نہیں ہے مگر مبنی الاصل جو کہ فعل ماضی اور امر حاضر معروف وجملہ حروف ہیں کے مشابہہ ہے بـأن یـکـون الـخ ۔ سے مصنف مبنی اصل کے مشابہ ہونے کا مطلب بیان فرماتے ہیں کہ مبنی اصل کے مشابہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسم اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مستقل نہ ہو بلکہ کسی قرینہ کا محتاج ہو، کالا شارۃ، جیسا کہ اسماء اشارات اپنے معنی پر دلالت کرنے میں مشار الیہ کے محتاج ہیں، کہ جب تک مشار الیہ کو نہ لایا جائے تو ان کے معنی تمام نہیں ہوتے ، تو یہ احتیاج میں حروف کے مشابہ ہوگئے، اور حروف مبنی ہوتے ہیں۔ لہٰذا مشابہت کے باعث یہ بھی مبنی ہوں گے، نحو هؤلاء یہ اسم اشارہ کی مثال ہے ونـحـو ھا ضمیر کا مرجع هؤلاء بھی ہوسکتا ہے مطلب دریں صورت یہ ہوگا کہ کلمة هؤلاء کے جیسے مثلاً هذا ذلك یعنی دیگر اسماء اشارہ اور مرجع کالاشارۃ بھی ہوسکتا ہے، مطلب یہ ہوگا کہ اسماء اشارہ کے جیسے مثلاً اسماء موصولات وغیرہ ان کا بھی جب تک صلہ نہ لایا جائے محتاج رہتے ہیں۔ او یـکـون مبنیا الخ مطلب یہ ہے کہ اگر اسم کی بناء سہ حرف سے کم پر ہے تو وہ اسم بھی مبنی ہوگا کیونکہ کوئی اسم معرب سہ حرف سے کم نہیں ہوتا۔ نـحـو ذا ومَـن جیسے ذا اور مَـن یہ دونوں اسم بھی حرف کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہیں حرف جیسے مـن وعـن تو یہاں

جیسے ذَا ومَن مشابہہ ہیں، مَن وعَن کے اور تضمن معنی الحرف مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی اسم کسی حرف کے معنی کو متضمن ہوگا تو حرف چونکہ مبنی ہے لہٰذا یہ اسم بھی مبنی ہوگا جیسے احد عشر سے تسعة عشر تک جو اعداد ہیں، یہ واؤ حرف عطف کے معنی کو متضمن ہیں، چونکہ احد عشر کی اصل ہے احدٌ وعشر اور تسعة عشر کی اصل ہے تسعة وعشر وقس الباقی علی هذا اور بارہ سے اٹھارہ تک کو بھی اس پر قیاس کرلو، وهذا القسم الخ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ مبنی کی یہ دوسری قسم جو مبنی اصل کے مشابہہ ہو یہ بھی معرب نہیں ہوتی نہ بالفعل اور نہ بالامکان برخلاف قسم اول کے کہ وہ بالقوۃ معرب اور بالفعل مبنی ہوتی ہے۔

فائدہ: وہ اسم جو کہ مبنی اصل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہو، اس کی بالاستقراء سات قسمیں نکلتی ہیں (۱) اسم مبنی اصل کے معنی کو متضمن ہو، جیسے اَیْنَ کہ ہمزہ استفہام کے معنی کو متضمن ہے (یعنی دونوں معنی استفہام میں شریک ہیں) (۲) اپنے معنی کے تمام ہونے میں غیر کا محتاج ہو جیسے اسماء اشارات اسماء موصولات (۳) مبنی اصل کی جگہ میں واقع ہو جیسے نَـزَال بمعنی اِنْـزِلْ (اتر لو) کہ یہ مبنی اصل یعنی امر کے موقع میں واقع ہے (۴) اس اسم کے مشاکل ہو جو مبنی اصل کی جگہ میں واقع ہو جیسے فَجارِ بمعنی اَلفُجُوْر کہ یہ نزال کے مشاکل ہے اور نزال بمعنی انْزل کی جگہ واقع ہے اور امر مبنی اصل ہے (۵) اس اسم کی جگہ واقع ہو جو مبنی اصل کے مشابہ ہو جیسے منادیٰ مضموم مثلاً یا زید کہ یہ اس کاف خطاب کے موقع میں واقع ہے جو کاف حرف کے مشابہ ہے یعنی یا زید ادعوك کی جگہ میں واقع ہے اور ادعوك کا کاف خطاب ذلك ورائك کے کاف حرفی کے مشابہہ ہے اور حرف مبنی اصل ہے (۶) مبنی اصل کی طرف مضاف ہو جیسے یومئذ کہ یوم مبنی اصل یعنی اِذْ کی طرف مضاف ہے (۷) اسم کی بناء سہ حرف سے کم ہو جیسے ذَا ومَن وغیرہ۔

وحُكمُهُ ان لا يختلفَ آخرهُ باختلاف العوامِل وحركاتُهُ تسمىّٰ ضمًّا وفتحاً وكسراً وسُكونُهُ وقفًا وهو علىٰ ثمانيةِ انواعٍ المضمراتُ واسماءُ الاِشاراتِ والموصُولاتُ واسماءُ الافعال و الاصواتُ والمركباتُ والكناياتُ وبعضُ الظروف.

ترجمہ: اور اسم مبنی کا حکم یہ ہے کہ نہ مختلف ہو اس کا آخر عوامل کے اختلاف کی وجہ سے اور اس کی حرکات کا نام رکھا جاتا ہے ضم وفتح وکسر اور اس کے سکون کا وقف اور اس کی آٹھ قسمیں ہیں۔ مضمرات، اسماء اشارات، اسماء موصولات، اسماء افعال، اسماء اصوات، اسماء مرکبات، اسماء کنایات اور بعض اسماء ظرف۔

تشریح: وحكمه الخ۔ اسم مبنی کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے اختلاف کی وجہ سے بالکل مختلف نہیں ہوتا نہ لفظاً نہ تقدیراً۔ مصنفؒ نے آخر کے مختلف نہ ہونے کے لیے باختلاف العوامل کی قید لگائی ہے اس سے آپ کو یہ اہم بات معلوم ہوئی کہ مبنی کا آخر عوامل کے اختلاف کی وجہ سے تو مختلف نہیں ہوتا البتہ بغیر عوامل کے ہو سکتا

کہ جیسے لفظ من ہے اس کو من الرجل ومن المرأة حالت وصل میں بالکسر پڑھ سکتے، ومن زيدٌ بالسّكون

وحـركـاتـه: حضرات بصریین کی اصطلاح کے مطابق مبنی کی حرکات کا نام مندرجہ ذیل ہے ضم فتح کسر اور سکون کا نام وقف، ان کی وجہ تسمیہ ضم کو ضم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت دونوں لب مل جاتے ہیں، اور فتح کی ادائیگی کے وقت چونکہ منہ کھلا رہتا ہے اس لیے فتح نام رکھا اور کسر کا نام کسر اس لیے پڑا کہ اس کے تلفظ کے وقت لب زیریں کھینچتا چلا جاتا ہے اور سکون کا نام وقف اس وجہ سے رکھا کہ وقف کرتے وقت سانس رُک جاتا ہے۔

فائدہ: مصنف نے لفظ حرکات استعمال کرکے اس بات کی جانب اشارہ فرمایا کہ مبنی کبھی الف اور یاء اور واؤ کے ساتھ بھی ہوتی ہے جیسے یا زید ان ویا زیدون ولارجلین، وهو على ثمانية انواع یہاں سے مبنی کی تقسیم بیان فرماتے ہیں کہ مبنی کی مطلقاً خواہ وہ مبنی اصل کے مشابہ ہو خواہ اپنے غیر کے ساتھ مرکب نہ ہو آٹھ قسمیں ہیں جن کو ہم ترجمہ کے ذیل میں بیان کر چکے۔ وبـعـض الظروف مصنفؒ نے آٹھویں قسم گناتے وقت مطلقاً ظروف نہیں فرمایا بلکہ بعض الظروف فرمایا اس سے اس بات کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کل ظروف مبنی نہیں ہیں، بلکہ بعض ظروف مبنی ہوتے ہیں، کـمـا سيـأتـی تفصيله مگر اس پر یہ سوال ضرور پیدا ہوگا کہ اگر کل ظروف مبنی نہیں تو بعض موصولات وبعض کنایات بھی مبنی نہیں ہوتے ہیں، جیسا کہ اَیٌّ، وَاَيَّةٌ فُـلانٌ وفـلانَةٌ معرب ہیں۔

الجواب: یہ دونوں قسم اکثر مبنی ہوتی ہیں بعض معرب لہٰذا لِـلأكْـثَـر حُكْمُ الْكُل کے تحت مطلقاً مبنیات میں شمار کیا اور ظروف چونکہ بعض مبنی ہیں اکثر معرب اس لیے بعض کی قید لگائی۔

فـصـلٌ المضمر اسمُ وُضِعَ لِيَدُلَّ علىٰ متكلِّمٍ او مخاطبٍ او غائب تقدّم ذكرهٗ لـفظًا او معنيً او حكمًا وهو علىٰ قسمين متصل وهو مَا لا يُستعمل وحدهٗ إمَّا مرفوعٌ نـحـو ضـربْـتُ الـىٰ ضـربْـنَ او مـنصوبٌ نحو ضربني الىٰ ضربَهُنَّ واِنَّني الىٰ اِنَّهُنَّ او مجرور نحو غُلامي ولي الى غلامِهِنَّ ولهـنّ ومُـنـفـصِـلُ وهـو مـا يُستَعملُ وحدهٗ اِمّا مرفوعٌ نحو اَنَا الى هن او منصوبٌ نحو ايَّاى الىٰ ايّاهُنَّ فذٰلك سِتُّونَ ضميراً.

تـرجـمـه: یہ فصل ہے مضمر کے بیان میں مضمر وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو اس بات کے لیے کہ وہ دلالت کرے متکلم یا مخاطب پر یا غائب پر کہ جس کا ذکر ما قبل میں آچکا ہو لفظاً یا معنیً یا حکماً اور وہ دو قسم پر ہے (۱) متصل اور متصل وہ ہے کہ جو اصطلاح میں تنہاء استعمال نہ ہو پھر متصل یا تو مرفوع ہوگی جیسے ضـربـت ضربن تک یا منصوب ہوگی جیسے ضَرَبَـنِیْ سے ضَـرَبَهُنَّ تک اور اِنَّـنِیْ سے اِنَّهُنَّ تک اور یا ضمیر متصل مجرور ہوگی جیسے غـلامی تا غُلَامِهُنَّ اور لِیْ سے لَهُنَّ تک (۲) ومُـنْـفَـصِلٌ اور منفصل وہ ہے جو علیحدہ استعمال کی جاتی ہو پھر ضمیر منفصل

مرفوع ہوگی جیسے اَنَا سے ھُنَّ تک اور یا منصوب ہوگی جیسے اِیَّایَ سے اِیَّاھُنَّ تک یہ کل ساٹھ ضمیریں ہوئیں۔

تشریح: مصنفؒ نے ضمیر کو بقیہ مبنیات پر اس لیے مقدم کیا کہ ضمائر کل کی کل بالا تفاق مبنی ہوتی ہے۔

علمت بناء ضمیر : ضمیر چونکہ حرف کے مشابہ ہوتی ہے، مرجع کے محتاج ہونے میں۔

المضر اسم الخ: ضمیر کے لغوی معنی آتے ہیں پوشیدہ رکھنا اور اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں کہ ضمیر اس اسم کو کہتے ہیں جو متکلم یا مخاطب یا غائب کو بتائے مگر اس غائب کا ذکر ماقبل میں لفظاً یا معنیً یا حکماً تینوں طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے آچکا ہو ماقبل میں اس کا ذکر لفظی طور پر جو آیا ہو وہ لفظاً خواہ حقیقۃً ہو یا تقدیراً حقیقتاً جیسے ضرب زید غلامہ اس مثال میں ہ ضمیر کا ذکر ماقبل میں حقیقۃً آچکا ہے اور وہ زید ہے اور تقدیراً جیسے ضَرَبَ غُلَامَهٗ زَیْدٌ اس مثال میں ہ ضمیر کا مرجع اگرچہ حقیقتاً ماقبل میں نہیں آیا مگر تقریراً ضرور آیا ہے چونکہ فاعل کا حق رتبہ کے لحاظ سے یہ ہے کہ وہ مقدم ہو۔

او معنی : معنی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ ضمناً اس کا ذکر ماقبل میں آچکا ہو جیسے اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی یہاں ھو ضمیر کا مرجع عدل ہے جو کہ اِعْدِلُوْا کے ضمن میں پایا جارہا ہے۔

ترجمہ مثال انصاف کرو، چونکہ انصاف کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے دوسرا یہ کہ سیاق کلام اس پر التزاماً دلالت کرتا ہو یعنی کلام کو جس مقصد کے تحت لایا گیا ہے وہ کلام اس پر دلالت کررہا ہو التزامی طریقہ پر جیسے وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ترجمہ، اور اس کے والدین کے لیے ان میں سے ہر ایک کے لیے وراثت کے مال میں چھٹا حصہ ہے اس مثال میں کلام کو میراث کے مسائل بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے، اور میراث کے لیے میت کا ہونا لازم ہے، لہٰذا ابویہ کی ہ ضمیر کا مرجع میت ہے جو کہ معنیً مقدم ہے۔

او حکماً : حکماً کا مطلب یہ ہے کہ مرجع کی صراحت نہیں کی جاتی تاکہ کلام میں اول ابہام واجمال رہے پھر ثانیاً اس کی تفسیر لائی جائے ایسا کرتے ہیں تعظیم کی وجہ سے جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَد، ھُو ضمیر کا مرجع اللہ ہے جو حکماً مقدم ہے چونکہ اللہ احد اس کی تفسیر آرہی ہے۔

وھو علی قسمین الخ ،مطلب یہ ہے کہ ضمیر کی اولاً دو قسمیں ہیں (۱) متصل (۲) منفصل ضمیر متصل وہ ہے کہ جس کا اصطلاح میں علیحدہ طور پر تلفظ کرنا صحیح نہ ہو، اس تعریف میں یہ بات ملحوظ رہے کہ ہم نے اصطلاح کا لفظ زائد کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ضمیر متصل ضمیر بارز کا عقلاً تلفظ کرنا صحیح ہے، جیسے ضَرَبْتُ کی ت کو آپ علیحدہ پڑھ سکتے ہیں۔

امّا مرفوع: پھر ضمیر متصل کی اعراب کی انواع کے لحاظ سے تین قسمیں ہیں (۱) مرفوع متصل (۲) منصوب متصل (۳) مجرور متصل۔ مرفوع متصل کہتے ہیں اس ضمیر کو جو فعل سے ملی ہوئی ہو اور ترکیب میں فاعل

غائب فاعل واقع ہو جیسے ضَرَبْتُ ضَرَبْنَا ضَرَبْتَ ضَرَبْتُمَا ضَرَبْتُمْ ضَرَبْتِ ضَرَبْتُمَا ضَرَبْتُنَّ ضَرَبَ ضَرَبَا ضَرَبُوْا ضَرَبَتْ ضَرَبَتَا ضَرَبْنَ اس کو معروف مجہول دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

فائدہ: نحویین نے ضمیر متکلم کو حاضر وغائب پر مقدم کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ضمیر اعرف المعارف ہے پھر ضمیر مخاطب ہے سب سے اخیر میں ضمیر غائب ہے تو اس بات کا لحاظ کرتے ہوئے ضمیر متکلم کو مقدم کیا، او منصوب متصل وہ ضمیر ہے جو فعل یا حرف کے ساتھ ملی ہوئی ہو، اگر فعل کے ساتھ متصل ہو تو ترکیب میں مفعول بہ واقع ہوگی اور اگر حرف کے ساتھ مل کر آئے گی تو اسم واقع ہوگی جیسے ضَرَبَنِی ضَرَبَنَا ضَرَبَکَ ضَرَبَکُمَا ضَرَبَکُمْ ضَرَبَکِ ضَرَبَکُمَا ضَرَبَکُنَّ ضَرَبَهٗ ضَرَبَهُمَا ضَرَبَهُمْ ضَرَبَهَا ضَرَبَهُمَا ضَرَبَهُنَّ اور جیسے اِنَّنِیْ اِنَّنَا اِنَّکَ اِنَّکُمَا اِنَّکُمْ اِنَّکِ اِنَّکُمَا اِنَّکُنَّ اِنَّهٗ اِنَّهُمَا اِنَّهُمْ اِنَّهَا اِنَّهُمَا اِنَّهُنَّ اور مجرور، مجرور یا تو اسم سے ملے گی یا حرف سے جیسے غُلَامِیْ غُلَامُنَا غُلَامُکَ غُلَامُکُمَا غُلَامُکُمْ غُلَامُکِ غُلَامُکُمَا غُلَامُکُنَّ غُلَامُهٗ غُلَامُهُمَا غُلَامُهُمْ غُلَامُهَا غُلَامُهُمَا غُلَامُهُنَّ اور جیسے لِیْ لَنَا لَکَ لَکُمَا لَکُمْ لَکِ لَکُمَا لَکُنَّ لَهٗ لَهُمَا لَهُمْ لَهَا لَهُمَا لَهُنَّ۔

ومنفصل: ضمیر منفصل کہتے ہیں اس ضمیر کو جس کا اصطلاح میں منفرداً تلفظ کرنا صحیح ہو، اما مرفوع منفصل کی باعتبار اعراب کے دو قسمیں ہیں (۱) مرفوع (۲) منصوب۔ مرفوع متصل وہ ہے جو ترکیب میں مبتداء یا خبر واقع ہو جیسے اَنَا نَحْنُ اَنْتِ اَنْتُمَا اَنْتُمْ اَنْتَ اَنْتُمَا اَنْتُنَّ هُوَ هُمَا هُمْ هِیَ هُمَا هُنَّ او منصوب منصوب متصل وہ ہے جو ترکیب میں مفعول بہ واقع ہو، یہ ضمیر مفعول بہ میں حصر اور تخصیص پیدا کرنے کی غرض سے لائی جاتی ہے جیسے اِیَّایَ اِیَّانَا اِیَّاکَ اِیَّاکُمَا اِیَّاکُمْ اِیَّاکِ اِیَّاکُمَا اِیَّاکُنَّ اِیَّاهُ اِیَّاهُمَا اِیَّاهُمْ اِیَّاهَا اِیَّاهُمَا اِیَّاهُنَّ ۔ فذلك ستّون ضميراً یہ کل ساٹھ ضمیریں ہوئیں بارہ مرفوع متصل بارہ مرفوع منفصل بارہ منصوب متصل بارہ منصوب منفصل بارہ مجرور متصل۔ یہاں یہ بات ملاحظہ ہو کہ تثنیہ مذکر ومونث کو مخاطب میں ایک قرار دیا ایسے ہی غائب میں بھی ایک قرار دیا اس لحاظ سے یہ کل ساٹھ ہوئیں۔

فائدہ: سوال جیسے ضمیر مرفوع ومنصوب متصل ومنفصل دونوں ہوتی ہیں ایسے ضمیر مجرور منفصل کیوں نہیں ہوتی؟ **الجواب** جناب من ضمیر مجرور منفصل اس وجہ سے نہیں ہوتی تا کہ مجرور کا اپنے جار پر مقدم ہونا لازم نہ آئے چونکہ منفصل تلفظ میں کسی شئ کی محتاج نہیں ہوتی، تو جب یہ تلفظ میں مستقل ہوئی تو یہ جار پر مقدم بھی ہوسکتی ہے اور مؤخر بھی، اور جب اپنے عامل پر مقدم ہوگی تو مجرور کا جار پر مقدم ہونا لازم آئے گا، اور یہ جائز نہیں۔

واعلم انَّ المرفوع المتصلَ خاصةً يكون مستترًا فی الماضِی للغائبِ والغائبةِ كضَرَبَ ای هو وضَرَبَتْ ای هی وفی المضارِع المتكلّم مطلقًا نحو اَضرِبُ ای انا

ونـضـرب ای نحن وللمخاطب کتَضْرِبُ ای انتَ وللغائبِ والغائبۃِ کیضرِبُ ای ھُوَ وتَـضـرِبُ ای ھِی وفی الصِّفَۃِ اعنِی اسمَ الفاعِلِ والمفعُوْلِ وغیرھما مطلقًا وَلا یجوز استِعـمـالُ المنفصِلِ الا عندَ تعذّرِ المتصِلِ کایّاکَ نعبُدُ وما ضَرَبَکَ الا انا وانا زیدٌ وما انت الا قائماً۔

تـرجـمـہ: اور جاننا چاہئے کہ مرفوع متصل خاص طور پر مستتر ہوتی ہے ماضی کے صیغہ واحد مذکر غائب و مؤنث غائب میں جیسے ضـربَ اَیْ ھُـوَ وَضَـربَـتْ ای ھی اور مستتر ہوتی ہے مضارع متکلم میں مطلقاً جیسے اَضْـرِبُ اَیْ اَنَـا وَنَضْرِبُ اَیْ نَحْنُ اور مستتر ہوئی ہے مضارع کے صیغہ واحد مذکر حاضر میں بھی جیسے تضربُ ایْ اَنْـتَ اور مضارع کے واحد مذکر غائب، واحد مؤنث غائب میں بھی مستتر ہوئی ہے جیسے یـضـربُ اَیْ ھُـوَ وتـضـربُ ای ھی اور صفت کے اندر بھی مستتر ہوتی ہے یعنی اسم فاعل واسم مفعول صفت مشبہ واسم تفضیل میں مطلقاً اور نہیں جائز ہے ضمیر منفصل کا استعمال مگر متصل کے متعذر رہونے کے وقت جیسا کہ اِیَّـــاكَ نَـعْـبُـدُ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) وَمَـا ضَرَبَكَ اِلَّا اَنَا (اور نہیں مارا تجھ کو مگر میں نے) وَاَنَـا زَیْدٌ (اور میں زید ہوں) وَمَا اَنْتَ اِلَّا قَائِمًا (اور نہیں ہے تو مگر کھڑا ہی) یعنی تو صرف کھڑا ہی ہے کسی اور حالت پر نہیں۔

تشریح: واعلم الخ، یہاں سے ایک قاعدہ کلیہ بیان کررہے ہیں وہ یہ کہ ضمائر مرفوع ومنصوب ومجرور میں سے صرف ضمیر مرفوع مستتر ہوتی ہے رہی منصوب ومجرور وہ کبھی بھی مستتر نہیں ہوتی، اور ضمیر مرفوع بھی ہر مقام میں مستتر نہیں ہوتی، بلکہ چند مقامات میں۔ اول ماضی کے واحد مذکر غائب اور واحد مونث غائب میں جیسے ضـرب اس میں ھُـو پوشیدہ ہے اور ضـربـت میں ھِـیَ۔ لطیفہ ایک استاذ طلبہ کو یہی مقام سمجھاتے ہوئے بتلا رہے تھے کہ ضرب میں ھو پوشیدہ ہے اور ضربت میں ھیَ ایک طالب علم نے یہ سمجھا کہ اسی لفظ ضرب میں ھو پوشیدہ ہے تو اس نے کتاب میں لکھے ہوئے ضـرب کو مل کر دیکھنا چاہا کہ دیکھوں اس میں کہاں ھو پوشیدہ ہے اتفاق سے اس نے جب ضرب کو رگڑا، تو رگڑنے کی وجہ سے نیچے والے ورق پر ھو نکل آیا کہنے لگا کہ واقعی ضرب میں ھو پوشیدہ ہے۔ بڑا خوش ہوا، تو طلبہ عزیز یہ یاد رکھیں کہ پوشیدہ ہونے کا یہ مطلب نہیں جو اس طالب علم نے لیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ ذہن میں ماننا پڑتا ہے اس کے ماننے بغیر کام نہیں چلتا۔

فـائـدہ: استتار ماضی کے صرف ان دو صیغوں میں ہی ہوتا ہے تثنیہ وجمع میں نہیں ہوتا اس لیے کہ اگر تثنیہ و جمع میں بھی ہوگا تو التباس لازم آئے گا اس التباس سے بچتے ہوئے صرف انہیں دو صیغوں میں ضمیر مستتر ہوگی۔

وفی المضارع اور مضارع متکلم کے دونوں صیغوں میں بھی ضمیر مستتر ہوتی ہے جیسے اضرب واحد متکلم میں اور نـضـرب جمع متکلم میں نحن ۔ المخاطب اس کا عطف ہے متکلم کے اوپر مطلب یہ ہے کہ مضارع میں ص

واحد مذکر حاضر میں بھی ضمیر مستتر ہوتی ہے جیسے تضرب میں انت وللغائب والغائبة اور مضارع کے صیغہ واحد مذکر ومونث غائب میں بھی ضمیر پوشیدہ ہوتی ہے جیسے یضرب میں ھوَ اور تضرب میں ھیَ۔

فائدہ: سوال: استاذ صاحب مضارع کے ان مذکورہ صیغوں میں ہی کیوں ضمیر مستتر ہوتی ہے باقی میں کیوں نہیں؟

الجواب: عزیز من وجہ یہ ہے کہ ان مذکورہ صیغوں میں قرینہ ضمیروں کے پوشیدہ ہونے پر دلالت کررہا ہے اور وہ قرینہ واحد متکلم میں ہمزہ ہے اور جمع متکلم میں نون اور غائب میں یاء اور تاء برخلاف واحد مؤنث حاضر اور مذکر ومونث غائب وحاضر کے تثنیہ وجمع کے صیغوں کے ان میں قرینہ ضمائر کے مستتر ہونے پر دلالت نہیں کرتا، وفی اسم الفاعل والمفعول اور اسم فاعل واسم مفعول کے تمام صیغوں یعنی واحد وتثنیہ وجمع مذکر ومونث میں ایسے ہی صفت مشبہ واسم تفضیل کے تمام صیغوں میں ضمیر مستتر ہوتی ہے۔ یہاں بھی وجہ وہی ہے کہ ضمیروں پر دلالت کرنے کے لیے قرینہ موجود ہے اور وہ قرینہ تثنیہ وجمع کی علامت ہیں، اور وہ علامت تثنیہ میں الف ہے اور جمع میں واؤ ہے۔

سوال: استاذ محترم تثنیہ وجمع میں تو الف وواؤ علامت ہیں، جو ضمیر مستتر پر دلالت کرنے کے لیے قرینہ ہیں، پھر مفرد میں آپ کیا کہیں گے اس میں تو کوئی علامت ایسی ہے ہی نہیں جو قرینہ ہو ضمیر مستتر کے لیے؟

الجواب: عزیزی بات آپ کی معقول ہے مگر نحویوں نے مفرد کو تثنیہ وجمع پر طردا للباب محمول کرلیا۔

اب امثلہ ملاحظہ فرمایئے: زَیْدٌ ضَارِبٌ ، الزَّیدَانِ ضَارِبَانِ، الزَّیْدُوْنَ ، ضَارِبُوْنَ، ھندٌ ضَارِبَۃٌ، اَلھِندانِ ضَارِبَتَانِ، الھِندَاتُ ضَارِبَاتٌ۔

وعلی ھذا القیاس تصریف اسم المفعول واسم التفضیل والصفة المشبهة۔

فائدہ : اس بحث پر پہنچ کر طلبہ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ ضَارِبَانِ وَضَارِبُوْنَ میں الف اور واؤ ضمیریں ہیں پھر ان میں ضمیر مستتر ہونے کا کیا مطلب۔

الجواب الف اور واؤ ان دونوں میں حرف ہیں جو تثنیہ وجمع کی علامت کے لیے زیادہ کئے گئے ہیں، یہ ضمیر نہیں ہیں اس لیے کہ آپ ضمیر کے بیان میں بخوبی سمجھ چکے ہو کہ ضمیر عامل کے اختلاف سے مختلف نہیں ہوتی جب کہ یہ دونوں مختلف ہوجاتے ہیں جیسے جَاءَ نِیْ الضَّارِبَانِ وَ الضَّارِبُوْنَ وَرَأَیتُ الضَّارِبَیْنِ وَالضَّارِبِیْنَ وَمَرَرْتُ بِالضَّارِبَیْنِ وَالضَّارِبِیْنَ، فَافْهَمْ وَلَا یَجُوْزُ اِسْتِعْمَالُ الخ۔ مطلب یہ ہے کہ ضمیر منفصل (خواہ مرفوع ہو یا منصوب) کا استعمال کسی بھی حال میں جائز نہیں ہاں جب کہ ضمیر متصل کا آنا کسی مقام پر متعذر ہوجائے، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ واضع نے ضمیر کو اس لیے وضع کیا ہے تاکہ کلام میں اختصار پیدا ہوجائے اور ضمیر متصل میں بنسبت ضمیر منفصل کے زیادہ اختصار ہے چونکہ اس میں حروف کم ہوتے ہیں لہٰذا جب تک متصل کا آنا

اشارہ نہ ہو منفصل کو استعمال نہ کیا جائے گا، مقامات متعذرہ ملاحظہ فرمائیے، اِیَّاكَ نَعْبُدُ ۔ یہاں متصل کا آنا متعذر ہے اس لیے کہ ضمیر متصل بمنزلہ جزءِ کلمہ کے ہونے کی وجہ سے عامل کے اخیر میں مل کر آتی ہے لہٰذا وہ اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوسکتی اس لیے منفصل کو لائے۔

وَمَا ضَرَبَكَ اِلَّا اَنَا ۔ اس میں متصل کا آنا اس وجہ سے متعذر ہے کہ ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان حصر پیدا کرنے کی وجہ سے فصل ہورہا ہے اور فصل اتصال کے منافی ہے اور اگر فصل نہ کریں تو غرض فوت ہوجاتی ہے، اس لیے منفصل کا استعمال کرنا پڑا۔ وَاَنَا زَيْدٌ یہاں وجہ تعذر یہ ہے کہ ضمیر کا عامل معنوی ہے اور وہ عامل معنوی ابتداء ہے اور ضمیر متصل عامل لفظی سے متصل ہوتی ہے اس لیے اَنَا ضمیر منفصل کو لائے وَمَا اَنْتَ اِلَّا قَائِماً اس مثال میں تعذر اس وجہ سے ہے کہ ضمیر کا عامل حرف ہے اور ضمیر بھی ضمیر مرفوع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر مرفوع فعل سے ملتی ہے اور رہا منصوب و مجرور ان کا اتصال حرف کے ساتھ بھی جائز ہے اس لیے ضمیر منفصل کو استعمال کرنا پڑا۔

واعلم اَنَّ لهم ضمِيراً يقعُ قبلَ جُملَةٍ تُفسِّرُهُ ويُسَمّٰى ضَميرَ الشانِ فى المذكرِ وضَميرَ القِصَّةِ فى المؤنثِ نحو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحدٌ وانها زينبُ قَائمةٌ ويدخل بين المبتدأ والخبر صيغةُ مرفوعٍ منفصلٍ مطابقٍ للمبتدأ اِذا كان الخبرُ معرفةً او افعَل منْ كذاَ ويُسَمّٰى فصلاً لانهٗ يفصِلُ بينَ الخَبَرِ والصِّفَةِ نحو زيدٌ هُو القائم وكان زيدٌ هُو افضلُ من عمرٍو وقالَ اللّٰهُ تعالىٰ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور جاننا چاہیے کہ نحویوں کے یہاں ایک ضمیر ہوتی ہے جو ایسے جملہ سے قبل واقع ہوتی ہے جو جملہ کہ اس کی تفسیر کرتا ہے اور اس ضمیر کا نام ہے مذکر میں ضمیر شاں اور مونث میں ضمیر قصہ جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحدٌ وانها زينبُ قَائمةٌ اور داخل ہوتا ہے مبتداء وخبر کے درمیان صیغہ (ضمیر) مرفوع منفصل جو مطابق ہوتا ہے مبتداء کے جب کہ خبر معرفہ ہو یا اَفعَل منْ كذاَ ہو (وہ اسم تفضیل جس کا استعمال مِنْ کے ساتھ ہو) اور اس صیغہ کا فصل نام رکھا جاتا ہے اس لیے کہ وہ خبر اور صفت کے درمیان فصل پیدا کردیتا ہے جیسے زيدٌ هُو القائم وكان زيدٌ هُو افضلُ من عمرٍو اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ.

تشریح: واعلم اَنَّ لهم ضمِيراً الخ ۔ ضمیر کی تعریف کے بیان میں آپ نے یہ پڑھا تھا کہ اگر ضمیر غائب ہو تو اس کے مرجع کا ماقبل میں مذکور ہونا ضروری ہے یہاں سے مصنف بیان فرماتے ہیں کہ نحویوں کے یہاں ایک ضمیر مفرد غائب غیر مجرور ایسی بھی ہوتی ہے جو جملہ خبریہ سے قبل واقع ہوتی ہے اس کا مرجع ماقبل میں مذکور نہیں ہوتا جس کی بنا پر اس میں ابہام ہوتا ہے وہ جملہ خبریہ سے قبل واقع ہوتی ہے اس کا مرجع ماقبل میں مذکر کے لیے ہے تو اس کا نام ضمیر شان ہوتا ہے اور اگر مونث کے لیے استعمال ہوتی ہے تو اس ضمیر کو قصہ کہتے ہیں جیسے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحدٌ

اس میں ھُوَ ضمیر مذکر کی ہے ھُوَ ضمیر کے اندر جو ابہام تھا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے کہ وہ اللہ ہے جو ایک ہے اور جیسے وانھا زینبُ قَائمۃٌ ھَا ضمیر مؤنث کی ہے مابعد کا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔

فائدہ : اس ضمیر کے استعمال کے لیے کئی شرطیں ہیں اول یہ کہ مفرد ہو (۲) غائب ہو (۳) غیر مجرور ہو (۴) مرجع ماقبل میں مذکور نہ ہو (۵) جملہ اسمیہ خبریہ سے قبل واقع ہو ہاں اتنی گنجائش ضروری ہے کہ اگر اس ضمیر پر نواسخ مبتداء داخل ہو جائیں (عامل لفظی داخل ہو جائے) تو اس وقت جملہ فعلیہ بھی اس کے مابعد آ سکتا ہے۔ فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ۔ اس میں ھا ضمیر پر ناسخ مبتداء عامل لفظی داخل ہو گیا اس لیے اس کے بعد لَا تَعْمَی فعل کا آنا جائز ہو گیا۔

ترجمہ: نہ سمجھنے والوں کی کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتی۔

وجہ تسمیہ ضمیر شان وضمیر قصہ، یہ ضمیر چونکہ ذہن میں جو شان (کیفیت) اور جو قصہ ہوتا ہے اس کی طرف لوٹتی ہے اس لیے اس کو شان یا قصہ کہا جاتا ہے اس ضمیر کے لانے کی غرض کسی چیز کی عظمت و بزرگی کو بیان کرنا ہوتا ہے کیونکہ جب کسی شئ کو اولاً مبہم ذکر کریں گے پھر تفسیر کریں گے تو نفس کے اندر اس کی تعظیم اور بڑائی پیدا ہوگی دوسرے یہ کہ مبہم کو ذکر کرنے سے سامع کو اشتیاق رہتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے پھر جب اس کی تفسیر لائیں گے تو سامع کے ذہن میں وہ بات راسخ ہو جائے گی۔

وَیَدْخُلُ بَیْنَ الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ الخ ۔ یہاں سے حضرت المصنف طلبہ عزیز کے لیے ایک جدید مسئلہ کی تحقیق بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر مبتداء کی خبر معرفہ ہو یا معرفہ کے ساتھ ملحق ہو، لام کے اس پر دخول کے ممتنع ہونے میں جیسے اسم تفضیل جو مستعمل ہو مــــن کے ساتھ ایسی صورت میں اہل عرب مبتداء و خبر کے درمیان مرفوع منفصل کا صیغہ داخل کر دیتے ہیں خواہ وہ عامل لفظی کے دخول سے قبل ہو یا بعد میں ہو، اور یہ صیغہ مبتداء کے مطابق ہوتا ہے مفرد تثنیہ و جمع ہونے میں اور تذکیر و تانیث میں اور متکلم و حاضر و غائب ہونے میں اور اس صیغہ کا نام نحاۃ بصرہ کے نزدیک فصل ہے کیونکہ یہ صیغہ خبر اور صفت کے درمیان التباس سے فرق پیدا کر دیتا ہے زَیْدٌ ھُوَ الْقَائِم اس مثال میں جہاں القائم معرفہ ہے اور زید کی خبر ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی احتمال ہے کہ یہ زید کی صفت ہو تو ھو صیغہ مرفوع منفصل نے دونوں کے درمیان فرق پیدا کر دیا اب القائم کا خبر ہونا متعین ہو گیا وَکَانَ زَیْدٌ ھُوَ اَفْضَلُ مِنْ عَمرو اس مثال میں ھُو مبتداء پر عامل لفظی کے داخل ہونے کے بعد آیا ہے اور افضل من عمرو اسم تفضیل مستعمل بمن ہے جب یہ من کے ساتھ ہو تو اس پر لام داخل نہیں ہو سکتا اسی لحاظ سے یہ معرفہ کے ساتھ ملحق ہے اسی لیے یہاں بھی افضل کے خبر و صفت ہونے میں دونوں ہی احتمال تھے ھُو صیغہ نے اس احتمال کو ختم کر دیا۔

کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْھِمْ. اس میں بھی الرقیب خبر معرفہ ہے صفت و خبر دونوں ہی کا احتمال ہے اس لیے

صیغہ مرفوع منفصل کو لائے اور یہ عامل لفظی کے دخول کے بعد آیا ہے۔

فائدہ: نحاۃ بصرہ کے نزدیک اس صیغہ کا نام فصل ہے اور اس کا نام کوفیین کے نزدیک عماد ہے کیونکہ وہ اپنے مابعد کی خبریت کے ساقط ہونے سے حفاظت کرتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مصنف نے صیغہ مرفوع منفصل کہا ضمیر مرفوع منفصل نام نہیں دیا، اس لیے کہ اس کے سلسلے میں اختلاف ہے ضمیر ہونا اس کا متحقق نہیں ہے امام خلیل اس کو حرف کہتے ہیں محشی کتاب فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے اور ان کے علاوہ علماء نحاۃ اس کو اسم کہتے ہیں تو اس اختلاف سے بچتے ہوئے صیغہ مرفوع کہا اور صیغہ ہونے میں دونوں شریک ہیں۔

تمرین:

مبنی کی تعریف کیجئے (۲) جو اسم مبنی اصل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہوتا ہے اس کی کتنی قسمیں ہیں شمار فرمایئے، (۳) مبنی کا حکم بیان فرمایئے (۴) اس کی حرکات کا کیا نام ہے بیان فرمایئے (۵) مبنی کی مطلقاً کتنی قسمیں ہیں (۶) ضمیر کی تعریف بیان کیجئے نیز ضمیر غائب کا مرجع ماقبل میں تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے آتا ہے اس کی مع مثال وضاحت کیجئے (۷) ضمیر متصل و منفصل کی تعریف بیان کیجئے (۸) صاحب ہدایۃ النحو کی ترتیب کے مطابق کل ضمائر کتنی ہیں (۹) ضمیر کے مرفوع، منصوب، مجرور ہونے کا کیا مطلب ہے (۱۰) ضمیر مرفوع متصل ماضی مضارع اور اسم فاعل واسم مفعول واسم تفضیل وصفت مشبہ کے کن صیغوں میں پوشیدہ ہوتی ہے (۱۱) ضمیر متصل کا جن مقامات پر آنا دشوار ہے ان کو شمار کرایئے (۱۲) ضمیر شان اور ضمیر قصہ کس کو کہتے ہیں (۱۳) مصنفؒ اپنی عبارت ویدخلُ بین المبتدا والخبر سے کس جدید مسئلہ کی تحقیق بیان فرما رہے ہیں۔

مندرجہ ذیل جملوں میں پانچوں قسم کی ضمائر کی شناخت کریں:

قرأتُم، اجتنبنَا، اِهتَدَیتُم، طَلَع البدرُ ، سَجَدُوا، نحنُ مُسلِمُون، هم حافظُونَ، انتَ مُعلِّم، أنتَ أُمَّتِی، هُمَا ناصران، هو رجلٌ، علَّمتكم، أكرمتهم، نَصرتموهُنَّ، ادّیتُكنّ، قتَلتُموهَا، استنصرهُ، ایَّاك نعبُد، إیانا یَعبُدون، إیَّاهم نَصرنَا، إیَّایَ یُحِبُّ، إیَّاهن قَتلتُم، إیَّاهَا نصرن، مدرستُكم، قلمُنا ، كُرّاستُها، كتابُنا، لَعَن اللّٰه علَیهم، یَعتَذِرونَ إلیكم، أحسَنَ إلَینَا، نظَرنا، إلَیكما، رَغِبتَ عنها۔

فصلٌ اسماءُ الاشارَةِ مَا وُضِعَ لیدُلَّ علیٰ مُشارٍ الیهِ وهُو خمسةُ الفاظٍ لستَّةِ معَانٍ وذٰلکَ ذَا للمذکرِ وذَانِ وذَینِ لمثنّاهُ وتَاوتِی وَذی وتِه وذِه وتِهی وذِهی للمُؤنّثِ وَتَانِ وتَینِ لمثنّاهُ واُولاءِ بالمدّ والقصرِ معهما.

ترجمہ: مبنی کی دوسری قسم اسماء اشارہ ہے، اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشارٌ الیہ پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا

گیا ہو، اور اسماء اشارہ پانچ الفاظ ہیں، چھ معانی کے لیے پہلا اُن میں سے ذا ہے مذکر کے لیے اور ذانِ (حالت رفع میں) اور ذینِ (حالت نصبی میں) تثنیہ مذکر کے لیے ہیں اور تَا، تِی، ذی، ذِہ، تِھی، ذِھی، تِھی، واحد مؤنث کے لیے ہے اور تان (بحالت رفع) تین (بحالت نصب) تثنیہ مؤنث کے لیے اور اُولاء مد کے ساتھ اولیٰ بغیر مد کے مذکر و مؤنث دونوں کی جمع کے لیے ہے۔

تشریح: اسماءُ الاشارَۃ الخ ۔ اسم اشارہ وہ اسم ہے جو مشارالیہ پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو، واضح ہو کہ اسم اشارہ سے ہمیشہ محسوس کی طرف اشارہ ہوتا ہے نہ کہ معنی کی طرف اور یہ اشارہ حسیّہ ہوتا ہے اعضاء و جوارح سے نہ کہ ذہنیہ ۔ ہماری اس تقریر کے لحاظ سے ضمیر غائب کو لے کر جن حضرات نے اعتراض کیا وہ ختم ہو جائے گا، وہ اعتراض یہ ہے کہ ضمیر غائب سے بھی اشارہ کیا جاتا ہے جیسے ہو وہ لہٰذا اس کو بھی اسم اشارہ کہنا چاہئے ۔ اس کا جواب ہماری اس تقریر سے ہی بن جائے گا وہ یہ کہ ضمیر غائب کے ذریعہ سے مرجع کی طرف جو اشارہ کیا جاتا ہے وہ اشارہ ذہنیہ ہوتا ہے نہ کہ حسیہ جو کہ جوارح سے ہوتا ہے ۔ مگر اس پر پھر ایک سوال واقع ہوگا کہ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ میں ذٰلِكَ کے ذریعہ سے اشارہ کیا جارہا ہے اللہ کی طرف اور قاعدہ یہ ہے کہ اسمائے اشارہ محسوس ومبصر چیز کے اشارہ کے لیے وضع کے گئے ہیں، اور اللہ محسوس و مبصر کے قبیل سے نہیں ہے یعنی اللہ کو کوئی شخص دنیا میں نہیں دیکھ سکتا، اور نہ کسی اور طرح محسوس کرسکتا ہے۔

الجواب اللہ کو مجازاً محسوس مشاہد پر محمول کرلیا گیا ہے چونکہ کائنات کی تمام چیزیں اس پر دلالت کررہی ہیں یعنی مخلوق کے ذریعہ سے خالق کو پہچانا جارہا ہے، اس لیے وہ بمنزلہ محسوس کے ہے۔

وھُو خمسةُ الفاظٍ الخ. عربی زبان میں اسم اشارہ کے لیے پانچ لفظ آتے ہیں جن میں سے ایک اسم اشارہ دو معنی کے لیے آتا ہے اس لحاظ سے یہ پانچ الفاظ چھ معنی کے لیے ہیں، جن کی دلیل حصر مندرجہ ذیل ہے مشارٌ الیہ مذکر ہوگا یا مؤنث پھر دونوں میں سے ہر ایک مفرد ہوگا یا تثنیہ ہوگا یا جمع ہوگا۔ اور جمع مذکر و مؤنث دونوں کے درمیان مشترک ہے اس لحاظ سے پانچ الفاظ چھ معنی کے لیے ہوئے تفصیل ملاحظہ ہو، ذا واحد مذکر کے لیے موضوع ہے جیسے هٰذَا الْكِتَابُ۔

فائدہ : کوفیین کے نزدیک ذا کی اصل صرف ذال ہے، (ذ) الف زائد ہے اور عندالخلیل اس کی اصل ذیّ بتشدید الیاء ہے یاء ثانیہ کو حذف کرکے ذَی بروزن کَیْ باقی رہا یا کو الف سے بدل دیا ذَا ہوگیا۔ ذان وذین یہ دونوں تثنیہ مذکر کے لیے ہیں، فرق اتنا ہے کہ ذان برائے حالت رفعی اور ذین برائے حالت نصبی وجری، حالت رفعی کی مثال جیسے اِجْتَهَدَ هٰذَانِ التِّلْمِيْذَانِ ان دونوں طلبہ نے محنت کی حالت نصبی کی مثال جیسے رَأَيْتُ هٰذَيْنِ التِّلْمِيْذَيْنِ حالت جری کی مثال جیسے نَظَرْتُ اِلٰى هٰذَيْنِ الْكِتَابَيْنِ۔

فائدہ : کسی طالبعلم کو یہ سوال ہوسکتا ہے کہ پہلے تو یہ بتلایا کہ اسم اشارہ ذا و ذان وذین ہیں، اور امثلہ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ ھذا اور ھذان ھا کے ساتھ اسم اشارہ ہیں، یہ فلسفہ کیا ہے؟ **الجواب** اصل تو اسماء اشارہ بغیر ھا کے ہی ہیں ھا کو تو تنبیہ کے لیے زائد کیا گیا ہے کما سیاتی الخ۔

دوسری بات یہ ہے کہ اسم اشارہ حالت رفع اور نصب و جر کی صورت میں تبدیل ہوتا رہا، حالت رفع میں الف کے ساتھ اور نصبی و جری میں یاء کے ساتھ تثنیہ کے عام صیغوں کی طرح اس لیے بعض حضرات نے کہا کہ اسم اشارہ برائے تثنیہ معرب ہے اگر چہ دوسرے بعض حضرات نے ان کو مبنی ہی مانا ہے، چونکہ مفرد و جمع کی طرح، ان میں بھی مبنی ہونے کی علت موجود ہے۔ تیسرا قول اس سلسلے میں ابو اسحٰق زجاج کا ہے وہ کہتے ہیں کہ تثنیہ ہے، تو مطلقاً مبنی مگر مبنی ہونے کی علت اس کا واؤ حرف عطف کو متضمن ہونا ہے تو گویا کہ حرف عطف کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رجلان کی اصل رجل ورجل تھی اور بعض لغات عرب سے (جس کو آپ قول چہارم کہہ سکتے ہیں) یہ پتہ چلتا ہے کہ ذان تینوں حالتوں میں یکساں ہے، جیسے آیت کریمہ میں ہے ان ھذان لساحران اس میں حالتِ نصبی کے ہوتے ہوئے بھی الف کے ساتھ ہے وتا و تی وذی مؤنث کے اسم اشارہ کے لیے بہت سی لغات ہیں(۱) تَا (۲) تِیْ (۳) ذِیْ اور ذِیْ میں الف کو یاء سے تبدیل کیا گیا اب اس سلسلے میں یہ یاد رکھیں کہ بعض حضرات کے قول کے مطابق ذی اصل ہے چونکہ وہ اسم اشارہ واحد مذکر ذا کے بالمقابل ہے اگر چہ دوسرے بعض حضرات نے تَا کو اصل قرار دیا چونکہ مؤنث کا تثنیہ اسی سے بنتا ہے تان (۴) لغت تِہ (۵) ذِہ ہے ان دونوں میں الف ہا سے مبدل ہے (۶) تِھِی (۷) ذِھِی ہے ان دونوں میں بھی الف کو ہاء سے بدلا گیا ہے، مگر ساتھ ہی یا کا بھی وصل کر دیا گیا۔ مثال ملاحظہ ہو جیسے ھذہ الحجرة جميلة، تان تثنیہ مؤنث کے لیے حالت رفعی میں اور تین حالت نصبی و جری میں جیسے ھاتان المرأتان صالحتان، بحالت رفعی، رأيت ھا تين المنضدتين مثال بحالت نصبی ذھبت الى ھا تين الحديقتين بحالت جری واولاء اور اولی مذکر و مؤنث دونوں کی جمع کے لیے آتا ہے، اس کو اولآء مد کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں اور بغیر مد کے بھی جس کو قصر کہتے ہیں البتہ جب قصر کے ساتھ پڑھیں گے تو اخیر میں یاء کا اضافہ کریں گے جیسے اولی یہ بھی یاد رہے کہ یہ ھذا مفرد کی طرح تینوں حالتوں میں یکساں رہتا ہے حالت رفعی کی مثال جیسے ھؤلاء التلاميذ مجتھدون یہ سب طلبہ محنتی ہیں۔ حالت نصبی کی مثال جیسے ضربت ھؤلاء التلاميذ الذين فشِلُوا فى الامتحان میں نے ان سب طلبہ کو مارا جو امتحان میں فیل ہوئے۔ حالت جری کی مثال جیسے مررت بھولاء التلاميذ المجتھدين میں ان طلبہ کے ساتھ گذرا جو محنتی ہیں۔

وقد يلحق باوَائِلِها هَاءُ التنبيهِ نحو هٰذا وهٰذانِ وهٰولاءِ ويَتّصِلُ باواخِرِهَا حرفُ الخِطاب وَهو ايضاً خمسةُ الفاظٍ لِستَّةِ مَعَانٍ نحوكَ كُمَا كُم كِ كُنَّ

فذٰلِکَ خمسةٌ وَعِشرُونَ الحاصلُ مِن ضَرْب خَمسةٍ وهی ذَاکَ الٰی ذاکنَّ وذَانِکَ الٰی ذانِکُنَ وکذٰلِکَ البَوَاقِی واعلم انَّ ذَا لِلقَرِیْبِ وذٰلِکَ للبعید وذاکَ للمُتوسّطِ.

ترجمه : اور کبھی لاحق کی جاتی ہے ان اسماء کے شروع میں ہائے تنبیہ جیسے هـذا وهذان وهؤلاء اور متصل ہوتا ہے ان اسماء کے آخر میں حرف خطاب اور حرف خطاب کے بھی پانچ الفاظ ہیں جو چھ معانی کے لیے ہیں، جیسے ك، كـمـا، كـم، ك، كـن تو یہ اسماء اشارہ حرف خطاب سے مل کر پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے کل پچیس ہوگئے اور وہ ذاك سے ذاكُـنَّ تک اور ذالك سے ذلـكُـنَّ تک اور اسی پر باقی سب کو قیاس کر لیجئے اور جان تو کہ ذا قریب کے لیے ہے اور ذلك بعید کے لیے اور ذاك متوسط کے لیے۔

تشـــریح: ان اسماء اشارات کے شروع میں ہائے تنبیہ بھی بڑھا دی جاتی ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تاکہ مخاطب متنبہ اور ہوشیار ہو جائے جیسے هـذَا وهـذَان وهـؤلَاءِ وغیرہ ہاں ساتھ ہی یہ بھی دھیان رہے کہ کبھی حرف تنبیہ ہا کے عوض لام کو لایا جاتا ہے، اس صورت میں ہائے تنبیہ کا لانا جائز نہ ہوگا تاکہ عوض اور معوض منہ کا اجتماع لازم نہ آئے، جیسے ذٰلِكَ وَيَتَّـصِلُ بَاواخِرِهَا الخ اور ان اسماء اشارات کے آخر میں کبھی حرف خطاب کو بھی لے آتے ہیں، اس حرف خطاب کو لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تاکہ مخاطب کی حالت کا پتہ چل جائے کہ مخاطب واحد ہے یا تثنیہ یا جمع، مذکر ہے یا مؤنث وَهُوَ ايضًا الخ اور اسمائے اشارہ کی مانند حروف خطاب کے بھی پانچ الفاظ ہیں جن سے چھ معنی حاصل ہوتے ہیں تثنیہ اس میں بھی مشترک ہے بیـن الذَّكر والمؤنث اس لحاظ سے جب ان حروف خطاب کو اسمائے اشارہ سے ضرب دیں گے تو کل ان دونوں کا مجموعہ پچیس ہو جائے گا تفصیل حسب ذیل ہے۔

اسم اشارہ واحد مذکر جب کہ حرف خطاب سے ملے ذٰكَ ذَاكُمَا ذَاكُمْ ذَاكِ ذَاكُمَا ذَاكُنَّ ۔ اسم اشارہ تثنیہ مذکر جب کہ حرف خطاب سے ملے ذَانِكَ ذَانِـكُـمَا ذَانكُمْ ذَانِكِ ذَانِكُمَا ذَانِكُنَّ ۔ اسم اشارہ واحد مؤنث جب کہ حرف خطاب سے ملے، تَـاكَ تَا كُمَا تَاكُمْ تَاكِ تَا كُمَا تَاكُنَّ ۔ اسم اشارہ تثنیہ مؤنث با حرف خطاب تَـانِكَ تَـانِـكُـمَا تَانِكُمْ تَانِكِ تَانِكُمَا تَانِكُنَّ ۔ اسم اشارہ جمع مذکر و مونث با حرف خطاب، اُوْلٰـئِكَ اُوْلِئِكُمَا اَوْلِئِكُمْ اُوْلِئُكِ اُوْلِئكُمَا اُوْلِئكُنَّ۔

واعلم انَّ ذَا لِلقَرِيْبِ الخ ۔ یہاں سے اس تفصیل کو بیان فرما رہے ہیں کہ ان اسماء میں سے ہذا مشار الیہ قریب کے لیے ہے اور ذٰلك واحد مذکر ایسے ہی تلك واحد مؤنث ذانّك بالتشدید تثنیہ مذکر اور تانّك بالتشدید تثنیہ مونث اور اولائك جمع (باللام) یہ سب مشار الیہ بعید کے لیے ہیں۔ اور ذاك واحد مذکر و تـاك واحد مؤنث ذانك تثنیہ مذکر تــانك تثنیہ مؤنث جب کہ یہ دونوں مخفف ہوں اور اولَاكَ (بغیر لام) جمع مذکر و مونث یہ سب مشار الیہ متوسط کے لیے ہیں، یہ اسماء اشارہ جو متوسط کے لیے بیان کئے گئے ہیں اگر حرف خطاب کو حذف کر دیا جائے (یعنی

ھذا وھاتان یا ھذه ھذان ھاتان اولاء) یہ سب مشارالیہ قریب کے لیے ہیں۔

فائدہ : اسم مشارالیہ مذکور وجامد ہونے کی صورت میں اسم اشارہ کو مبدل منہ اور مشارالیہ کو بدل کہیں جیسے ھـذا الـمسـجـد اور مشتق ہونے کی صورت میں اسم اشارہ کو موصوف اور مشارالیہ کو صفت کہیں گے جیسے ھـذا الـمدرس صالح اور مشارالیہ مذکور نہ ہونے کی صورت میں اسم اشارہ کو مبتداء اور بعد والے کو خبر کہیں گے جیسے ھذا کتاب۔

تمرین:

(۱) اسم اشارہ کی جامع مانع تعریف کیجئے؟

(۲) اسم اشارہ کے لیے کتنے الفاظ آتے ہیں؟

(۳) اسماء اشارہ کے شروع میں جو ہاء آتی ہے آیا یہ اسماء اشارہ کا جز ہے یا کسی اور مقصد سے آتی ہے؟

(۴) اسم اشارہ تثنیہ کی صورت میں تثنیہ کی طرح تبدیل ہوتا ہے جب کہ مبنی آں باشد کہ ماند برقرار، پھر یہ تبدیلی کیسی کیا یہ بحالت تثنیہ معرب تو نہیں ہے، جو بھی صورت حال ہے اس کی وضاحت فرمائیے؟

(۵) اسم اشارہ کے آخر میں کاف حرف خطاب ملنے سے کل تعداد کتنی ہوتی ہے، وہ کون سے اسماء اشارہ ہیں جو قریب وبعید ومتوسط کے لیے آتے ہیں۔

مندرجہ ذیل جملوں میں قریب وبعید ومتوسط کی شناخت کیجئے، اور ترکیب بھی کیجئے:

ھـذا الـطّـالِـبُ ذکـیٌّ، ھـذه ابـنـةُ الأمِیـر، ذٰلك الـکـتَـابُ لارَیبَ فِیـه، تِلْك مدرسة، تِلكَ المدرسة جیّدةٌ، ذَانّك (بالتشدید) المسجد ان جدیدان، تانك الوِسَادتان قدیمَتانِ، اُولالك اولاد الأنبیاء، تاك امرأ ةٌ، ذَانِك (بـالتـخـفیف) مُعلّمانِ تَانِك (بالتخفیف) طالبتان، اُولٰك تلامیذ دیوبند، اولاك تلمیذاتُ الکُلّیات (کالج) اُولٰئك لَفِی ضَلالٍ مُبِین (یہ سب کھلی ہوئی گمراہی میں ہیں)۔

فـصـل الـمـوصُـول اسـمٌ لا یَـصلُحُ ان یَّکُونَ جُزْأ تامًا مِن جُملَةٍ اِلا بصلةٍ بعدهٔ وَالـصِّـلةُ جـمـلـةٌ خبـرِیَّةٌ ولابدَّ من عائدٍ فیها یعُوْدُ الٰی الموصُول مثالُه الَّذِی فی قولنا جَاءَ الَّذِی ابوهُ قائِمٌ اَو قامَ ابُوْهُ وَالذی للمذکر واللذان واللذَیْن لمثنّاهُ والتی للمؤنَّثِ والـلتـانِ والـلتّیـن لـمثـنّـاھَـا والـذِینَ والأُلی لجمعِ المذکرِ واللاتی واللواتی واللاءِ والـلائـی لـجـمعِ المؤنثِ ومَا ومَن وایٌّ وایَّةٌ وذو بمعنی الَّذِی فی لغة بنی طی کقول الشاعِر شعر:

فَـاِنَّ الـمـاءَ مـاءُ ابی و جَدِّیْ وبیری ذو حَفَرتُ وذُوْ طَوَیْت

ای الذی حفرتُہٗ و الذی طویتُہٗ.

ترجمہ: اسم مبنی کی تیسری قسم اسم موصول ہے (یہ اس لیے مبنی ہے کہ اس کو صلہ کی طرف محتاج ہونے میں حرف کے ساتھ مشابہت ہے) اسم موصول وہ اسم ہے جو نہ صلاحیت رکھتا ہو جملہ کا جزء تام بننے کی مگر صلہ کے ساتھ جو اس کے (اسم موصول) کے بعد ہے اور صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور ضروری ہے صلہ میں ایک عائد کا ہونا جو اسم موصول کی طرف لوٹے اس کی مثال الذی ہے ہمارے قول جاءَ الَّذِی ابوہُ قائِمٌ اَو قامَ ابُوْہُ اور الذی مذکر کے لیے ہے اور الذان وا الذین تثنیہ مذکر کے لیے ہیں، اور التی مؤنث کے لیے ہے اور التـان والتین تثنیہ مؤنث کے لیے ہیں اور الذین والالی جمع مذکر کے لیے اور اللاتی واللواتی والاء واللائی جمع مؤنث کے لیے ہیں اور ما و من وای وایۃ اور ذو بمعنی اَلَّذِیْ ہے بنی طے کی لغت میں جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

فَـاِنَّ الـمـاءَ مـاءُ ابی و جَدِّیْ وبیری ذو حَفَرتُ وذُوْ طَوَیْت

پس بے شک پانی میرے باپ اور میرے دادا کا پانی ہے، اور میرا کنواں جس کو میں نے کھودا اور جس کو میں نے لپیٹا (مدور کیا، گول کیا)۔

تشریح: اسم موصول کی تعریف سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ تعریف میں جزءتام کا لفظ آیا ہے اس جزءتام سے مراد مبتداء، خبر، فاعل، مفعول وغیرہ ہیں اب تعریف ملاحظہ ہو، اسم موصول وہ اسم ہے کہ جو جملہ کا بغیر صلہ کے جزءتام نہ بن سکے جو صلہ کہ اسم موصول کے بعد آتا ہے۔

فوائد قیود: تعریف میں الا بصلۃ فصل کے درجہ میں ہے اس قید سے ان تمام اسماء سے احتراز ہو گیا جو کہ بغیر صلہ کے جزءتام ہو جاتے ہیں، جیسے زَیْدٌ وَ رَجُلٌ اور جُزْء کے ساتھ تـامًّـا کی قید لگانے سے یہ بات معلوم ہو گئی کہ اسم موصول جملہ کا بغیر صلہ کے جزء بن سکتا ہے مگر جزءتام نہیں۔

وَالصِّلَۃُ جُمْلَۃ خَبرِیَّۃ ۔ یہاں سے صلہ کی تعریف بیان فرما رہے ہیں کہ اسم موصول کا صلہ ہمیشہ جملہ خبریہ ہوتا ہے خواہ فعلیہ ہو یا اسمیہ البتہ انشائیہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ اسمائے موصولہ جملہ کی صفت بنانے کے لیے وضع کئے گئے ہیں، اور صفت کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ پہلے سے خود بھی ثابت ہو کیونکہ کوئی شیٔ کسی شیٔ کو جب ہی ثابت کر سکتی ہے جب کہ وہ خود پہلے سے ثابت ہو اور آپ جانتے ہیں کہ جملہ انشائیہ فی نفسہا ثابت ہی نہیں ہوتا جب وہ ثابت نہیں ہوتا تو صفت بھی نہیں بن سکتا اور اسمائے موصولہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ جملہ کو معرفہ کی صفت بنائے اس لیے جملہ انشائیہ صلہ نہیں ہو سکتا۔

وَلَا بُدَّ الخ ۔ اور صلہ میں ایک عائد کا ہونا (جو کہ اکثر ضمیر ہوتی ہے) ضروری ہے کہ جملہ بحیثیت جملہ مستقل

ہوتا ہے وہ کسی کے تابع نہیں ہوتا، اور یہاں جملہ کو اسم موصول کے تابع کرنا ہے لہٰذا عائد کا ہونا ضروری ہے تا کہ اس جملہ کا تعلق اسم موصول کے ساتھ قائم ہو جائے، ہاں یہ بھی ملاحظہ ہو کہ عائد ہمیشہ ضمیر ہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی ضمیر کے علاوہ بھی کوئی اور چیز عائد ہو جاتی ہے مثلاً اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ واقع کر دینا جیسے جاء نی الذی ضرب زیدٌ اوراس کے علاوہ بھی کئی قسمیں ہیں جن کو ہم مبتداء کی خبر جب جملہ ہو اسکے تحت میں بیان کر چکے ہیں۔ بہر حال جب عائد کی کئی قسمیں ہیں اسی وجہ سے لفظ عائد استعمال کیا نہ کہ ضمیر یہ الگ بات ہے کہ اکثر ضمیر ہی عائد ہوتی ہے۔

مثالُهُ الَّذِیْ الخ : اسم موصول کی مثال مثلا الذی ہے جو کہ جَاءَ نِیْ الَّذِیْ اَبُوْهُ قَائِمٌ یا قَامَ اَبُوْهُ کے اندر ہے اس میں اول مثال صلہ کے جملہ اسمیہ ہونے کی ہے اور ثانی صلہ کے جملہ فعلیہ ہونے کی اور عائد ان دونوں میں اسم ضمیر ہے جو کہ الَّذِیْ کی طرف راجع ہے۔

وَالَّذِیْ لِلْمُذَكَّرِ الخ : مصنفؒ اسم موصول کی تعریف اور تمثیل کے بیان سے فراغت کے بعد اب یہاں سے ان کی تعداد بیان فرماتے ہیں ان میں سے ایک اَلَّذِیْ ہے جو واحد مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اَلَّذِیْ کی اصل لَذِیْ بروزن عَمِیْ اسم منقوص ہے۔ اور اَللَّذَانِ تثنیہ مذکر کے لیے ہے بحالت رفع اور اَللَّذَیْنَ بھی تثنیہ مذکر کے لیے ہے مگر برائے حالت نصبی وجری اَلَّتِیْ واحد مؤنث کے لیے ہے اور اَللَّتَانِ تثنیہ مؤنث کے لیے بحالت رفع اور اَللَّتَیْنِ بھی تثنیہ مؤنث کے لیے ہے مگر حالت نصبی وجری کے لیے اور الذین اور الالی بروزن هُدی یہ دونوں جمع مذکر کے لیے ہیں، مگر یہ تینوں حالتوں میں یکساں رہیں گے ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ یہ جمع مذکر عاقل وغیر عاقل دونوں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اگر چہ عاقل کے لیے زیادہ اور غیر عاقل کے لیے قلت کے ساتھ۔

ترجمہ: عاقل کہتے ہیں جس میں تدبر اور اچھے برے میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہو اور یہ صفت خاص ہے انسان کے ساتھ اس لحاظ سے جب بھی ہماری ان اصطلاحات میں لفظ عاقل بولا جائے گا تو اس سے مراد انسان ہوگا اور غیر عاقل سے مراد غیر انسان خواہ وہ جاندار ہو یا بے جان۔ جمع مذکر عاقل کی مثال جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا اور غیر عاقل کی مثال جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ۔

ترجمہ: بے شک جو لوگ ایمان لائے، مثال ثانی بے شک وہ جن کو تم پوجتے ہو اللہ کو چھوڑ کر (وہ بھی تم جیسے بندے اور مخلوق ہیں) اور ان اسمائے موصولات میں سے اَللَّاتِیْ وَاللَّوَتِیْ وَاللَّاءِ وَاللَّائِیْ یہ چاروں جمع مؤنث کے لیے ہیں۔ اور ما و من یہ بھی اسم موصول ہیں، الذی کے معنی میں مگر اتنا فرق ضرور ہے کہ یہ مفرد، تثنیہ جمع، مذکر، مونث سب کے لیے استعمال ہوتے ہیں، نیز مَنْ ذوی العقول کے لیے اور مَا غیر عاقل کے لیے استعمال ہوتے ہیں باعتبار حقیقت کے اگر چہ مجازاً ایک دوسرے کی جگہ میں بھی استعمال ہو جاتے ہیں۔ اب ہر ایک اسم موصول کی مثال نقشہ سے ملاحظہ فرمائیے۔

اسم موصول واحد مذکر کی مثال بحالت رفع جَـاءَ نِـیُ الَّذِیُ قَـامَ اَبُوُہُ ،آیا میرے پاس وہ شخص کہ جس کا باپ کھڑا ہے۔

اسم موصول واحد مذکر کی مثال بحالت نصب رَأَیُتُ الَّـذِیُ یَتَـعَـلَّمُ الْقُرْآنَ ۔دیکھا میں نے اس کو کہ جو قرآن کی تعلیم حاصل کر رہا ہے۔

اسم موصول واحد مذکر کی مثال بحالت جر: مَـرَرُتُ بِالَّذِیُ فَازَ فِی الِامُتِحَانِ ۔گذرا میں اس کے ساتھ جو امتحان میں کامیاب ہوا۔

مثال تثنیہ مذکر بحالت رفع: فَـاذَ الذان اجُتَهَدَا! فِی الدَّرُسِ کامیاب ہوئے وہ دو طلبہ جنہوں نے سبق میں محنت کی۔

مثال تثنیہ مذکر بحالت نصب: ضَرَبُتُ الَّذَیْنَ فَشَلَا فِیُ الِامُتِحَانِ ۔مارا میں نے ان دو طلبہ کو جو امتحان میں فیل ہوئے۔

مثال تثنیہ مذکر بحالت جر: فَـرِحُـتُ بِـالَّذَیْنِ حَفِظَا الدَّرِسَ ۔خوش ہوا میں ان دو طلبہ سے جنہوں نے سبق یاد کیا۔

مثال جمع مذکر بحالت رفع: صَلَی الَّذِیُنَ یَخَافُوُنَ الاٰخِرَةُ۔نماز پڑھی ان لوگوں نے جو آخرت کا خوف رکھتے ہیں۔

مثال جمع مذکر بحالت نصب: مَـنَـحُـتُ الَّذِیُنَ نَجَحُوُا فِی الِامُتِحَانِ ،انعام دیا میں نے ان طلبہ کو جو امتحان میں کامیاب ہوئے۔

مثال جمع مذکر بحالت جر: نَـظَـرُتُ إِلَـی الَّذِیُنَ یُؤتُوُنَ الزَّکٰوة۔دیکھا میں نے ان لوگوں کو جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

مثال واحد مؤنث بحالت رفع: ذَهَبَتُ الَّتِیُ حَفِظَتُ الدَّرُسَ۔گئی وہ طالبہ جس نے سبق یاد کیا۔

مثال واحد مؤنث بحالت نصب، ضَرَبُتُ الَّتِیُ مَا حَفِظَتُ الدَّرُسَ ۔مارا میں نے اس طالبہ کو جس نے سبق یاد نہیں کیا۔

مثال واحد مؤنث بحالت جر، فَـرِحُـتُ بِـالَّتِـیُ نَـجَحَتُ فِی التَّقَابُلِ ۔خوش ہوا میں اس طالبہ سے جو مقابلہ میں پاس ہوئی۔

مثال تثنیہ مؤنث بحالت رفع، جَـاءَ تِ الـلَّتَـانِ فَرَغَتَا مِنَ العَمَلِ ،آئی وہ دو عورتیں جو کام سے فارغ ہو گئیں۔

مثال تثنیہ مؤنث بحالت نصب: رَأَیْتُ الَّتَیْنِ فَازَتَا فِی الاِمْتِحَان ۔ دیکھا میں ان دو طالبات کو جو امتحان میں کامیاب ہوئیں۔

مثال تثنیہ مؤنث بحالت جر: فَرِحْتُ بِالَّتَیْنِ حَفِظَتَا الدَّرْسَ ۔ خوش ہوا میں ان دو لڑکیوں سے جنہوں نے سبق یاد کیا۔

مثال جمع مؤنث بحالت رفع: اِجْتَهَدَتْ اللَّاتِیْ یَخَفْنَ اللّٰه تعالیٰ محنت کی ان عورتوں نے جو اللہ سے ڈرتی ہیں۔

مثال جمع مؤنث بحالت نصب: اَنْجَحْتُ اللَّاتی اجْتَهَدْنَ فِی الدَّرْسِ ۔ کامیاب کیا میں نے ان طالبات کو جنہوں نے سبق میں محنت کی۔

مثال جمع مؤنث بحالت جر: نَظَرْتُ إِلَی اللَّاتِیْ نَجَحْنَ فِیْ الاِمْتِحَانِ ۔ دیکھا میں نے ان لڑکیوں کی جانب جو امتحان مین پاس ہوئیں۔

من اسم موصول کی مثال: اَحْسِنْ إِلٰی مَنْ اَسَاءَ اِلَیْكَ ۔ تو احسان کر واس پر جو تیرے ساتھ برائی کرے۔

ما اسم موصول کی مثال: وَاللّٰه یَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور اللہ پیدا کرتا ہے جس کو تم نہیں جانتے۔

وَاَیٌّ وَاَیَّة اور اَیّ وأیّةٌ بھی اسم موصول ہیں ایٌّ مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے خواہ مذکر واحد ہو یا تثنیہ یا جمع اور أیّةٌ مونث کے لیے ایٌّ کی مثال جیسے اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا۔

اَیَّة کی مثال جیسے اَیَّتُهُنَّ اَحسَنُ مِنْ هندٍ عِنْدِی ۔ ان میں سے کون سی عورت زیادہ حسین ہے میرے نزدیک ہندہ سے۔

وَذُوْ بِمَعْنٰی الَّذِیْ الخ ۔ لفظ ذو، دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے ایک بمعنی صاحب جس کو اسماء ستہ مکبرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں یہ تو معرب ہوتا ہے اور ایک ذو بمعنی الذی اسم موصول ہوتا ہے جو کہ مبنی ہوتا ہے اس میں عوامل کے اختلاف سے تغیر نہیں ہوتا، اور یہ مذکر و مؤنث واحد، تثنیہ جمع غائب، حاضر سب کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے جَاءَنِیْ ذُوْ قَامَ وَرَأَیْتُ ذُوْ قَامَ وَمَرَرْتُ بِذُوْ قَامَ وغیرہ۔ مگر ساتھ ہی یہ یاد رہے کہ یہ ذو بمعنی الذی صرف قبیلہ بنوطیٔ کی لغت میں ہے جیسا کہ شاعر کے قول میں ذُوْ حفرتُ وَذُوْ طَوَیْتُ الَّذِیْ حَفَرْتُهٗ وَالَّذِیْ طَوَیْتُهٗ کے معنی میں ہے، اس شعر کا شاعر سنان ابن فحل ہے جو قبیلہ بنوطیٔ سے تعلق رکھتا ہے مطلب شعر کا یہ ہے کہ جس پانی کے بارے میں نزاع اور اختلاف ہے وہ پانی تو وراثت میں میرے باپ کو میرے دادا سے ملا ہے اور پھر مجھے میرے باپ سے ملا ہے گویا کہ پانی کا مالک میں ہوں ایسے ہی جس کنویں کے متعلق نزاع ہے وہ کنواں تو میرا ذاتی ہے خود میں نے اس کو کھودا ہے اور خود ہی پتھروں سے میں نے چنا ہے۔

والالفُ واللام بمعنی الذی صلتُهٗ اسمُ الفاعِلِ واسمُ المفعولِ جاء نی الضاربُ زیداً ای الذی یَضرِبُ زَیداً او جاء نی المضروبُ غلامُهٗ ویجوزُ حذفُ العائِدِ مِنَ اللفظ ان کانَ مفعولًا نحو قام الذی ضَرَبتُ ای الذی ضربتُهٗ واعلم اَنَّ اَیًّا وَاَیَّةً معربةٌ الا اذا حُذِفَ صدرُ صِلَتِها کقولہ تعالیٰ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا ای هو اشدُّ.

ترجمہ: اورالف ولام بھی الذی کے معنی میں ہوتے ہیں جب کہ ان کا صلہ اسم فاعل واسم مفعول ہو جیسے جَاءَ نِی الضَّارِبُ زَیداً یعنی اَلَّذِیْ یَضرِبُ زَیداً یا جَاءَ نِی الْمَضْرُوبُ غُلَامُهٗ یعنی اَلَّذِیْ یُضرَبُ غُلَامُهٗ ۔اور جائز ہے عائد کا حذف کرنا،لفظ سے اگر وہ مفعول ہو جیسے قَامَ الَّذِیْ ضَرَبْت یعنی قَامَ الَّذِیْ ضَرَبْتُهٗ ۔اور جاننا چاہئے کہ اَیٌّ وَ اَیَّةٌ معرب ہوتے ہیں مگر جب کہ ان کا صدر صلہ محذوف ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا یعنی اصل عبارت ہے اَیُّهُمْ هُوَ اَشَدُّ۔

تشریح: و الألف والـلام ۔مطلب عبارت کا یہ ہے کہ الف ولام کی دوقسمیں ہیں ایک الف ولام برائے تعریف جیسے الرجل میں (۲) الف ولام اسم موصولہ ہوتا ہے جیسے الذی اوراس کے اخوات (التی اوران دونوں کے تثنیہ وجمع) کے معنی میں لیکن ان کے اسم موصول ہونے کے لیے شرط یہ ہے کہ ان کا صلہ (مدخول) اسم فاعل واسم مفعول ہو جو کہ فعل کے ہم معنی ہوتے ہیں یعنی اسم فاعل فعل مضارع معروف کے معنی میں ہوتا ہے اور اسم مفعول فعل مضارع مجہول کے معنی میں ہوتا ہے۔اب رہی یہ بات کہ ان کے صلہ کے لیے اسم فاعل واسم مفعول ہونے کی شرط کیوں ہے جب یہ فعل کے ہم معنی ہوتے ہیں تو فعل ہی کو ان کا صلہ بنایا جاتا۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ در اصل الف ولام میں دو جہتیں ہیں اول یہ کہ اسم موصول ہونے کی حیثیت سے ان کا صلہ جملہ ہونا چاہئے اور دوسرے یہ کہ یہ مشابہت رکھتا ہے الف لام حرفی کے ساتھ اور وہ مفرد پر داخل ہوتا ہے جیسے الرجل میں تو اس مشابہت کی وجہ سے اس کو مفرد پر داخل ہونا چاہئے (چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو حکم مشبہ بہ کا ہوتا ہے وہی مشبہ کا بھی ہوتا ہے جیسے جو اسم مبنی اصل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے وہ بھی مبنی ہوتا ہے) تو اس کے ذو جہتیں ہونے کی وجہ سے اس کا صلہ بھی ذو جہتیں ہونا چاہئے۔اب ہم نے دیکھا کہ یہ دونوں ذو جہتیں ہیں کیونکہ معنی کے لحاظ سے جملہ ہوتے ہیں اور صورتاً مفرد اس لیے ان کا صلہ اسم فاعل واسم مفعول کو قرار دیا گیا۔

یَجُوزُ حَذْفُ الخ ۔مطلب یہ ہے کہ اسم موصول کے صلہ سے عائد کو اگر وہ عائد ترکیب میں مفعول واقع ہو تو اس کا حذف کرنا جائز ہے مگر یہ حذف صرف لفظ سے ہوگا نہ کہ معنی سے جیسے مصنفؒ کی دی ہوئی مثال قام الذی ضربت میں ہ ضمیر عائد کو حذف کیا ہوا ہے اصل عبارت تھی قَامَ الَّذِیْ ضَرَبْتُهٗ۔

فائدہ : الف ولام اسم موصول کے عائد کو حذف کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کی موصولیت میں خفاو پوشیدگی ہوتی ہے ضمیر عائد کے ذریعہ سے اس کی موصولیت کا علم ہو جاتا ہے اور اس کو اگر حذف کر دیا جائے تو اس کے موصول ہونے کا پتہ نہ چلے گا، اس لیے الف ولام کے عائد کو حذف کرنا جائز ہے۔ ایسے ہی اگر ضمیر منفصل ہو جو الا کے بعد واقع ہو جیسے اَلَّذِیْ مَا ضَرَبْتُ اِلَّا اِیَّاہُ تو ایسی صورت میں بھی حذف عائد نا جائز ہوگا اس لیے کہ اگر حذف کیا گیا تو ضمیر منفصل کے حذف کا علم نہ ہوگا چونکہ اس صورت میں یہ امکان رہے گا کہ الا سے قبل ضمیر متصل ہوگی جس کو حذف کر دیا گیا لہٰذا دریں صورت ضمیر منفصل کو لانے کی جو غرض تھی (حصول اور تخصیص) وہ فوت ہو جائے گی نیز مصنفؒ نے فرمایا کہ اگر عائد مفعول بہ ہو تو حذف جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر عائد فاعل ہو تو حذف نا جائز ہوگا نیز صاحب درایۃ النحو نے فرمایا ہے کہ عذر التقیید ضعیف والاولیٰ أن الحذف فیه أکثر فلا تخصیص ،یعنی کہ اگر عائد مفعول بہ ہو، تبھی حذف کر سکتے ہیں، یہ عذر ضعیف ہے، اکثر عائد کو حذف کر دیا جاتا ہے، چنانچہ عائد اگر مرفوع ہے تو اس کا حذف بھی جائز ہے شرط یہ ہے کہ وہ مرفوع مبتداء ہو۔ اور اس کی خبر نہ تو جملہ ہو اور نہ ہی ظرف ہو۔ نیز ایسے ہی مرفوع عائد کا حذف جائز ہے ایٌّ اسم موصول کے بعد نیز اگر صلہ طویل ہو جائے تب بھی حذف عائد جائز ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ وَهُوَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَفِی الْاَرْضِ اِلٰهٌ اس میں الذی اسم موصول ہے اور مابعد کا جملہ معطوفہ صلہ ہے مگر عائد محذوف ہے صلہ کے طویل ہونے کی وجہ سے نیز اگر عائد مجرور ہو تو اس کا حذف بھی جائز ہے، شرط یہ ہے کہ وہ متعین حرف جر کی وجہ سے مجرور ہو جیسے اَنَسجدُ لِمَا تَاْمُرُنَا کے بعد بہ عائد محذوف ہے۔

وَاعْلَمْ اَنَّ ایًّا وَ ایَّةً الخ۔ اِعلَمْ سے لفظ اَیٌّ وَاَیَّةٌ کے معرب ومبنی ہونے کے مقام کو بیان فرما رہے ہیں۔ اس کو آپ دلیل حصر کے ذریعہ بآسانی یوں سمجھ سکتے ہیں کہ یہ دونوں دو حال سے خالی نہیں مضاف ہو کر استعمال ہوں گے یا غیر مضاف ہو کر اگر مضاف ہو کر استعمال ہوں تو پھر دو حال سے خالی نہیں ان کا صدر صلہ مذکور ہوگا یا محذوف اگر محذوف ہو تو یہ دونوں مبنی علی الضم ہوں گے اور اگر مذکور ہو تو معرب اور اگر مضاف ہو کر استعمال نہ ہو تو خواہ صدر صلہ محذوف ہو یا مذکور دونوں صورتوں میں معرب ہوں گے تو گویا کہ:

تین صورتوں میں معرب اور ایک صورت میں مبنی اسی صورت کو مصنف نے ان الفاظ کی لڑی میں بیان فرمایا کہ یہ معرب ہوں گے مگر جب کہ ان کا صدر صلہ حذف کر دیا گیا ہو جیسے اللہ کے اس فرمان ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهم اَشَد علی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا تو اس ارشاد خداوندی میں ای اضافت کے ساتھ استعمال ہو رہا ہے اور صدر صلہ ہو محذوف ہے اس لیے ای مبنی علی الضم ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اس صورت میں مبنی علی الضم کیوں ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ صلہ کے ذریعہ سے موصول کی وضاحت ہو جاتی ہے، اور صلہ کے ایک جزء کو حذف کرنے

اس سے وضاحت میں کمی بیشی آ گئی، لیکن چونکہ ضمہ والی حرکت دے دی گئی تو ضمہ چونکہ حرکت قوی ہے اس کے ذریعہ سے وہ کمی دور ہوگئی، اس لیے دریں صورت مبنی علی الضم ہوگا۔ ترجمہ آیت پھر ہم کفار کے ہر گروہ میں سے ان لوگوں کو جدا کریں گے جو ان میں سے سب سے زیادہ اللہ سے سرکشی کیا کرتے تھے۔

فائدہ: صدر صلہ کی تحقیق صدر کے معنی آتے ہیں ہر چیز کا شروع۔ ہر چیز کا ٹکڑا، لہٰذا صدر صلہ کا مطلب ہوگا کہ صلہ کا شروع کا حصہ۔ صلہ کا ایک جزء۔ حل لغات آیت کریمہ: لَنَنْزِعَنَّ نَزَعَ يَنْزِعُ باب ضَرَبَ يَضْرِبُ سے، لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ معروف کا جمع متکلم کا صیغہ ہے بمعنی جدا کر دینا، شِيْعَة کہتے ہیں، لغت میں کسی خاص شخص خاص عقیدہ کے متبعین کو اس لیے یہ فرقہ اور جماعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے عِتِيًّا عَتَا يَعْتُوا عُتُوًّا عُتِيًّا عِتِيًّا باب نَصَرَ يَنْصُرُ کا مصدر ہے بمعنی تکبر کرنا۔ حد سے گذرنا۔ سرکشی کرنا، اس کی صفت آتی ہے عَاتٍ جمع عُتَاةٌ وَعُتِيٌّ۔

تمرین:

اسم موصول کی تعریف بیان فرمایئے (۲) جزء تام سے کیا مراد ہے (۳) صلہ میں عائد کا ہونا کیوں ضروری ہے (۴) اسماء موصولہ کون کون سے ہیں شمار کرایئے (۵) فَإِنَّ الماءَ ماءُ ابی وجَدّی الخ، شعر کا مطلب واضح کیجئے۔ (۶) صلہ سے عائد کا حذف کرنا کب جائز ہے (۷) صدر صلہ کا کیا مطلب ہے۔ مندرجہ ذیل جملوں کی ترکیب کیجئے، اور ذو وایٌّ وأيّةٌ کے معرب ومبنی ہونے کی شناخت کیجئے، اِتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنابَ إِلَيَّ (اس کے راستہ کی اتباع کیجئے جس نے میری طرف رجوع کیا) فَازَ الَّذِيْنَ سَعَوا فی الحياةِ الدُّنيَا، مَا أَتاكُم الرسولُ فخذوه جس کام کو کرنے کو رسول کہیں اس کو اپناؤ، رَأيتُ الفَائزَ فی امتِحانِه، دَرسُكَ ذُو حِفظتَه، نجحتُ الّتی خَافَت الآخرة، نُعيّن مُدرسًا اَيُّهم هو مَاهِرٌ. فَلْيَنظُرْ اَيُّها ازكٰى طَعاماً پھر دیکھے کون سا کھانا حلال ہے، فَتِّشْ ایُّ هو سارقٌ (تفتیش کیجئے چور کون سا ہے) وَبَّخْ ایَّ صاخِبٌ (ڈانٹ ڈپٹ کیجئے ان میں جو شور مچا رہا تھا)۔

فصل اسماءُ الافعَال هُوَ كُلُّ اسمٍ بمعنَى الامْرِ والماضِی نحو رُوَيْدَ زيداً ای اَمْهِلْهُ وهَيْهاتَ زيدٌ ای بُعدَ او كانَ علٰی وزنِ فَعَالِ بمعنی الامر وهو من الثلاثی قياسٌ كنزالِ بمعنی اِنْزِلْ وتَراكِ بمعنی اترُكْ ويلحق بهٖ فعالِ مصدراً معرفةً كفجار بمعنی الفجورِ او صفةً للمؤنَّثِ نحويا فساقِ بمعنٰی فاسقةٍ ويالكاعِ بمعنٰی لاكِعَةٍ او علماً للاعْيَان المؤنَّثَةِ كقَطامِ وَغُلاب وحضارِ وهٰذهِ الثلٰثةُ لَيْست من اَسماء الافعالِ وانما ذُكِرتْ هٰهنا للمناسبة.

مبنی کی چوتھی قسم اسماء افعال ہیں۔اسم فعل ہر وہ اسم ہے جو امر اور ماضی کے معنی میں ہو، جیسے رُوَیْدَ زَیْدًا اَمْهِلْ زَیْداً (مہلت دے تو زید کو) وَهَیْهَاتَ زَیْدٌ یعنی بَعُدَ زَیْدٌ (دور ہو گیا زید) یا اس فعال کے وزن پر ہو جو امر کے معنی میں ہو، اور وہ (یعنی فعال کا وزن) ثلاثی سے قیاسی ہے جیسا کہ نَزَالِ بمعنی اِنْزِلْ (اتر تو) اور تَرَاكِ بمعنی اُتْرُكْ (چھوڑ تو) اور لاحق کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ ایسے فعال کے وزن کو بھی جو مصدر معرفہ ہو جیسے فُجَّارِ اَلْفُجُوْر کے معنی میں یا وہ فعال کا وزن صفت ہو مؤنث کی جیسے یَا فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَةٌ (وہ عورت جو خدا کے حکم کی نافرمان ہو) اور یا لِكَاعِ بمعنی لَاكِعَةٍ (وہ عورت جو ذلیل اور کمینہ ہو اور خواہشات کی غلام ہو) یا وہ فعال کا وزن علم ہو اعیان (خاص) مؤنث کا جیسے قَطَامِ اور غلابِ (یہ دونوں خاص مؤنث کے نام ہیں) اور حضَارِ (یہ ایک ستارہ کا نام ہے) اور اخیر کے یہ تینوں فعال کے وزن اسماء افعال میں سے نہیں ہیں اس جگہ ان کو مناسبت کی وجہ سے ذکر کر دیا گیا۔

تشریح: مبنی کی قسم چہارم اسماء افعال ہے ان کے مبنی ہونے کی علت یہ ہے کہ ان میں سے بعض کی وضع حروف کی وضع کے مثل ہے جیسے عَلَیْكَ بمعنی اَلْزِمْ پھر جو باقی اسماء افعال ہیں، ان کو اس پر محمول کر لیا گیا اس وجہ سے تمام پر مبنی ہونے کا حکم لگا دیا، وَهُوَ كُلُّ اِسْمٍ الخ ۔ هُوَ ضمیر کا مرجع اسم ہے جو لفظ اسمائے افعال سے مفہوم ہو رہا ہے۔اب رہا یہ سوال کہ ہو ضمیر کا مرجع اسم کو کیوں قرار دیا اسماء کو کیوں نہیں؟

الجواب: وجہ یہ ہے کہ تعریف چونکہ جنس اور ماہیت کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کی کما سبق فی بحث الکلمة۔

تعریف اسم فعل، اسم فعل ہر وہ اسم ہے جو وضع کے لحاظ سے فعل امر کے معنی میں ہو یا فعل ماضی کے معنی میں ہو اول کی مثال جیسے رُوَیْدَ زَیْداً ای اَمْهِلْهُ اس میں روید اسم فعل ہے جو امہل کے معنی میں ہے بمعنی مہلت دے تو زید کو۔ثانی کی مثال جیسے هَیْهَاتَ زَیْدٌ ای بَعُدَ یعنی هَیْهَاتَ بعد فعل ماضی کے معنی میں ہے بمعنی زید دور ہوا۔

فائدہ : ہم نے تعریف کرتے وقت لفظ وضع کا اضافہ کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ اسم فعل کی تعریف میں زَیْدٌ ضَارِبٌ اَمْسِ داخل نہ ہو چونکہ ضارب اسم فاعل بھی اَمْسِ کے ساتھ مل کر فعل ماضی کے معنی دے رہا ہے تو گویا کہ یہ بھی اسم فعل ہوا، تو وضع کی قید لگانے سے یہ خارج ہو جائے گا چونکہ ضارب کی دلالت ماضی پر لفظ امس کی وجہ سے ہے نہ کہ باعتبار وضع کے۔

فائدۂ ثانیہ : اسماء افعال جتنے بھی ہیں یا تو مصادر اصلیہ سے منقول ہوں گے پھر نقل خواہ صریح ہو یا غیر صریح ہو، نقل صریح کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مصدری معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے رُوَیْد یہ اسم فعل ہے امہل امر کے معنی میں ہے لیکن اس کا استعمال اپنے مصدر کے معنی میں بھی ہوتا ہے، جیسے اَمْهِلْهُمْ رُوَیْدًا (سورة

اطلاق) میں رویداً مصدر ہے اور امہل فعل کا مفعول مطلق ہے۔ اور نقل غیر صریح کا مطلب یہ ہے کہ مصدری معنی میں اس کا استعمال بالکل نہ ہوتا ہو جیسے هَيْهَاتَ یہ اسم فعل بعد ماضی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر مصدر کے معنی میں استعمال نہیں ہوتا هَيْهَاتَ قَوْقَاتَ کے وزن پر ہے، جو قوقی کا مصدر ہے بمعنی مرغی کا آواز کرنا۔ اور کچھ اسماء افعال ایسے ہیں جو ایسے مصادر سے منقول ہیں جو اصل میں صَوْتٌ ہیں جیسے صَهٍ کہ اصل میں یہ ایک صوت (آواز) ہے پھر معنی مصدری یعنی سکوت (خاموشی) کی طرف نقل کرلیا گیا پھر سکوت سے اسکت امر کی جانب نقل کیا گیا۔ اور کچھ اسماء افعال ایسے ہوں گے جو ظرف یا جار مجرور سے منقول ہوتے ہیں جیسے اَمَامَكَ یہ ظرف ہے بعد میں تقدم (آگے بڑھ) امر کے معنی کی طرف نقل کرلیا گیا۔ ایسے ہی عليك یہ جار مجرور ہے بعد میں الزم (لازم پکڑتو) امر کے معنی میں نقل کرلیا گیا۔

استاذ محترم! آپ نے ماقبل کی بحث میں اب تک یہ ثابت کیا کہ اسم فعل صرف فعل ماضی اور فعل امر کے معنی میں ہوتا ہے حالانکہ حسب ہدایت آنجناب سبق پڑھنے سے قبل ہم نے مطالعہ کیا تو حاشیہ پر جو نظر پڑی اس میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ گاہے گاہے اسم فعل مضارع کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے اُفّ بمعنی اَتَضَجَّرَ اور اُوْهُ بمعنی اَتَوَجَّعَ لہٰذا آپ کا ماضی وامر میں حصر کرنا صحیح نہیں۔

الجواب: عزیزم اصل بات یہ ہے کہ یہ دونوں تَضَجَّرْتُ (یعنی میں تنگ دل ہوا) اور تَوَجَّعْتُ (مجھے درد ہوا) ماضی کے صیغہ تھے جن میں انشاء کے معنی تھے بعد میں ان کو مضارع حالی سے تعبیر کیا گیا لہٰذا فلا اشکال علیه۔

او كانَ علٰى وزنِ فَعَالِ بمعنى الامر ۔ بمعنی الامر جار مجرور کائن کے متعلق ہوکر فعال کی صفت ہیں اب مطلب عبارت کا یہ ہوگا یا ہو اسم فعل فعال کے وزن پر جو امر کے معنی میں ہے تو یہ اسم فعل بھی فعال بمعنی الامر کے ہموزن ہونے کی وجہ سے مبنی ہوگا اور وہ فعال جو امر کے معنی میں ہے ثلاثی مجرد سے قیاسی ہے یعنی اگر فعل ثلاثی مجرد ہے تو اس سے اس فعال کا مشتق کرنا صحیح ہے جو امر کے معنی میں ہے، جیسے نزال بمعنی اِنزِل (اترتو) اور تراك بمعنی اترك (چھوڑتو) اور ضَرَابِ بمعنی اِضرِب (مارتو) اور كتاب بمعنی اُكتُب (لکھ تو) وغیرہ وغیرہ اور اگر فعل غیر ثلاثی مجرد ہے تو اس سے اس فعال کا وزن سماع پر موقوف ہے قیاس کو کوئی دخل نہیں جیسے قَرقَار بمعنی صَوت جو کہ تَصوِيتٌ سے مشتق ہے (آواز دینا) بعض لوگ، ں نے ک؟ ڑک کی آواز کی حکایت کو قرقار کہا ہے، اور جیسے عَرعَارِ بمعنی تَلاعَبُوا اَيُّهَا الصِّبيان بالعَرعَرَة (کھیلو تم اے بچو اپنے بچوں والے کھیل سے)۔

وَيُلحَقُ بِهٖ الخ ۔ اس میں مَصدراً معرِفَةً حال ہے فعال سے مطلب یہ ہے کہ لاحق کیا جاتا ہے فعال بمعنی الامر کے ساتھ مبنی ہونے میں اس فعال کو جو مصدر معرفہ ہو جیسے فَجَارِ الفُجُورِ کے معنی میں اَلفُجُور کہتے

یعنی اس عورت کو جو علانیہ گناہ کرے او صفةٌ لِلمؤنَّث اس کا عطف ہے مصدراً کے اوپر مطلب یہ ہے کہ لاحق کیا جاتا ہے فعال بمعنی الامر کے ساتھ اس فعال کو بھی جو کہ صفت ہے مؤنث کی جیسے یَا فَسَاقِ بمعنی فَاسِقَة (اللہ کے حکم کی نافرمان عورت) وَیَالَکَاعِ بمعنی لَاکِعَةٍ (ذلیل اور کمینی عورت ،نفسانی خواہشات کی غلام عورت) تو یہ دونوں امثلہ مؤنث کی صفت ہیں۔

أو علماً الخ۔ اس کا عطف ہے صفة کے اوپر اور لِلاعْیَانِ جار مجرور کائنا کے متعلق ہو کر صفت ہے عِلماً کی اور موناً بھی علما کی صفت ثانیہ ہے اور للأعیان کے اوپر جو الف ولام ہے وہ جنسی ہے جس سے جمعیة کے معنی باطل ہو گئے ،اب مطلب یہ ہوگا علمًا لِلعَیْن المُؤنث المعنوی یعنی لاحق کیا جاتا ہے اس کے ساتھ اس فعال کو بھی جو خاص تانیث معنوی کا علم ہو جیسے قطام و غلاب یہ دونوں مؤنث کے نام ہیں عرب میں اور جیسے حضار یہ ایک ستارہ کا نام ہے۔

وهٰذِهِ الثَّلٰثَة الخ ۔مطلب یہ ہے کہ یہ تینوں یعنی وہ فعال جو مصدر معرفہ ہو اور وہ فعال جو صفت ہو مونث کی اور وہ فعال جو عین مؤنث کا علم ہو ان تینوں کا تعلق اسماء افعال سے نہیں ہے لیکن چونکہ ان کو فَعَالِ بمعنی الامر کے ساتھ عدل اور وزن میں مشابہت ہے تو اسی مناسبت کی وجہ سے مبنی ہونے میں فعال بمعنی الامر کے ساتھ لاحق کر کے یہاں بیان کر دیا گیا۔

تمرین:

اسماء افعال کی تعریف بیان کیجئے ،ساتھ ہی بنی ہونے کی علت بھی بیان کیجئے ،(۲) وہ اسماء جو فعال کے وزن پر آتے ہیں ان کا حکم بیان کیجئے۔

فصل الاصواتُ كُلُّ لفظٍ حُكِيَ بِهٖ صوتٌ كغَاقِ لصَوتِ الغراب او صُوِّت بهِ البَهَائمُ كنَخّ لا ناخةِ البعيرِ.

ترجمہ: پانچویں فصل ہے اسماء اصوات کے بیان میں اسم صوت ہر وہ لفظ ہے کہ جس کے ذریعہ سے آواز کی نقالی کی جائے جیسے غاق کوّے کی آواز کے لیے یا اسم صوت وہ لفظ ہے کہ جس کے ذریعہ چوپاؤں کو آواز لگائی جائے جیسا کہ نخ کہتے ہیں اونٹ کو بٹھانے کے لیے۔

تشریح : مبنی کی پانچویں قسم ہے اسماء اصوات ان کے مبنی ہونے کی علت یہ ہے کہ ان اسماء کے قائم مقام ہوتے ہیں جو ترکیب میں واقع نہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہوتے ہیں مگر اس پر یہ سوال واقع ہوتا ہے کہ اسماء اصوات ترکیب کے وقت معرب کیوں نہیں ہوتے جب کہ حروف کے اسماء جیسا با، تا، ثا وغیرہ یہ ترکیب کے وقت معرب ہو جاتے ہیں۔

الجواب: اسماء حروف جیسے با، تا، ثا، اور رجل وغیرہ تو چونکہ یہ اپنے مسمیٰ ب، ت، ث، اور ذات رجل وغیرہ کے لیے وضع کئے گئے ہیں، اس واسطے ترکیب کے وقت معرب ہوتے ہیں، برخلاف اسماء اصوات کے کہ ان سے ترکیب کے وقت مسمی کا قصد کیا ہی نہیں جاتا بلکہ آواز کی حکایت اور نقالی مقصود ہوتی ہے اس لیے یہ دونوں حال میں مبنی ہوتے ہیں۔

کُلُّ لَفظ الخ: یعنی اسم صوت وہ لفظ ہے کہ جس کے ذریعہ سے کسی آواز کی نقل اتاری جائے خواہ آواز حیوانات (جانداروں) کی ہو یا جمادات کی یعنی پتھر وغیرہ کی جیسے غاق یہ کوّے کی آواز ہے تو کوئی انسان کوے کی آواز کی طرح غاق غاق کرنے لگے یا جیسے مرغا آواز لگاتا ہے ککڑوں کوں ایسی ہی آواز بنا کر انسان بھی کرنے لگے خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کسی کی آواز کے نقل کرنے کو اسم صوت کہتے ہیں۔

اَوْ صُوّتَ بِهِ الخ: یا اسم صوت کہتے ہیں اس لفظ کو کہ جس کے ذریعہ سے مثلاً بہائم یعنی چوپائے وغیرہ کو آواز لگائی جائے جیسے جب اونٹ کو بٹھانا مقصود ہوتا ہے تو اہل عرب نخ کہتے ہیں تو اونٹ بیٹھ جاتا ہے یا جیسے کاشت کار لوگ ہل چلاتے وقت بیلوں کو برَبَر کرتے ہیں (بزبان سہارنپور) تو اس سے بیل تیز چلنے لگتے ہیں، یا جیسے کبوتر باز کبوتروں کو اڑانے کے وقت شی شی کی آواز لگاتے ہیں تو کبوتر اُڑنے لگتے ہیں، تو خلاصہ یہ ہے کہ جس لفظ کے ذریعہ کسی کو آواز لگائی جائے اس کو بھی اسم صوت کہتے ہیں۔

تمرین:

اسماء اصوات کی تعریف مع امثلہ بیان کیجئے (۲) مبنی ہونے کی علت کیا ہے وہ بھی بیان کیجئے۔

فصل المركباتُ

كلُّ اسمٍ رُكِّب من كلمتَين ليسَتْ بينهُما نِسْبةٌ فان تضمَّنَ الثانى حرفًا يجبُ بناؤُهُما على الفتحِ كاحَدَ عَشَرَ الى تِسْعة عَشَر الا اثنى عشر فانها معربةٌ كالمثنّٰى وان لم يتضمن ذلک ففيها لغاتٌ افصحُهَا بناء الاولِ على الفتح واعرابُ الثانى غيرَ مُنصرف كبَعَلُبَکَّ نحو جاء نى بعلبكُّ ورأيتُ بعلبکَّ و مررتُ ببعلبَکَّ.

ترجمه: فصل ششم ہے مرکبات کے بیان میں مرکب ہر وہ اسم ہے جو ایسے دو کلموں سے ملایا گیا ہو کہ جن کے درمیان نسبت نہ ہو پس اگر اسم ثانی کسی حرف کو متضمن ہو تو دونوں اسموں کا مبنی برفتحہ ہونا واجب ہے جیسے اَحَدَ عَشَرَ سے تِسْعَةَ عَشَرَ تک (کہ ان میں جزء ثانی عَشَرَ واو حرف عطف کو متضمن ہے) سوائے اِثْنَا عَشَر کے کہ یہ معرب ہے جیسا کہ تثنیہ معرب ہوتا ہے اور اگر جزء ثانی کسی حرف (حرف عطف) کو متضمن نہ ہو تو اس میں

کئی لغات ہیں، مگران میں سب سے زیادہ فصیح اول کا مبنی برفتحہ ہونا ہےاوردوسرے جزء کا معرب غیر منصرف ہونا ہے بَعلَبَکَّ جیسے جاء نی بَعلَبَکَّ وَرَأیتُ بَعلَبَکَّ وَمَرَرتُ بِبَعلَبَکَّ۔

تشریح : مرکبات کے اندرالف لام جنسی ہے جس سے جمعیت کے معنی باطل ہوگئے، اس لیے اصل عبارت ہوگی المرکب کل اسم (۲) یہ بھی احتمال ہے کہ لام عہد کا ہو اب تقدیری عبارت ہوگی هذا فصل المرکبات المذکورة فی حصر المبنیات یعنی یہ فصل ان ہی مرکبات کے بیان میں ہے، جن کا مبنیات کی اقسام ثمانیہ کے اندر ذکر آچکا ہے اور مصنف کی عبارت میں کل اسم مبتداء اس کی خبر مرکب محذوف ہے اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا ہر وہ اسم جو ایسے دوکلموں سے مرکب ہو، جن میں بالکل نسبت نہ ہو یعنی نسبت نہ تو فی الحال ہو اور نہ قبل الترکیب ہو ایسا اسم مرکب کہلاتا ہے۔

فائدہ: مصنفؒ نے مرکب کی تعریف میں کلمتین کہا نہ کہ اسمین اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ اس میں لفظ کلمتین بخت نصر اور سیبو یہ کو شامل ہوجائے کیونکہ بخت نصر میں جزء ثانی فعل ہے اور سیبو یہ میں جزء ثانی صوت ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم نے یہ جو کہا کہ ان کے درمیان نسبت نہ ہو اس سے مراد یہ ہے کہ نہ تو نسبت اسنادی ہو اس لیے کہ ترکیب اسنادی بھی اگرچہ علم ہونے کی حالت میں مبنی ہوتی ہے مگر اس میں بناء کا سبب ترکیب نہیں ہے، بلکہ جملہ ہونا ہے، جیسے تَابَّطَ شَرًّا میں۔ ایسے ہی نہ نسبت اضافی ہو جیسے عبداللہ، وجہ اس کی یہ ہے کہ نسبت اضافی معرب ہوتی ہے اور ہماری بحث مبنی سے ہے۔

فان تضَمَّنَ الثانی حرفًا الخ۔ یہ فاء تفصیلیہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر مرکب کا دوسرا جزء کسی حرف (حرف عطف) کو متضمن ہو تو دونوں جزؤں کا مبنی برفتحہ ہونا ضروری ہے جزء اول اس وجہ سے مبنی ہوتا ہے کہ وہ ترکیب کی وجہ سے وسط کلمہ میں واقع ہوتا ہے اور وسط کلمہ محل اعراب نہیں ہوتا بلکہ محل اعراب حرف اخیر ہوا کرتا ہے اور جزء ثانی اس لیے مبنی ہے کہ وہ حرف کو متضمن ہے اور حروف مبنی ہوتے ہیں لہٰذا جو حروف کو متضمن ہو وہ بھی مبنی ہوگا جیسے احد عشر سے لے کر تسعۃ عشر تک کے اعداد کہ یہ اصل میں احدٌ وعشر تسعة وعشرٌ تھے واؤ حرف عطف کو دو اسموں کو ملانے اور مرکب کرنے کی وجہ سے حذف کردیا گیا ہاں البتہ ان میں سے اثنا عشر یا اس کا مؤنث اثـنـتـا عشرة اس کا جزء اول معرب ہے جیسا کہ تثنیہ معرب ہوتا ہے جزء اول کے معرب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو تثنیہ کے ساتھ مشابہت حاصل ہے نون کے حذف ہونے میں اس طور پر کہ تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے حذف ہوجاتا ہے اور اس کا جو نون ہے وہ بھی ترکیب کے وقت حذف ہوجاتا ہے اور اضافت مانع بناء ہے لہٰذا اُس کو معرب کا حکم دیا گیا اور اس کا جزء ثانی مبنی ہوتا ہے حرف عطف کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔

فائدہ: اس مرکب کا نام مرکب بنائی ہے۔

وَاِنْ لَمْ يَتَضَمَّنْ ذٰلِکَ الخ۔ اور اگر جزء ثانی کسی حرف کو شامل نہ ہوتو اس کلمہ کے معرب ومبنی ہونے میں بہت سے اقوال ہیں (۱) اول یہ کہ دونوں جزء معرب ہوں گے اور اول جزء ثانی کی طرف مضاف ہوگا لہٰذا اول کا اعراب حسب عوامل مختلف ہوگا حالت رفعی میں ضمہ اور نصبی میں فتحہ اور جری میں کسرہ اور جزء ثانی غیر منصرف ہوگا (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ دونوں جزء معرب تو ہوں گے مگر ساتھ ہی ساتھ منصرف بھی ہوں گے اول مضاف ہوگا ثانی کی طرف لہٰذا جزء اول کا رفع ضمہ کے ساتھ اور نصب فتحہ کے ساتھ اور جر کسرہ کے ساتھ اور جزء ثانی کے اخیر میں جر اور تیوین آئے گی تمام احوال میں (۳) تیسرا اقوال اور یہی قول افصح بھی ہے یہ ہے کہ جزء اول مبنی برفتحہ ہوگا اور وجہ مبنی ہونے کی یہ ہے کہ ترکیب کی وجہ سے جزء اول وسط کلمہ میں واقع ہورہا ہے اور وسط محل اعراب نہیں ہوتا واعـــراب الثـانـی غیـر منصـرب اور جزء ثانی معرب ہوگا اور وجہ معرب ہونے کی یہ ہے کہ یہاں مبنی ہونے کی کوئی علت موجود نہیں اور ویسے بھی اسماء میں اصل اعراب ہے اور یہ معرب غیر منصرف ہوگا دو سبب کے پائے جانے کی وجہ سے ایک علمیت دوم ترکیب جیسے بعلبک یہ ایک شہر کا نام ہے جو ملک شام میں واقع ہے، یہ لفظ بعل بمعنی بت اور بک (نام ایک شہر کا) سے مرکب ہے، اور اس مرکب کا نام مرکب منع صرف ہے۔ یہاں پہنچ کر طلبۂ عزیز یہ یاد رکھیں کہ مرکب اضافی کو چھوڑ کر جتنے بھی نام ہیں تقریباً سبھی اسی مرکب کی قسم سے ہیں جیسے نسیم احمد، فہیم احمد، محمد کامل، محمد علی، علی حسن، حسین احمد، راشد خاں وغیرہ وغیرہ یہ سب مرکب منع صرف میں داخل ہیں لہٰذا جب ان اسماء کے ذریعہ سے جملہ بنائیں تو یہ ضرور یاد رکھیں کہ جزء اول مبنی برفتحہ اور جزء ثانی غیر منصرف جیسے جَاءَ نِیْ مُحَمَّدَ اَحْمَدُ وَرَأَيْتُ مَحَمَّدَ احمدَ، وَمَرَرْتُ بِمُحَمَّدَ احمدَ ایسے ہی هٰذَا نَسِيْمَ اَحْمَدُ، وَرَأَيْتُ نَسِيْمَ اَحْمَدَ وَمَرَرْتُ بِنَسِيْمَ اَحْمَدَ۔

تمرین:

اسمائے مرکبہ کی تعریف بیان کیجئے (۲) مرکب بنائی اور مرکب منع صرف کی کیا تعریف ہے مع امثلہ بیان کیجئے۔

فصلٌ الكنايات

هی اسـمـاءٌ تـدُلّ عـلـى عـدد مبهـم وهى كم وكذا وحَدِيثٍ مبهم وهو كَيَتَ وذَيْـتَ واعـلـم اَنَّ كـم على قسمَيْن استفهامِيةٌ وما بعدَهَا مَنصوبٌ مفردٌ على التمِييز نحو كَمْ رجُلًا عندَکَ وخبرِيّةٌ وما بعدَهَا مجرورٌ مفردٌ نحو كم مالٍ انفقتهٗ او مجموعٌ نـحـو كـم رجالٍ لقيتَهُمْ ومعناهُ التكثيرُ وتدخُلُ من فيها تقول كم من رجُلٍ لقيتَه وكم

مِن مالٍ انفقتہٗ وقد یُحذَفُ التّمییز لقیامِ قرینۃٍ نحو کم مالُکَ ای کم دیناراً مالُکَ وکم ضربتُ ای کم ضربۃٍ ضرَبْتُ.

ترجمہ: اسماء کنایات وہ اسماء ہیں جو عدد مبہم پر دلالت کریں اور عدد مبہم کَمْ اور کَذَا ہیں۔ یا وہ اسماء کنایات دلالت کریں مبہم گفتگو پر اور وہ کَیتَ اور ذَیتَ ہیں اور جان تو کہ کم کی دو قسمیں ہیں (۱) کم استفہامیہ اور اس کا مابعد مفرد (منصوب ہوتا ہے تمیز کی بنا پر جیسے کَمْ رَجُلًا عِنْدَكَ (تیرے پاس کتنے مرد ہیں) (۲) کم خبریہ اور اس کا کا مابعد مفرد مجرور ہوتا ہے جیسے کَمْ مالٍ اَنفَقْتَ (میں نے بہت سامال خرچ کیا) یا کم خبریہ کی تمیز جمع مجرور ہوتی ہے جیسے کَمْ رِجالٍ لَقِیْتَهُمْ (تو نے بہت سے مردوں سے ملاقات کی) اور کم خبریہ کے معنی تکثیر کے ہیں اور داخل ہوتا ہے مِنْ (بیانیہ) ان دونوں کے اندر جیسے تو کہے کَمْ مِنْ رَجلٍ لَقِیْتَهٗ (تو نے کتنے مردوں سے ملاقات کی) وَكَمْ مِنْ مَال أَنْفَقْتَهٗ (تو نے بہت سامال خرچ کیا) اور کبھی حذف کر دی جاتی ہے تمیز دونوں کی قیام قرینہ کی وجہ سے جیسے کَمْ مالُكَ ای كَمْ دِیناراً مَالُكَ (تیرا مال کتنے دینار ہیں) وَكَمْ ضربْتُ ای کم ضربۃٍ ضَربْتُ (میں نے بہت مارا)۔

تشریح: مبنی کی ساتویں قسم اسماء کنایات ہیں ان کے مبنی ہونے کی علت یہ ہے کہ اسماء کنایات میں سے کم استفہامیہ تو ہمزۂ استفہام کو متضمن ہے اور ہمزۂ استفہامیہ مبنی اصل ہے لہٰذا اس کو جو متضمن ہوگا وہ بھی مبنی ہوگا اور کم خبریہ محمول ہے کم استفہامیہ پر اور لفظ کذا اس وجہ سے مبنی ہے کہ وہ کاف اور ذا مبنی سے مرکب ہے اور کیت وذیت چونکہ جملہ کے قائم مقام ہیں اور جملہ مبنی ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی مبنی ہوں گے ہاں ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ تمام اسماء کنایات مبنی نہیں ہوتے، بلکہ بعض معرب بھی ہوتے ہیں جیسے فلانٌ وفلانۃ کہ یہ دونوں علم کے کنایہ کے لیے آتے ہیں، لہٰذا ہم اس فصل میں ان اسماء کنایات کو بیان کریں گے جو مبنی ہوتے ہیں۔

ھی اسماءٌ الخ۔ کنایات کنایۃ کی جمع ہے کنایہ کے لغوی معنی آتے ہیں اشارہ کرنا اصطلاحی تعریف خود مصنف بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اسماء کنایات ان اسماء کو کہتے ہیں کہ جن کے ذریعہ سے مبہم عدد کو بیان کیا جائے یا جن کے ذریعہ سے گول مول بات چیت کی جائے تا کہ سامعین مجلس مقاصد پر مطلع نہ ہوں عدد مبہم عدد کی تین قسمیں ہوتی ہیں (۱) عدد قلیل (۲) عدد کثیر (۳) عدد متوسط۔ عدد قلیل کہتے ہیں ایک سے دس تک کے اعداد کو اور عدد کثیر کہتے ہیں سو سے اوپر تک کے اعداد کو اور متوسط گیارہ سے ننانوے تک کے اعداد کو۔

وھی کم وکذا۔ اور عدد مبہم کے لیے دو لفظ آتے ہیں (۱) کَمْ (بمعنی کتنا بہت سا) (۲) کَذَا (بمعنی اتنا) اور مبہم گفتگو کے لیے بھی دو لفظ آتے ہیں کَیْتَ وَذَیْتَ (بمعنی چنیں و چناں ایسا و یسا) مگر یہ یاد رہے کہ دونوں ساتھ ساتھ استعمال ہوتے ہیں حرف عطف کے ساتھ ان دونوں کو بفتح التاء وضمھا وکسر ھا تینوں طرح

بھی پڑھا گیا ہے کَیْتِ وَذَیْتِ۔

واعلم اَنَّ کم علیٰ قسمَین ۔ کم کی دوقسمیں ہیں(۱) کَمْ استفہامیہ(۲)کَمْ خبریہ۔کَمْ استفہامیہ کہتے ہیں اس کو جو استفہام پر دلالت کرے، وما بعدھا منصوبٌ الخ اور کم استفہامیہ کا مابعد تمیز کی بناء پر مفرد منصوب ہوتا ہے۔رہی یہ بات کہ اس کی تمیز مفرد منصوب کیوں ہوتی ہے،سواس کی وجہ یہ ہے کہ کَمْ استفہامیہ کو محمول کیا گیا ہے عددِ متوسط پر اور عدد متوسط (احد عشر تا تسعة وتسعین) کی تمیز مفرد منصوب ہوتی ہے اس لیے اس کی تمیز بھی مفرد منصوب ہوتی ہے جیسے کَمْ رَجُلًا عِندَكَ وخبرِيَّة الخ دوسرا کم خبریہ ہے(جو خبر پر دلالت کرے)اور کم خبریہ کا مابعد یا تو مفرد مجرور ہوتا ہے جیسے کَمْ مَالٍ اَنْفَقْتُهُ(میں نے بہت سا مال خرچ کر دیا)یا اس کا مابعد مجموع مجرور ہوتا ہے جیسے کَمْ رِجَالٍ لَقِيْتَهُم (تو نے بہت سے مردوں سے ملاقات کی) کم خبریہ کی تمیز کبھی مفرد مجرور کبھی مجموع مجرور اس وجہ سے ہوتی ہے کہ کم خبریہ چونکہ کثرت کے معنی دیتا ہے تو یہ مشابہ ھوا مأة والف کے چونکہ یہ دونوں صراحتاً عدد کثیر ہیں تو جب کم خبریہ ان کے مشابہ ہوا اور ان کی تمیز مفرد مجرور ہوتی ہے جیسے مِأةِ رجُلٍ اَلف کِتَابٍ تو اس کی تمیز بھی مفرد مجرور ہوگی۔اور اس کی تمیز مجموع مجرور اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اگرچہ کم تکثیر کے معنی دیتا ہے مگر تصریح کثیرة میں عدد صریح الکثیرة کی مانند نہیں ہے یعنی جیسے عدد کثیر مآة والف اپنے معنی پر صراحتاً دلالت کرتے ہیں کہ مأة ایک سو پر اور الف ایک ہزار پر، ویسے کم خبریہ اپنے عدد کثیر کی صراحت پر دلالت نہیں کرتے لہٰذا مشابہت صرف عدد کثرت میں ہوئی نہ کہ صراحت میں اس لیے اس کو عدد قلیل پر محمول کرتے ہوئے مجموع مجرور لائیں گے۔ومعناہ التکثیر،اور کم خبریہ کے معنی انشاء تکثیر کے ہیں یعنی یہ اپنی تمیز کے اندر کثرت کے معنی پیدا کرتا ہے۔

فائدہ :اس عبارت پر ایک سوال یہ پیدا ہوگا کہ جب یہ کم خبریہ ہے تو اس کے معنی انشاء تکثیر کے کیسے ہوجائیں گے اس لیے کہ خبر اور انشاء کے درمیان تو تضاد ہے۔**الجواب**:خبر اور انشاء کے درمیان اس جگہ جہت کے مختلف ہونے کی وجہ سے منافات نہیں ہے،اس لیے کہ مثلاً کم رجلا ضربت خبر ہے بہت سے مردوں کو مارنے کی وجہ سے اور انشاء ہے ضرب کے کثیر ہونے کی وجہ سے تو جہت مختلف ہوگئی،لہٰذا فلا اشکال علیہ۔

وتدخلُ منْ فِيهِمَا : اور کبھی کبھی کم استفہامیہ وخبریہ دونوں کی تمیز پر کلمۂ من داخل ہوجاتا ہے جوازی طور پر اس صورت میں ان دونوں کی تمیز مجرور ہوگی جیسے کم من رجل لقیتہ (من الاستفھامیة) وکم من مال انفقتہ (فی الخبریة)۔

فائدہ: کم کی تمیز پر کلمۂ مِنْ کے داخل ہونے نہ ہونے کا جواز اس صورت میں ہے جب کہ کم اور اس کی تمیز کے درمیان فعل متعدی کا فصل نہ ہو ورنہ تو اگر فعل متعدی کا فصل واقع ہوگا تو کلمہ من کا دخول واجب ہوگا کیونکہ

کے داخل نہ ہونے کی صورت میں یہ اشتباہ رہے گا کہ آیا یہ کم کی تمیز ہے یا فعل کا مفعول ہے جیسے کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ وَكَمْ اٰتَيْنَاهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ، وَقَدْ يُحذفُ التَّمِيْز ،اور کم کی تمیز کو حذف کرنا بھی جائز ہے کم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ جب کہ قرینہ محذوف کی تعین پر دلالت کر رہا ہو، جیسے کَمْ مَالك ای کم دیناراً مالك یہ کَمْ استفہامیہ کی تمیز کے محذوف ہونے کی مثال ہے، اس میں قرینہ یہ ہے کہ کم استفہامیہ کے مابعد اسم مرفوع ہو رہا ہے جب کہ اس کی تمیز مفرد (غیر مضاف) منصوب ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ تمیز محذوف ہے وَكَمْ ضَرَبْت اَیْ كَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ ۔ یہ کم خبریہ کی تمیز کے محذوف ہونے کی مثال ہے اس میں قرینہ یہ ہے کہ کم ہمیشہ اسم پر داخل ہوتا ہے یہاں فعل پر داخل ہو رہا ہے معلوم ہوا کہ تمیز محذوف ہے۔مثال میں ضَرْبَةٍ تمیز ضَرَبْت فعل کا مفعول مطلق ہے جو ضرب کے عدد کثیر کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

واعلم انَّ كم في الوَجْهَين يَقَعُ منصُوباً اذا كان بعدَهٗ فعلٌ غيرُ مشتغِل عَنْهُ بضميره نحو كم رجلاً ضربت و كم غلامٍ ملَكتُ مفعولاً به ونحو كم ضربةً ضربتَ وكم ضربةٍ ضربتُ مصدراً وكم يوماً سرتَ وكم يوماً صمتُ مفعولا فيه وَمجروراً اذا كان قبلَهٗ حَرفُ جَرٍ او مضافٌ نحو بكَمْ رجُلًا مررتَ وعَلٰى كم رجُلٍ حكمتُ وغلامَ كم رجُلًا ضربتَ ومالَ كم رجُلٍ سَلَبْتُ ومرفوعًا اذَا لم يكُن شيئاً من الأمرين مبتدأ ان لم يكُن ظرفاً نحو كم رجُلًا اخوكَ وَكم رجُلٍ ضربتُهٗ وخبَرا ان كان ظرفاً نحو كم يوماً سَفرُكَ وكم شهر صَومِى.

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ کم دونوں صورتوں میں (فی الاستفهام والخبر) منصوب واقع ہوتا ہے (باعتبار محل کے) جب کہ ہو اس کے بعد ایسا فعل یا شبہ فعل جو اعراض نہ کر رہا ہو اس سے اس کی ضمیر یا متعلق کی وجہ سے جیسے كم رجُلًا ضَرَبْتُ وَكَمْ غُلامٍ مَلَكتُ، ان دونوں مثالوں میں کم مفعول بہ واقع ہو رہا ہے اور جیسے كَمْ ضَرْبَةً ضَرَبْتَ وَكَمْ ضَرْبَةٍ ضَرَبْتُ ان دونوں مثالوں میں مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور كَمْ يَوْمًا سِرْتَ وَكَمْ يَوْمًا صُمْتُ ان دونوں مثالوں میں مفعول فیہ واقع ہو رہا ہے، اور کبھی کم دونوں صورتوں میں (فی الاستفہام والخبر) مجرور واقع ہوتا ہے جب کہ اس سے قبل حرف جر یا مضاف ہو جیسے بِكَمْ رَجُلًا مَرَرْتُ وعَلٰى كَمْ رَجلٍ حكَمْتُ وَغُلامَ كَمْ رَجلًا ضَرَبْتَ ومَالُ كَمْ رَجُلٍ سَلَبْتُ (ان سب مثالوں میں کَمْ محلاً مجرور ہے) اور مرفوع ہوگا جب کہ مذکورہ دونوں امروں (منصوب ومجرور) میں سے کوئی نہ ہو مبتداء ہونے کی وجہ سے اگر کم ترکیب میں ظرف واقع نہ ہو (چونکہ مبتداء کی تعریف اس پر صادق آتی ہے) جیسے كَمْ رَجُلًا أَخُوكَ وَكَمْ رَجلٍ ضَرَبْتُهٗ اور خبر واقع ہوگا اگر ظرف واقع ہو جیسے كَمْ يَوْمًا سَفَرُكَ وَكَمْ شَهرٍ صَوْمِى۔

تشریح: واعلَم اَنَّ کمُ فِی الوَجھَین الخ: اب تک بیان تھا کم کے مابعد کے منصوب و مجرور ہونے کا اب یہاں بیان ہے اس بات کا کہ خود لفظ کـم ترکیب میں کیا واقع ہوگا، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کـم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ، دونوں صورتوں میں باعتبار محل کے (نہ کہ باعتبار لفظ کے) منصوب بھی ہوتا ہے اور مجرور، و مرفوع بھی، منصوب ہوگا اس صورت میں جب کہ کـم کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو جو کـم میں اس کی ضمیر یا متعلق میں عمل کرنے کی وجہ سے اعراض نہ کر رہا ہو، یعنی اس کی ضمیر یا متعلق میں بھی عمل کرتا ہے اور کم میں بھی عمل کرتا ہے جیسے کَمُ رَجُلًا ضَربُتُ یہ مثال ہے کم استفہامیہ کی وَکَمُ غُلَام مَلکتُ یہ مثال ہے کم خبریہ کی۔ان دونوں مثالوں میں ضَـرَبُتُ وَ مَلکت فعل کم میں عمل کر رہے ہیں باوجود اس کی ضمیر میں عمل کرنے کے جس کو فضلہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

مفعولا بـه: خبر ہے یکون فعل محذوف کی ایسے ہی آگے لفظ مصدراً اور مفعولاً فیہ اور مبتداء وخبراً یہ سب مفعولاً بہ پر معطوف ہو کر یکون کی خبر ہیں، اب عبارت ہوگی ویکـون کم فی هذین المثالین یعنی کم مذکورہ دونوں مثالوں میں مفعول بہ ہے اور جیسے کـم ضربة ضربت وکم ضربة ضربت ان دونوں مثالوں میں کم مصدر ہے یعنی مفعول مطلق ہے جس کی بناء پر یہ مصنوب ہے۔اور جیسے کـم یـومـا سرت وکم یوما صمت ان دونوں مثالوں میں کم مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

ومـجروراً الخ: اور کم محلاً مجرور واقع ہوتا ہے جب کہ اس سے قبل حرف جر یا مضاف واقع ہو جیسے بِکَمُ رَجلاً مَرَرتُ وَعَلی کَمُ رَجُلٍ حَکَمتُ یہ دونوں مثالیں کم استفہامیہ وکم خبریہ سے قبل حرف جر کے واقع ہونے کی ہیں، وَغُـلَامَ کَـمُ رَجُلًا ضَـرَبُتُ وَمَال کَمُ رَجُلٍ سلَبُتُ ۔یہ دونوں مثالیں کم سے قبل مضاف کے واقع ہونے کی ہیں۔ترجمہ امثلہ تو کتنے مردوں کے ساتھ گذرا کتنے مردوں کو میں نے حکم دیا یا فیصلہ کیا، اور تو نے کتنے مردوں کے غلام کو مارا، میں سے بہت سے مردوں کا مال سلب کیا۔

فـــائـده : یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب کم سے پہلے حرف جر یا مضاف واقع ہوگا تو کم چونکہ صدارت کلام کو چاہتا ہے تو اس کی صدارت اس صورت میں باطل ہو جائے گی، الجواب: حرف جر و مجرور کے درمیان ایسے ہی مضاف و مضاف الیہ کے درمیان چونکہ اتحاد ہوتا ہے تو اس وجہ سے اس کی صدارت حرف جار اور مضاف کی طرف منتقل ہو جائے گی۔

ومـرفوعا الخ: اور کم ترکیب میں محلاً مرفوع واقع ہوگا جب کہ دو امروں میں سے کوئی ایک چیز نہ موجود ہو یعنی جب کم سے پہلے کوئی فعل بھی نہ ہو اور نہ حرف جار اور مضاف ہو تو کم مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا اگر ظرف واقع نہ ہو، چونکہ مبتداء کی تعریف صادق آنے کے لیے کوئی مانع موجود نہیں جیسے: کَـمُ رَجُلًا اَخُـوك وَکَمُ

رَجُلٍ ضَرَبْتُهٗ۔

ترجمه: کتنے مرد ہیں تیرے بھائی اور بہت سے مرد ہیں جن کو میں نے مارا، وخبرا الخ :اور کم خبر واقع ہوگا اگر ظرف ہو جیسے كَمْ يَومًا سَفَرُكَ وكَمْ شَهْرٍ صَوْمِي۔

ترجمه: تیرا سفر کتنے دن کا ہے، اور بہت مہینے میں نے روزے رکھے۔

تمرين:

(۱) اسماء کنایہ کی تعریف بیان کیجئے، ساتھ ہی مبنی ہونے کی علت بھی بیان کیجئے، نیز اسماء کنایہ کے استعمال کا مقصد کیا ہے وہ بھی بیان کیجئے۔

(۲) اسماء کنایہ کے لیے کتنے الفاظ استعمال ہوتے ہیں بیان کیجئے۔

(۳) کم استفہامیہ وکم خبریہ کی تمیز کا اعراب بیان کیجئے۔

(۴) کم کی تمیز پر من حرف جار کے دخول کا جواز کس صورت میں ہے اور وجوب کب۔ بیان فرمائیے؟

(۵) کم مالک وکم ضربت میں تمیز کے محذوف ہونے پر کیا قرینہ ہے بیان کیجئے؟

فصل الظروفُ المبنيَة على اقسامٍ منهَا ما قُطِعَ عَن الاِضَافَةِ بِاَن حُذِفَ المضاف اِلَيهِ كقَبْلُ وبعدُ وفَوقَ وتحتُ قال اللّٰهُ تعالىٰ لِلّٰهِ الاَمر مِن قَبْلُ ومِن بَعدُ اى من قبل كلّ شَيْءٍ ومن بَعدِ كُلّ شيْءٍ هٰذا اذا كانَ المحذوفُ منويًّا للمتكلّم والالكانَتْ معربة وعلىٰ هٰذا قُرِئَ لِلّٰهِ الامرُ مِن قبلٍ ومِن بعدٍ وتسمىَّ الغاياتِ.

ترجمه: مبنیات کے شروع میں یہ مسئلہ آچکا ہے کہ جملہ ظروف مبنی نہیں ہوتے ہیں بلکہ معرب بھی ہوتے ہیں اسی لیے وہاں کہا گیا تھا کہ بعض ظروف مبنی ہوتے ہیں اب یہاں سے ان ہی ظروف مبنیہ کا بیان شروع ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ظروف مبنیہ کی کئی قسمیں ہیں۔

منهَا ما قُطِعَ عَن الاِضَافَةِ الخ ۔انہی ظروف میں سے ایک قسم یہ ہے کہ ان ظروف کی اضافت کو قطع کردیا جاتا ہے، یعنی کچھ ظروف ایسے ہیں کہ جن کے مضاف الیہ کو لفظوں سے حذف کردیا جاتا ہے مگر وہ مضاف الیہ متکلم کی نیت میں موجود ہوتا ہے اسی کو مصنفؒ نے تعبیر کیا بِاَن حُذِفَ المضاف اِلَيهِ هٰذا اذا كانَ المحذوفُ منويًّا للمتكلّم سے جیسے قبل (پہلے) اور ایسے ہی قدام (آگے) اور امام (سامنے) خلف (پیچھے) اسفل (نیچے) ودون (کم) اول (پہلے) اور ایسے ہی وہ الفاظ جو ظروف تو نہیں ہیں مگر ان کو کثرت استعمال کی وجہ سے ظروف کے ساتھ تشبیہ دیدی گئی ہے جیسے حسب افعل هذا حسب اى حسبك میں، ایسے ہی لا غير تیرے قول افعل هذا لا غير اى لا غيرك میں یہ سب اسماء ظروف یا مشابہ اسماء ظروف جب ان کا مضاف الیہ محذوف منوی ہو تو مبنی

ضم ہوں گے، مبنی تو اس وجہ سے ہوں گے کہ مضاف الیہ کی طرف محتاج ہونے میں حروف کے مشابہہ ہو گئے، اور ضمہ پر اس لیے کہ جب ان کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو نقصان اور کمی واقع ہوگئی، ضمہ چونکہ حرکت ثقیل ہے اس کے ذریعہ سے اس نقصان اور کمی کا انجبار ہوگیا یعنی وہ نقصان رفع ہوگیا۔ قال اللہ تعالیٰ: لِلّٰهِ الاَمر مِن قَبْلُ ومِن بَعدُ اللہ کے اس فرمان میں قبل اور بعد کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اس لیے یہ مبنی برضم ہوئے اور وہ مضاف الیہ کل شیء ہے یعنی من قبل كل شيء ومن بعد كل شيء وإلا لكانت معربة مطلب یہ ہے کہ اگر مضاف الیہ محذوف منوی نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہوں گی، ایک یہ کہ مضاف الیہ محذوف نہ ہو بلکہ لفظوں میں موجود ہو دوسرے یہ کہ مضاف الیہ محذوف ہو نیت میں بالکل نہ ہو بلکہ نسیا منسیا کے درجہ میں ہو تو ان دونوں صورتوں میں یہ سب اسماء مندرجہ بالا معرب ہوں گے۔

وعلى هذا قرئ الخ: مطلب یہ ہے کہ اللہ کے اس فرمان لِلّٰهِ الاَمر مِن قَبْلٍ ومِن بَعدٍ کو اسی بناء پر کہ مضاف الیہ اس کا نہ لفظوں میں موجود نہ نیت میں معرب پڑھا گیا ہے۔

فائدہ: ان سماء کے معرب ومبنی ہونے کو آپ دلیل حصر سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ ان کا مضاف الیہ مذکور ہوگا یا محذوف اگر مذکور ہوگا تو یہ معرب ہوں گے اور اگر محذوف ہوگا پھر وہ دو حال سے خالی نہیں وہ محذوف منوی ہوگا یا نسیا منسیا اگر نیت میں باقی ہوگا تو مبنی علی الضم ورنہ معرب تو گویا کہ دو صورتوں میں معرب ایک صورت میں مبنی۔

وتُسمى الغايات: اور اسماء منقطعہ عن الاضافۃ کو غایات بھی کہتے ہیں کیونکہ جب ان کا مضاف الیہ بلا کسی عوض کے حذف کر دیا گیا تو گویا کہ نطق اور گفتگو میں غایت اور انتہاء کو پہنچ گیا اس وجہ سے ان کا دوسرا نام غایات رکھ دیا گیا ہے۔

ومِنهَا حيثُ بُنِيَتْ تشبيهًا لها بالغاياتِ لِمُلازَمَتِهَا الاضافةَ اِلى الجُملة فِى الاكثرِ قال اللهُ تعالىٰ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَايَعْلَمُوْن وقد يُضافُ الى المفردِ كقول الشاعِر ع اما ترىٰ حَيثُ سُهَيلٍ طالِعاً اى مكان سهيل فحيث هٰذا بمعنى مكان وشرطُهٗ ان يُّضاف الى الجملة نحو اِجلِسْ حَيثُ يَجْلِسُ زيدٌ ومِنها اذا وهى للمستقبل واِذَا دخلَتْ عَلى الماضِى صار مُستقبلاً نحو اِذَا جَاء نَصْرُ اللهِ وفيها معنَى الشرطِ ويجوزُ انْ تَقَعَ بعدَهَا الجملةُ الاسمية نحو اٰتِيْكَ اذَا الشمسُ طالعةٌ والمختار الفعليةُ نحو آتيكَ اذَا طَلَعَتِ الشمسُ وقَد تكُونُ للمفاجاةِ فيُختار بعدَهَا المبتدأ نحو خَرَجْتُ فاِذا السبُعُ واقِفٌ.

ترجمہ: اور ان ہی ظروف مبنیہ میں سے حیث ہے مبنی کیا گیا اس کو اس کے غایات کے ساتھ مشابہ ہونے

وجہ سے بوجہ لازم ہونے اس کے (حیث کے) جملہ کی طرف اضافت کو اکثر استعمال کے اعتبار سے جیسا کہ اللہ نے فرمایا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْن یعنی ہم ان کو بتدریج جہنم کی طرف لے جائیں گے، جہاں سے ان کو خبر بھی نہیں ہوگی، اور کبھی حیث مفرد کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول اما تری حيث سهيل طالعا ای مکان سهيل پس حيث اس شعر میں مکان کے معنی میں ہے، اور اس کی شرط (اکثر استعمالات میں) یہ ہے کہ وہ مضاف ہو جملہ کی طرف جیسے اجلس حيث يجلس زيدٌ بیٹھ تو جس جگہ کہ زید بیٹھا ہے۔ اور ان ہی ظروف میں سے ایک اذا بھی ہے، جو مستقبل کے لیے ہے اور جب لفظ اِذَا داخل ہو ماضی پر تو ہو جاتی ہے وہ ماضی مستقبل کے معنی میں (اکثر طور پر) جیسے اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ (جب آئے گی اللہ کی مدد) اور اِذَا جو مستقبل کے لیے ہے اس میں شرط کے معنی ہیں اور جائز ہے یہ کہ واقع ہو اس کے بعد جملہ اسمیہ (اس کے شرط کے معنی کے لیے وضع نہ ہونے وجہ سے) جیسے آتِيكَ اِذَا الشَّمْسُ طَالِعَة (آؤں گا میں تیرے پاس جب آفتاب طلوع ہوگا ہاں البتہ اس کے بعد مختار جملہ فعلیہ ہے جیسے آتيكَ اِذَا طلعتِ الشمسُ اور کبھی ہوتا ہے اِذَا مفاجاۃ کے لیے (بمعنی ناگاہ) پس مختار ہے اس کے بعد مبتداء جیسے خَرَجْتُ فَاِذَا السَّبُعُ وَاقِفٌ میں نکلا ہی تھا کہ اچانک دیکھا کہ درندہ کھڑا ہوا ہے۔

تشــریح: لفظ حیث بھی ظروف مبنیہ میں سے ایک ہے یہ مکان کے واسطے استعمال ہوتا ہے اگر چہ امام اخفش فرماتے ہیں کہ گاہے گاہے برائے زمان بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے اِجْلِس حَيْثُ زَيْدٌ جَالِس یعنی بیٹھ تو اس وقت تک جب تک کہ زید بیٹھا ہے ساتھ ہی یہ بھی ملاحظہ ہو کہ لفظ حیث کو بفتح الثاء وضمها وكسرها تینوں حرکات کے ساتھ پڑھا گیا ہے، اور بعض نے حیث کو بجائے یاء کے حوث بالواؤ بھی پڑھا ہے بنيت تشبيها لها الــــخ۔ اس عبارت سے حیث کے مبنی ہونے کی علت کو بیان فرما رہے ہیں کہ یہ غایات کے ساتھ (مقطوع الاضافہ ہیں) مشابہ ہونے کی وجہ سے مبنی ہوتا ہے اور مشابہت اس وجہ سے ہے کہ حیث از روئے استعمال اکثر جملہ کی طرف مضاف ہوتا ہے باعتبار معنی کے نہ کہ باعتبار لفظ کے اور باعتبار معنی کے ہم نے اس لیے کہا کہ چونکہ اجلس حيث زيدٌ جَالِس کے معنی ہیں اجلس مكان جلوس زيدٍ، اور باعتبار لفظ کے جملہ کی طرف مضاف اس لیے نہیں ہے کہ جب حیثُ کی اضافت جملہ کی طرف ہوتی ہے تو وہ اضافت حقیقت میں مصدر کی جانب ہوتی ہے، چونکہ جملہ مصدر کے معنی کو متضمن ہوتا ہے جیسا کہ اجلس حيث زيد جالس کے اندر بتلایا کہ وہ اجلس مکان جلوس زید کے معنی میں ہے تو گویا کہ حیث کی اضافت جملہ کی طرف نہیں ہوئی بلکہ مصدر کی طرف ہوئی اور مصدر عبارت میں موجود نہیں تو خلاصہ یہ نکلے گا کہ حیث کی اضافت جملہ کی طرف ایسی ہوگئی جیسا کہ اضافت ہوئی ہی نہیں جب اضافت نہیں ہوئی تو یہ اس لحاظ سے غایات (مقطوع الاضافت) کے مشابہ ہوگیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان

سَنَسْتَدرِجُهُم مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْن میں حیث کی اضافت معنی لا یعلمون جملہ کی طرف ہو رہی ہے۔

وقد یضاف الی المفرد اور کبھی حیث کی اضافت مفرد کی طرف بھی کر دی جاتی ہے جیسا کہ شاعر کا قول اَمَا تَرٰی حَیثُ سُهَیلٍ طَالِعاً میں حیث کی اضافت سہیل مفرد کی طرف ہو رہی ہے اور حیث اس جگہ مکان کے معنی میں ہے، اب اصل عبارت ہوگی اَمَا ترٰی مکانَ سُهَیْلٍ طَالِعاً اس شعر کا دوسرا مصرعہ ہے نجماً یضیء کالشهاب ساطعاً ۔شعر کی ترکیب وترجمہ، کلمة تری روية البصر سے مشتق ہے متعدی بیک مفعول ہوتا ہے حیث بمعنی مکان تری کا مفعول ہے اور طالعاً حال ہے، سہیل مضاف الیہ ہے اور نجماً مفعول ہے تری کا اور ساطعاً حال ہے نجم سے منصوب بالمدح ہے۔اب شعر کی اصل عبارت یہ بنے گی،اَمَا تَرٰی مکان سُهَیْلٍ حال کونِهٖ طَالِعًا نجماً یُضیء کالشَّهَابِ حَالَ کَوْنِ سَاطِعاً۔

مطلب یہ ہے کہ شاعر کسی شخص کے بارے میں یوں کہہ رہا ہے کہ کیا تو دیکھتا نہیں ہے اس جگہ جہاں سہیل ستارہ ہے اس حال میں کہ نکلنے والا ہے وہ دوسرے ستارہ کو جو کہ روشن ہوگا آگ کی چنگاری کی طرح اس حال میں کہ وہ ستارہ چمکنے والا ہے۔

وَشَرْطُهٗ اَنْ یُضَافَ اِلَی الْجُمْلَةِ: مطلب یہ ہے کہ حیث اُس وقت مبنی ہوگا جب کہ جملہ کی طرف مضاف ہو جملہ خواہ فعلیہ ہو یا اسمیہ اسی وجہ سے بعض علماء نے کہا کہ جب وہ مفرد کی طرف مضاف ہو تو معرب ہوگا بناء کی علت (اضافت الی الجملة) کے زائل ہونے کی وجہ سے جیسے اِجْلِسْ حَیْثُ یَجْلِسُ زَیْدُ یا اِجْلِسْ حَیْثُ زَیْدٌ جَالِسٌ ان دونوں مثالوں میں حیث کی اضافت جملہ کی طرف ہو رہی ہے اول مثال میں جملہ فعلیہ کی طرف اور ثانی میں جملہ اسمیہ کی طرف۔

فائدہ: حیث کے مبنی ہونے کے لیے جملہ کی طرف مضاف ہونے کی جو شرط لگائی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جیسے اسم موصول صلہ کا محتاج ہے بغیر صلہ کے وہ نا تمام رہتا ہے ایسے ہی یہ بھی جملہ کا محتاج ہے اپنے معنی کی تعیین کی وجہ سے یعنی جب تک جملہ کی طرف اضافت نہ کریں، تو اس کے معنی متعین نہیں ہو پاتے چونکہ حیث ایسے مکان کے لیے وضع کیا گیا ہے کہ جس میں نسبت واقع ہوتی ہے۔

وَمِنْهَا إِذَا لِلْمُسْتقبل الخ : اذا کے مبنی ہونے کی وجہ بھی وہی ہے جو حیث میں بیان کی جا چکی ہے اسماء ظروف میں ایک اسم ظرف اذا بھی ہے یہ زمانہ مستقبل کے لیے موضوع ہے حتی کہ اگر یہ ماضی پر بھی داخل ہوتا ہے تو اس ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں بلکہ اکثر یہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰه اس میں اِذَا جَاءَ ماضی فعل پر داخل ہو رہا ہے مگر معنی مستقبل کے دے رہا ہے (جس وقت کہ اللہ کی نصرت آئے گی)۔

فـائده : ہم نے اوپر بتلایا تھا کہ اذا کا ماضی پر داخل ہو کر اس کو مستقبل کے معنی میں کر دینا قاعدہ اکثریہ ہے اس لیے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ماضی ہی کے معنی میں رہتا ہے جیسے حَتّٰی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ حِتّی اِذَا بَلَغَ مَغْرِب الشَّمْسِ ان دونوں مثالوں میں فعل ماضی اذا کے داخل ہونے کے بعد بھی ماضی ہی کے معنی میں ہے۔

ترجمه امثله: یہاں تک کہ جب برابر کر دیا دونوں پہاڑوں کے دونوں سروں کے بیچ کو، یہاں تک کہ جب پہنچے وہ آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔

وفيها مَعْنى الشَّرْطِ: كَلمَة اِذَا میں شرط کے معنی پائے جاتے ہیں، اور شرط کہتے ہیں کہ ایک جملہ کے مضمون کا حصول دوسرے جملے کے مضمون کے حصول پر موقوف ہو، لہٰذا اذا حرف شرط کے معنی کو متضمن ہوگا یہیں سے آپ کو اذا کے مبنی ہونے کی دوسری وجہ بھی معلوم ہوگئی، یعنی اذا مبنی ہے حرف شرط کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔

وَيَجُوْزُ أنْ تَقَعَ بَعْدَهَا الْجملةُ الاسْمِيَّة :مطلب یہ ہے کہ اِذَا چونکہ اِن اورلَو کی طرح شرط کے لیے وضع نہیں کیا گیا ہے اس لیے اس کے بعد جملہ اسمیہ بھی آ سکتا ہے، جیسے أتيك اِذَا الشمسُ طالِعَةٌ۔

والمختار الفعليه: مطلب یہ ہے کہ جب اذا شرط کے معنی بھی دیتا ہے اور شرط فعل کا تقاضہ کرتی ہے اس لیے اس کے بعد جملہ فعلیہ کا لانا زیادہ بہتر ہے جیسے أتيك اِذَا طلعتِ الشمسُ۔

فـائده: کلمۂ اذا کبھی مطلق زمانہ کے لیے بھی آتا ہے جیسے آتِيْكَ اِذَا احْمَرَّ الْبُرُّ اَیْ وَقتَ اِحْمِرَارِہٖ۔ آؤں گا میں تیرے پاس گندم کے سرخ ہونے کے وقت (یعنی پکنے کے وقت)۔

وَقَدْ يَكُوْنُ لِلْمُفَاجَاةِ اور کبھی اذا برائے مفاجاۃ بھی آتا ہے مفاجاۃ باب مفاعلت کا مصدر مہموز اللام ہے، بمعنی کسی چیز کا اچانک ہو جانا، آجانا۔ اس کو فجائیہ بھی کہتے ہیں۔ فَيُخْتَارُ بعدها المبتدا. فَيُخْتَار میں فاعطف کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ جزائیہ بھی ہو سکتا ہے شرط محذوف کے جواب میں لایا گیا ہے، اَیْ اِذَا كَانَ اِذَا لِلْمُفَاجَاة۔ اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب اذا مفاجات کے لیے ہے تو اس کے بعد مبتداء کا لانا اولیٰ اور بہتر ہوگا تا کہ اذا مفاجاتیہ اور اذا شرطیہ میں امتیاز ہو جائے جیسے خرجتُ فَاِذَا السَّبُعُ واقفٌ میں نکلا ہی تھا کہ اچانک درندہ کھڑا ہوا ہے۔

فـائده: اذا مفاجاتیہ کے سلسلے میں تین قول ہیں، اول قول اخفش اور ابن مالک کا وہ یہ کہ اذا مفاجاتیہ مطلقاً ظرف کے لیے ہے، (۲) ظرف مکان ہے وَهذَا قَول المبرّد وابن عصفور (۳) یہ اذا ظرف زمانیہ ہے اسی کو پسند کیا زجاج اور زمخشری نے۔

ومنها اذ وهى للماضى وتقعُ بعدَها الجملَتان الاسمية والفعليةُ نحو جئتُكَ

اذا طلعَتِ الشمسُ واذ الشمس طالعةٌ ومنها این واَنّٰی للمکانِ بمعنی الاستفهامِ نحو این تمشی و انّٰی تقعدُ وبمعنی الشرطِ نحو اَین تجلِس اجلسُ وانّٰی تقُم اَقم ومنهَا متٰی للزمانِ شرطاً او استفهامًا نحو متٰی تصُمْ اصُم ومتیٰ تسافِر ومنهَا کیف للاستفهامِ حالاً نحو کیف انت ای فی حال انت ومنها ایَّانَ للزمان استفهاماً نحو ایَّانَ یوُمُ الدِّین.

ترجمہ: اوراسمائے ظروف میں سے اذابھی ہےاور یہ ماضی کے لیے آتا ہےاورواقع ہوتے ہیں اس کے بعد دو جملے اسمیہ اورفعلیہ جیسے جِئتُك اِذا طلعتِ الشَّمس وَاِذ الشّمسُ طَالِعَةٌ اورانہی اسمائے ظروف میں سے اَیۡنَ اور اَنّی ہیں، جومکان کے لیے ہیں،استفہام کے معنی میں جیسے اَیۡنَ تَمۡشِی (کہاں چلے گا) وَاَنّٰی تَقۡعُدُ کہاں بیٹھے گا،اورشرط کے معنی میں بھی ہوتے ہیں جیسے اَیۡنَ تَجۡلِسُ اَجۡلِسُ وَاَنّٰی تَقُمۡ اَقُمۡ (جہاں تو بیٹھے گا وہیں میں بھی بیٹھوں گا اور جہاں کھڑا ہوگا وہیں میں بھی کھڑا ہوں گا۔اورانہی اسماء میں سے متی بھی ہے جو زمان کے لیے ہوتا ہے شرط یا استفہام کے معنی دیتا ہے جیسے مَتٰی تَصُمۡ اَصُمۡ وَمَتٰی تُسَافِر (جب تو روزہ رکھے گا میں بھی اسی وقت روزہ رکھوں گا اور تو کب سفر کرے گا) اورانہی میں سے کیف بھی ہے جو حال دریافت کرنے کے لیے آتا ہے جیسے کَیۡفَ اَنۡتَ، اَیۡ فِی اَیِّ حَالٍ اَنۡتَ (آپ کیسے ہیں یعنی آپ کس حال میں ہیں)۔

اورانہی ظروف مبنیہ میں سے اَیَّانَ ہے جوزمان کے لیے آتا ہے استفہام کے معنی دیتا ہے جیسے اَیَّانَ یَوۡمُ الدِّیۡنَ (کب ہے قیامت کا دن)۔

تشریح: ومنها اِذۡ وهِیَ للماضی ،ظروف مبنیہ میں سے اذ ہے یہ زمانہ ماضی کے لیے ہے اگرچہ مستقبل پرداخل ہو جیسے اَتَیۡتُ اِذۡ یَقُوۡمُ زَیۡدٌ اَیۡ قَامَ زَیۡدٌ۔

مگراس پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ اللہ کے فرمان فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ اِذِ الاغلَالُ فِیۡ اَعۡنَاقِهِمۡ میں اِذۡ مستقبل پرداخل ہوکر مستقبل ہی کے معنی دے رہا ہے اس لیے کہ کفار کی گردنوں میں زنجیریں قیامت کے دن ہی پہنائی جائیں گی۔

الجواب: آیت مذکورہ میں اگرچہ اِذۡ مستقبل پرداخل ہے مگراس مستقبل کو ماضی کے درجہ میں اتارلیا گیا اس کے یقینی ہونے کی وجہ سے۔

وتقعُ بعدَهَا: مطلب یہ ہے کہ اِذۡ کے بعد جملہ فعلیہ اور جملہ اسمیہ دونوں ہی کالانا صحیح ہے۔مثال متن میں مذکور ہے۔

فائدہ: اذا کی طرح اذ بھی مفاجات کے لیے آتا ہے مگر یہ لفظ بَیۡنَا وَبَیۡنَمَا کے بعد آتا ہے جیسے

کُنْتُ وَاقِفًا بَیْنَمَا اِذْ جَائَنِیْ عمرُو ۔ یہ یادرہے کہ اذ مفاجات کے لیے چونکہ بہت کم آتا ہے اس لیے مصنف نے اس کو ذکر نہیں کیا۔

ومنها أين وأنى الخ: اورظروف مبنیہ میں سے این اور أنّی بھی ہیں، ترکیب عبارت للمکان صفت ہے ان دونوں کی اور خبر محذوف ہے کائنتان یا خبر ہے مبتداء محذوف کی اصل عبارت ہوگی این وانی لکائنتان للمکان یاھما کائنتان للمکان اور بمعنی الاستفہام حال ہے ای حال کونھما متلبسین بمعنی الاستفہام مطلب عبارت کا یہ ہوگا کہ یہ دونوں مکان کے لیے ہیں اس حال میں کہ یہ دونوں استفہام کے معنی دیتے ہیں، یہیں سے ان کے مبنی ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی کہ یہ حرف استفہام یا حرف شرط کے معنی کو متضمن ہیں، اس علت کی وجہ سے مبنی ہیں، جیسے این تمشی وانی تقعد وبمعنی الشرط اور شرط کے معنی کے لیے بھی آتے ہیں جیسے این تجلس اجلس وانی تقم اقم میں دونوں شرط کے لیے استعمال ہورہے ہیں۔

فائدہ : کبھی کبھی انی کیف کے معنی میں بھی آتا ہے مگر اس وقت جب کہ فعل کے بعد ہو، جیسے آیت کریمہ میں فَاتُوْا حَرْثَکُم اَنّٰی شِئْتُمْ کَیْفَ شِئْتُم (آ ؤ تم اپنی کھیتیوں میں جیسے چاہو)۔

وَمِنْهَا مَتٰى الخ: ظروف مبنیہ میں سے متی بھی ہے استفهامًا أَوْ شَرطًا یہ دونوں منصوب ہیں تمیز یا حال کی بنا پر من حیث الاستفهام والشرط ۔مطلب یہ ہے کہ مَتٰی زمان کے لیے ہے اس حال میں کہ اس میں استفہام یا شرط کے معنی پائے جاتے ہیں شرط کی مثال جیسے مَتٰی تَصُمْ أَصُم اور استفہام کی مثال جیسے مَتٰی تُسَافِر مَتٰی تَذْهَبُ۔

وَمِنْهَا كَيف للإستِفْهَام حالا ۔ظروف مبنیہ میں سے کیف بھی ہے جو حالت کے متعلق سوال کرنے کے لیے آتا ہے جیسے کَیْفَ أَنْتَ اَی فِی أَی حَالِ أَنتَ یعنی آپ کا کیا حال ہے آپ خیریت سے ہیں، بیمار وغیرہ تو نہیں ہیں۔

فائدہ : اگر کیف کے ساتھ ما کو ضم کردیا جائے تو حضرات بصریین کے نزدیک ضعف کے ساتھ شرط کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اور کوفیین فرماتے ہیں کہ خواہ مَا کو ساتھ لگاؤ یا نہ لگاؤ، مطلقاً شرط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور اس وقت میں ظرف مکان کے لیے ہوتا ہے جیسے کَیْفَمَا تجلِسْ أَجْلِسْ یعنی اَیْنَمَا تجلس اَجْلِس۔

وَمِنهَا اَیّانَ لِلزَّمَان استفهاماً: ظروف مبنیہ میں سے ایان بھی ہے زمان کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس میں استفہام کے معنی ہوتے ہیں جیسا کہ متی بھی زمان کے لیے ہوتا ہے اس میں استفہام کے معنی پائے جاتے ہیں مگر متی اور اَیَّانَ میں تھوڑا سا فرق یہ ہے کہ مَتٰی تو ماضی و مستقبل دونوں ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے

اَیَّانَ صرف مستقبل کے ساتھ خاص ہے نیز اَیَّانَ کا استعمال اہم امر کے لیے ہوتا ہے جیسے اَیَّانَ یَوْمُ الدِّین ظاہر ہے کہ قیامت کا دن ایک اہم دن ہے اسی کے متعلق سائل نے دریافت کیا کہ قیامت کا دن کب آئے گا۔

ومنها مذ و منذ بمعنٰی اوّل المدَّة ان صَلحَ جوَابًا لمتٰی نحو ما رَأیتَ مذ او منذُ یوم الجُمُعةِ فی جواب مَن قال متٰی مَا رأیتَ زیداً ای اولُ مدة انقطاعِ رویتی ایاهُ یومُ الجمعةِ وبمعنٰی جمیع المدة ان صلح جواباً لکم نحو ما رأیتُهُ مذ او منذُ یومانِ فی جواب مَن قال کم مدةً ما رأیتَ زیداً ای جمیع مدة ما رأیتُهُ یومَانِ.

ترجمہ: اورظروف مبنیہ میں مُذ و مُنذ ہیں اول مدت کے معنی میں اگر صلاحیت رکھے مَتٰی کا جواب بننے کی جیسے مَا رَاَیْتُہٗ مُذ اَوْ مُنْذُ یَوم الجمعة (نہیں دیکھا میں نے اس کو جمعہ کے دن سے) اس شخص کے جواب میں جس نے کہا مَتٰی مَا رَأیتُ زَیداً (کب سے نہیں دیکھا تو نے زید کو) یعنی اوّل مدة انقطاع رُوْیتی اَیاَّہُ یومُ الجمعَةِ یعنی زید کو میرے نہ دیکھنے کی اول مدت جمعہ کا دن ہے۔اور مذ و منذ جمیع مدت کے معنی میں بھی آتے ہیں اگر کم کا جواب بننے کی صلاحیت رکھیں جیسے مَا رَأیتہ مُذ اَو مُنذ یومَان اس شخص کے جواب میں جس نے کہا کَمْ مُدة مَا رَأیت زیْداً یعنی جمیع مدة مَا رأیته یوْمَان ترجمہ مثال کسی نے کہا کہ تجھے زید کو دیکھے ہوئے کتنا وقت ہو گیا تو مجیب نے جواب دیا کہ اس کو میرے نہ دیکھنے کی کل مدت دو دن ہے۔

تشریح: ظروف مبنیہ میں سے مذ اور منذ بھی ہیں،لفظ مذ منذ کی فرع ہے اس لیے کہ دونوں کی تصغیر مُنَیْذ آتی ہے اور تصغیر کے ذریعہ سے اصل کا پتہ چل جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ منذُ اصل ہے اور مُذ فرع ہے۔ یہ دونوں مبنی ہوتے ہیں کئی وجوہات کی بناء پر اول یہ کہ یہ دونوں اسماء مشابہت رکھتے ہیں اس مذ و منذ کے ساتھ جو حرف جارہ میں سے ہیں تو اس مشابہت کے باعث مبنی ہیں دوسرے اس وجہ سے کہ مذ کی وضع حرف کی وضع کے مثال ہے اور منذ مذ پر محمول ہے۔

بمعنی اَوّلِ المدَّةِ الخ: مُذ وَمُنذُ دو معانی کے لیے استعمال ہوتے ہیں ایک اول مدت کے معنی میں یعنی کسی چیز کے شروع وقت کے بیان کرنے کے لیے اور یہ معنی اس وقت مراد لیے جاتے ہیں جب کہ متی کے سوال کے جواب میں ان کو استعمال کیا جائے جیسے کوئی شخص یوں سوال کرے مَتٰی مَا رَأیتُ زَیداً کہ تو نے زید کو کب سے نہیں دیکھا تو اس سوال میں زید کے دیکھنے کے اول وقت کو سائل معلوم کر رہا ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ مَا رَأیته مُنذُ یَومُ الجمعة یعنی میں نے زید کو بس جمعہ کے دن دیکھ لیا،اس کے بعد سے نہیں دیکھا،تو خلاصہ یہ کہ یہاں اوّل وقت کے بارے میں سوال ہے اول وقت ہی کے بارے میں جواب دیا گیا ہے۔دوسرے یہ کہ جمیع کے معنی میں آتے ہیں،یعنی سائل کل مدت کے متعلق سوال کرتا ہے مثلاً زید کو دیکھے ہوئے کل کتنا وقت ہو گیا

لیے یہ معنی اس وقت مراد لیے جاتے ہیں جب کہ یہ کم کا جواب بننے کی صلاحیت رکھے، یعنی کَم استفہامیہ کے ذریعہ سوال کیا جائے، جیسے سائل یوں کہے کَم مدَّة مَا رَأَيْتُ زَيداً یعنی تجھے زید کو دیکھے ہوئے کل کتنا وقت ہو گیا تو جواب دیا گیا کہ مَا رَأيتُه مُنْذُ يومَان کہ میں نے اس کو دو روز سے نہیں دیکھا یعنی زید کو دیکھے ہوئے پورے دو یوم ہو گئے۔

ومنها لدٰی ولدُنْ بمعنٰی عِندَ نحو المَالُ لَدَیکَ والفَرقُ بينَهُمَا اَنَّ عِندَ لايُشترطُ فيهِ الحضورُ ويُشترطُ ذٰلک فی لدٰی ولدُنْ وجاءَ فيهِ لغاتٌ اُخَرُ لَدُنِ ولُدُنِ ولَدَنْ ولَدْ ولُدْ ولِدْ ومنها قَطُّ للماضِی المَنفِیّ نحو ما رأيتُهُ قَطُّ ومنها عَوض للمستقبل المنفی نحو لا اضربُهُ عوضُ.

ترجمہ: ظروف مبنیہ میں سے لَدٰی اور لَدُن بھی ہیں جو عِندِی کے معنی میں ہیں جیسے اَلْمَالُ لَدَيْكَ (مال تیرے پاس ہے) اور فرق ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ عند میں شئ کا حاضر ہونا شرط نہیں ہے جب کہ لدی اور لدن میں شرط ہے، اور لدیٰ میں دوسری لغات اور بھی ہیں لَدُنِ لُدُنَ ، لَدَن لُدْ، لِدْ اور انہی اسماء میں سے قط ہے جو ماضی منفی کے لیے آتا ہے (عموماً) جیسے مَا رَأيتُه قطّ میں نے اس کو ہرگز نہیں دیکھا، اور انہی میں سے عوض ہے جو مستقبل منفی کے لیے آتا ہے (علی سبیل الاستفراق) جیسے لَا اَضْرِبُه عوَضُ (میں اس کو کبھی نہیں ماروں گا)۔

تشریح: لدیٰ اور لدن بھی ظروف مبنیہ میں سے عند کے معنی میں ہوتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے اَلْمَالُ لَدَيْكَ اَى عِنْدَكَ۔

والفرق الخ: لدٰی و لدُن اور عند کے معنی اگرچہ نزدیک اور پاس کے آتے ہیں مگر ان میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ عِنْدَ کے اندر شئ کا حاضر ہونا شرط نہیں اگر مال اس کی جیب میں ہے تب المال عند زید بولا جائے گا اور اگر جیب میں نہیں ہے بلکہ گھر میں بینک میں خزانہ میں ہے، تب بھی المال عند زید کہا جائے گا یعنی ملکیت اور قبضہ شرط ہے خواہ اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو، برخلاف لدی وغیرہ کے کہ شـیء کا اپنے پاس حاضر ہونا جیب وغیرہ میں ضروری ہے تب المال لديك کہہ سکتے ہیں وجاء فيه لُغاتٌ اخر، اور لدن میں علاوہ ازیں اور بھی لغات ہیں (۱) بفتح اللام وسكون الدّال وكسرِ النُّون (۲) لدن بضم اللام وسكون الدال وفتح النون (۳) لدن بفتح اللام والدال وسكون النون (۴) لد بفتح اللام وسكون الدال (۵) لد بضم اللام وسكون الدال (۶) لد بكسر اللام وسكون الدال ، ان اسماء کے مبنی ہونے کی وجہ بھی اسی سے ظاہر ہوگئی کہ ان میں سے بعض لغات کی وضع حروف کے مثل ہے اور باقی جو مشابہ نہیں ہیں، وہ ان پر محمول

ہیں جو مشابہ ہیں حروف کے۔

فائدہ : لدی کو چھوڑ کر لدن وغیرہ جتنی بھی لغات ہیں سب کے لیے ابتداء کے معنی لازم ہیں اسی وجہ سے سب لغات کے ساتھ لفظ من کا ہونا لازم ہے خواہ لفظاً ہو جیسے من لدن حکیم علیم یا مقدر ہے لہٰذا لدن اور باقی سب لغات بمعنی من عند ہوں گی اور رہا لدی وہ بمعنی عند ہے اس کے لیے ابتداء کے معنی لازم نہیں ہیں، لدیك المال والمال لدیك دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

ومنها قط :اس لفظ کو کئی طرح پڑھا گیا ہے،(۱) بفتح قاف اور طاء مضمومہ کو تشدید کے ساتھ اور یہی لغت مشہور بھی ہے (۲) قاف اور طاء دونوں کو مضموم قـــط اور قاف کا فتحہ ط کا سکون قط۔ بہرحال یہ لفظ ماضی منفی کی تاکید کے لیے آتا ہے۔ نفی خواہ لفظاً ہو جیسا ما رأيته قط (میں نے اس کو کبھی نہیں دیکھا تمام زمانۂ ماضی میں) اور وہ نفی خواہ معنیً ہو جیسے هل رأيت ذئبا قط اس میں ہل حرف استفہام انکاری ہے یعنی تو نے کبھی بھیڑیئے کو دیکھا ہی نہیں اور کبھی یہ ماضی مثبت کے لیے بھی استعمال ہوجاتا ہے جیسے کنت اراہ قط ای دائمًا میں اس کو ہمیشہ دیکھتا تھا، لفظ قط کے مبنی ہونے کی علت یہ ہے کہ اس کی وضع حرف کی وضع کے مثل ہے۔

وَمِنهَا عَوضُ لِلمُستقبِل المنفی الخ: ظروف مبنیہ میں سے عوض بھی ہے اس کو بفتح العین والضم دونوں طرح پڑھا گیا ہے یہ مستقبل منفی کی تاکید کے لیے آتا ہے علی سبیل الاستغراق جیسے لا اضربه عوض (میں اس کو زمانۂ مستقبل میں کبھی بھی نہیں ماروں گا) اس کے مبنی برضم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حرف کے مشابہ ہے قبل وبعد کی طرف مضاف الیہ کی طرف محتاج ہونے میں اس لیے کہ عوض کے معنی ہیں، عوض العائضین کے جیسا کہ کہا جاتا ہے لاآتِيكَ عوض العَائِضِينَ ای دَهرُ الدَّهرِينَ یعنی نہیں آؤں گا میں تیرے گھر میں کسی بھی زمانہ میں اس کا اعراب بھی قبل اور بعدُ کی طرح ہوگا تینوں حالتوں میں۔

واعلَمُ انَّهُ اذا اُضِيفَ الظُّرُوفُ الى الجُملَة او اِلٰى اذ جازَ بناؤُهَا على الفَتحِ كقوله تعالىٰ هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِينَ صِدْقُهُم وكيومئذٍ وحِينَئِذٍ وكذٰلك مثل وغير مَعَ ما وَاَنَّ وان تقول ضربتُهُ مثلَ ما ضَرَب زيدٌ وغير اَنَّ ضَرَبَ زَيدٌ ومِنهَا أمسِ بالكسر عند اهلِ الحِجازِ.

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ بے شک جب اضافت کی جائے ظروف (غیر مبنیہ) کی جملہ کی طرف (خواہ وہ اسمیہ ہو یا فعلیہ) یا اِذْ کی طرف تو جائز ہے اس کا مبنی برفتحہ پڑھنا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: هٰذَا يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِينَ صِدْقُهُم (یہ وہ دن ہے جس دن کہ نفع دے گی سچے لوگوں کو ان کی راست گوئی) اور جیسے يَوْمَئِذٍ اور حِينَئِذٍ اور ایسے ہی مثلُ اور غیر لفظ مَا اور اَنْ ، اَنَّ کے ساتھ (یعنی مثل وغیرہ جب کہ ان میں سے کسی ایک کی طرف مضاف

(۵) جیسے تو کہے ضربتُهٗ مثلَ ما ضَرب زيدٌ و غير اَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ اورظرف مبنیہ میں سے اَمسِ بھی ہے کسرہ کے ساتھ اہل حجاز کے نزدیک۔

تشریح: اس عبارت سے ایک جدید مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر ظروف غیر مبنیہ کو جملہ اسمیہ یا فعلیہ کی طرف مضاف کردیا جائے جو اذ پہلے سے خود بھی جملہ کی طرف مضاف ہے تو ایسی صورت میں ظروف غیر مبنیہ کو تخفیف کی وجہ سے مبنی برفتحہ پڑھنا جائز ہے، اسی سے اس بات کی جانب بھی اشارہ ہوگیا کہ ان کو معرب پڑھنا بھی جائز ہے جیسے يَوْمَ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُم میں یوم کی اضافت جملہ ینفع کی طرف ہورہی ہے، ایسے ہی یومئذ و حینئذ کے اندر یوم کی اضافت اذ کی طرف ہورہی ہے اور اذ مضاف ہے کان کذا جملہ کی طرف تو اس یوم کو مبنی برفتحہ پڑھنا بھی جائز ہے اور معرب پڑھنا بھی جائز ہے۔

سوال: استاذ محترم اچھا یہ تو بتلائیے کہ صورت مذکورہ میں ان کو مبنی برفتحہ پڑھنا کیوں جائز ہے اور معرب پڑھنا کیوں جائز ہے؟

الجواب: جب يَوْمَ کی اضافت جملہ کی طرف کی گئی اور وہ مبنی تھا تو اس نے اس بناء کے اثر کو اپنی طرف کھینچ لیا، اس لیے یہ مبنی ہوگیا اور فتحہ پر اس لیے مبنی ہوا کہ وہ اخف الحرکات ہے۔ ایسے ہی یوم جب اِذْ کی طرف مضاف ہو اور اِذْ جملہ کی طرف مضاف ہے، تو بواسطہ اذ کے اس جملہ کے مبنی ہونے کی کی تاثیر سے یہ خود بھی متاثر ہوا، اس لیے مبنی پڑھنا جائز ہوا، اور معرب پڑھنا اس لیے جائز ہے کہ اس کی اضافت تو بالاصالت مفرد کی طرف ہے اور جملہ کی طرف جو اضافت ہے وہ عارضی ہے اور عارضی کا اعتبار نہیں ہوا کرتا اس لیے معرب پڑھا گیا۔

وكذٰلك مِثْلُ و غيرُ: مطلب یہ ہے کہ ظروف مذکورہ کی طرح مثل اور لفظ غیر کو اگر کلمہ مَا اور اَنَّ مفتوحہ مخففہ و مثقلہ میں سے کسی ایک طرف مضاف کردیا جائے تو ان کو مبنی برفتحہ پڑھنا جائز ہے، جیسے ضَربْتُه مثلَ مَا ضَرَبَ زيدٌ وَمِثْلَ اَنْ يا اَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ، وَضَرَبْتُهٗ غيرَ ما ضَرَبَ زَيْدٌ وَغير اَنْ ضَرَبَ زَيْدٌ، غَيرَ اَنَّ ضَرَبَ زَيْدٌ مَا اور غير کو صورت مذکورہ میں مبنی پڑھنے کی علت یہ ہے کہ یہ جملہ کی طرف مضاف ہیں، صورتاً اس لیے کہ ان کو ظروف کے ساتھ مشابہت حاصل ہے، مضاف الیہ کی طرف محتاج ہونے میں اسی مشابہت کی وجہ سے مصنفؒ نے ان کو ظروف مبنیہ کی بحث میں ذکر بھی کیا اگر چہ یہ ظروف نہیں ہے۔ اور ان کا صورت مذکورہ میں معرب پڑھنا بھی جائز ہے، چونکہ یہ اسماء ہیں اور اسماء مستحق اعراب ہوا ہی کرتے ہیں۔

ومنها أمس: اور ظروف میں سے امس بھی ہے بمعنی کل گذشتہ اس کو بعض علماء نے مبنی بر کسرہ و معرفہ بتلایا ہے جب کہ بعض علماء کے نزدیک معرب اور معرفہ ہے۔

فائدہ جلیلہ: اگر امس مضاف ہو یا اس پر الف ولام داخل ہوجائے یا نکرہ مان لیا جائے تو

باتفاق علماء معرب ہوگا جیسے اہل عرب کہتے ہیں مَضٰی اَمْسُنَا وَمَضَی الاَمْسُ الْمبارك وَكلُّ غدٍ صائرٌ اَمْساً مثال اول میں امس ضمیر جمع متکلم کی طرف مضاف ہے معنی ہیں گذر گئی ہماری کل گذشتہ۔ مثال ثانی میں امس معرف باللام ہے معنی ہوں گے، چلی گئی ہماری مبارک کل گذشتہ مثال ثالث میں امس نکرہ ہے اس لیے کہ کوئی خاص امس مراد نہیں ہے مطلقاً کہا گیا ہے کہ ہر آنے والی کل گذری ہوئی کل ہو جائے گی۔

تمرین:

اسماء کنایہ کی تعریف بیان کیجئے ساتھ ہی مبنی ہونے کی علت بھی بیان کیجئے، نیز اسماء کنایہ کے استعمال کا مقصد کیا ہے وہ بھی بیان کیجئے (۲) اسماء کنایہ کے لیے کتنے الفاظ استعمال ہوتے ہیں بیان کیجئے (۳) کم استفہامیہ وکم خبریہ کی تمیز کا اعراب بیان کیجئے (۴) کم کی تمیز پر من حرف جار کے دخول کا جواز کس صورت میں ہے اور وجوب کب بیان فرمائیے (۵) لفظ کم ترکیب کے اعتبار سے کب منصوب ومجرور ومرفوع ہوتا ہے بیان فرمائیں (۶) کَمْ مَالُكَ وَکم ضربتُ میں تمیز پر کیا قرینہ ہے بیان کیجئے۔

تمرین:

وہ کون سے اسماء ہیں جو منقطع عن الاضافت کہلاتے ہیں (۲) ان اسماء کے معرب ومبنی ہونے کو دلیل حصر کے ذریعہ بیان کیجئے (۳) مبنی ہونے کی علت بیان کیجئے نیز ضمہ پر ہی کیوں مبنی ہوتے ہیں (۴) حیثُ کے احکام مع امثلہ بیان فرمائیں (۵) إذا کا استعمال کہاں اور کتنے معانی کے لیے ہوتا ہے بیان فرمائیے (۶) إذْ کے احکام مع امثلہ بیان فرمائیں (۷) مُذْ ومُنْذُ کب اول مدت کے معنی میں آتا ہے اور کب جمیع مدت کے معنی میں اس کے لیے اگر کوئی قاعدہ ہو تو بیان فرمائیں (۸) اَیْنَ و انّٰی کن معانی کے لیے آئے ہیں مع مثال بیان فرمائیں نیز انی کیف کے معنی میں کس وقت استعمال ہوتا ہے (۹) مَتٰی کی وضع کسی معنی کے لیے ہوئی ہے (۱۰) کیف کس معنی کے لیے آتا ہے (۱۱) ایّان کا کیا حکم ہے مع امثلہ بیان فرمائیں (۱۳) لدیٰ و لدُن میں کیا فرق ہے بیان کیجئے (۱۴) قط اور عوض دونوں منفی معنی کی تاکید کے لیے آتے ہیں دونوں میں کیا فرق ہے اس کو واضح فرمائیے (۱۵) جب ظروف کی اضافت جملہ یا اذ کی طرف ہو تو اس کا کیا حکم ہے (۱۶) أمس کا اعراب بیان فرمائیے نیز اگر اس میں کچھ تفصیل ہو تو وہ بھی بیان فرمائیے۔

والخاتمة فی سائرِ احکام الاسم ولَوَاحِقِهٖ غیر الاعراب والبناء وفیها فصول.

ترجمه: خاتمہ ہے اسم کے باقی احکام اور اس کے لواحق کے بیان میں معرب اور مبنی کے علاوہ اور اس میں دس فصلیں ہیں۔

تشریح: جب مصنفؒ معرب ومبنی دونوں کے بیان سے فارغ ہو گئے اب خاتمہ کو شروع کرتے

چنانچہ فرماتے ہیں کہ خاتمہ کے اندر ہم اسم معرب ومبنی کے علاوہ اسم کے دوسرے باقی احکام اور اس کے لواحق کو بیان کریں گے اور یہ خاتمہ دس فصلوں پر مشتمل ہوگا۔

لفظ سائر کی تحقیق: سائر مشتق ہے سوء سے بمعنی بقیہ کہا جاتا ہے سائر شیء، شئ کا باقیماندہ۔

فصل إعلَم انَّ الاسم على قسمين مَعُرفةٌ ونكرةٌ المعرفة اسمٌ وضع لشيءٍ معين وهي ستة اقسامٍ المضمراتُ والاعلام والمبهماتُ اعنى الاشاراتِ والموصولات والمُعرفُ باللامِ والمُضاف الى احدِها اضافةً معنويةً والمعرفُ بالنداءِ والعَلم ما وُضِعَ لشيءٍ لا يتناوَلُ غيرَهُ بوضعٍ واحدٍ واعرفُ المعارف المضمر المتكلِّمُ نحو انا ونحنُ ثم المخاطَبُ نحو انت ثم الغائِب نحو هُوَ ثمّ العَلم ثمَ المبهمات ثم المعرفُ باللام ثم المعرف بالنداءِ والمُضَاف فى قوة المضاف اِليه والنكرة ما وُضِعَ لشيءٍ غيرِ مُعَيَّنٍ كرَجُلٍ وفرسٍ.

ترجمہ: فصل اول جاننا چاہئے کہ اسم دو قسم پر ہے معرفہ اور نکرہ۔ معرفہ وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو شئ معین کے لیے اور اس کی چھ قسمیں ہیں (۱) مضمرات (۲) اعلام (۳) مبہمات۔ یعنی اسماء اشارات و اسماء موصولات (۴) معرف باللام (۵) مضاف ہو کوئی اسم ان میں سے کسی ایک کی طرف اضافت معنوی کے ساتھ (۶) معرفہ بہ نداء۔ اور علم وہ اسم ہے جو وضع کیا گیا ہو کسی متعین شئ کے لیے نہ شامل ہو اس شئ متعین کے غیر کو وضع واحد کے ساتھ اور تمام معارف میں سب سے زیادہ مکمل تعریف کے لحاظ سے ضمیر متکلم ہے جیسے انا و نحن پھر ضمیر مخاطب ہے پھر ضمیر غائب جیسے هو پھر علم ہے پھر مبہمات پھر معرف باللام پھر معرفہ بالنداء اور مضاف مضاف الیہ کی قوت میں ہوتا ہے تعریف کے مراتب میں۔ اور نکرہ وہ اسم ہے جو کسی غیر معین چیز کے لیے موضوع ہو جیسا کہ رجُلٌ اور فرسٌ۔

تشریح و توضیح: اعلم ان الاسم علی قسمین الخ: اس سے قبل مصنفؒ نے مبنیات کو بیان فرمایا اس میں چونکہ معرفہ کا بھی تذکرہ آیا ہے اس لیے مبنیات کے بعد معرفہ کا ذکر مناسب سمجھا اور پھر چونکہ معرفہ ونکرہ میں سے مقصود اصلی اور کثیر الاستعمال معرفہ ہے اس لیے اوّلاً معرفہ کو بیان کریں گے، بعدہٗ نکرہ کو۔ چنانچہ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اسم کی دو قسمیں ہیں (۱) معرفہ (۲) نکرہ۔

المعرفة اسمٌ وضع لشيءٍ معيَّن ۔معرفہ اس اسم کو کہتے ہیں جس سے کہ کوئی متعین شئ سمجھ میں آئے وہ متعین شئ عام ہے خواہ کسی شئ کے بہت سے افراد میں سے ایک فرد معین ہو جیسے زید انسان کے بہت سے افراد ہیں، ان میں زید بھی شامل ہے جب زید کہا تو یہ متعین ہو گیا کہ انسان کے افراد کثیرہ میں سے ہماری مراد زید نام کا ایک شخص ہے اور جیسے الرجل کہ رجل کا اطلاق فرداً فرداً سب ہی مردوں پر ہو سکتا تھا الف ولام عہد خارجی داخل ہو کر

یہاں سے خاص رجل مراد ہو گیا، جو متکلم و مخاطب کے مابین خارج میں متعین ہے یا کسی چیز کی بہت سی اجناس ہوں ان میں سے ایک جنس کو معین کر لیں جیسے اسامہ کہ یہ اسد (شیر) کی جنس کا علم ہے چونکہ حیوانات کی بہت سی اجناس ہیں، بھینس ایک جنس ہے، اونٹ ایک جنس ہے بکری ایک جنس ہے وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ حیوان کا اطلاق تو سب جنسوں پر ہوتا ہے جب لفظ اسامہ کہا تو اس سے حیوانات کی ایک جنس متعین ہو گئی، جیسے اَسَدٌ ہے جب اس پر الف ولام جنسی داخل ہو گیا تو اس سے شیر کی جنس کے تمام افراد کو متعین کر لیا جائے، جیسے اِنَّ الاِنسَانَ لَفِیْ خُسر کہ اس میں الف ولام استغراقی ہے، انسان کے سب افراد خسارے میں ہیں، تو انسان لام استغراقی کے ذریعہ معرفہ ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔ بہر حال خلاصہ یہ کہ شئ معین عام ہے خواہ وہ کسی بھی لحاظ سے متعین ہو تو شئ معین ہی کو معرفہ کہتے ہیں۔

وهی ستة اقسام الخ: تتبع وتلاش کرنے کے بعد معرفہ کی چھ قسمیں نکلتی ہیں (۱) مضمرات آپ نے ضمائر کے بیان میں پڑھا کہ اس کی ساٹھ قسمیں ہیں، یہ سب کی سب ہی معرفہ ہیں، بلا تخصیص (۲) اعلام جو جمع ہے علم کی تعریف عنقریب آ رہی ہے (۳) مبہمات مبہمات سے مراد ہے اسماء اشارات و اسماء موصولات ان دونوں کو مبہمات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اسم اشارہ کے ساتھ جب تک مشار الیہ کو نہ لایا جائے مخاطب کے نزدیک مبہم رہتا ہے کہ معلوم نہیں متکلم کے نزدیک اس کا مشار الیہ کونسی شئ ہے ایسے ہی اسم موصول کا جب کہ بغیر صلہ کے تلفظ کیا جائے تو عند المخاطب یہ بھی مبہم رہتا ہے (۴) معرف باللام جیسے الرَّجُل۔

فائدہ: الف ولام کی اولاً دو قسمیں ہیں، (۱) زائدہ جو کہ تحسین لفظ کے لیے آتا ہے جیسے اَلْحَسَنُ وَالْحُسَینُ اور اَللَّئِیْمُ جیسا کہ شاعر نے اپنے شعر میں اس کو استعمال کیا وَلَقَدْ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیْمِ یَسُبُّنِیْ (اور میں جب کسی کمینہ کے پاس سے گذرتا ہوں تو وہ مجھے گالی دیتا ہے) (۲) غیر زائدہ اس کی دو قسمیں ہیں (۱) اسمی جس کا مدخول اسم فاعل واسم مفعول ہوتا ہے جیسے الضَّارِبُ وَالمَضرُوب (۲) حرفی اس کی پھر چار قسمیں ہیں (۱) جنسی، الف جنسی وہ ہے جس کے مدخول سے جنس یعنی ماہیت اور حقیقت کا ارادہ کیا جائے، افراد کا لحاظ نہ کیا جائے جیسے الرَّجُلُ خیرٌ مِنَ المَرأَةِ رَجُل کی ماہیت عورت کی ماہیت وحقیقت سے بہتر ہے یہ مطلب نہیں کہ تمام مرد تمام عورتوں سے بہتر ہیں کیونکہ یہ تو واقع کے خلاف ہے بہت سی عورتیں مردوں سے بہتر ہوتی ہیں، جیسے حضرت عائشہؓ، خدیجہؓ، امرأة فرعون، رابعہ بصریہ وغیرہ وغیرہ سے۔

(۲) استغراقی الف لام استغراقی اس کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے تمام افراد مراد ہوں جیسے اِنَّ الانسَانَ لَفِیْ خُسر، اس میں الف لام استغراقی ہے کہ انسان کے تمام افراد خسارے میں ہیں، سوائے مومنین واعمال صالحہ کرنے والوں کے کیونکہ اگر الف ولام استغراقی نہ قرار دیا جائے تو استثناء صحیح نہ ہوگا (۳) الف ولام عہد خارجی اس کو کہتے ہیں کہ جس کے مدخول سے کوئی مخصوص فرد مراد ہو جیسے فَعَصَی فِرعَون الرَّسُول یہاں الرسول میں

الف ولام عہد خارجی ہے اس سے مخصوص فرد یعنی حضرت موسیٰ مراد ہیں (۴) الف ولام عہد ذہنی اس کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے متکلم ومخاطب کے ذہن میں کوئی مخصوص فرد نہ ہو یعنی غیر متعین ہو جیسے اِنِّیۡ اَخَافُ اَنۡ یَّاکُلُهُ الذِّئبُ الذِّئب میں الف لام عہد ذہنی ہے کوئی خاص بھیڑیا مراد نہیں ہے۔

فائدہ : یہ تفصیل اگر چہ الکلمۃ کے تحت بھی ہم بیان کر چکے ہیں مگر دوبارہ اس کے نقل کرنے سے ہمیں یہ بتلانا ہے کہ آیا الف ولام کی چاروں اقسام معرفہ ہیں، یا بعض تو اس کے متعلق یاد رکھئے کہ سوائے عہد ذہنی کے بقیہ سب اقسام میں تعریف پائی جاتی ہے صرف عہد ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے جملہ اس کی صفت واقع ہوسکتا ہے چونکہ جملہ حکم میں نکرہ کے ہوتا ہے جیسا کہ مذکورہ شعر ؎

وَلَقَدۡ اَمُرُّ عَلَی اللَّئِیۡمِ یَسُبُّنِیۡ ۔ میں یسبنی جملہ ہے اور اللئیم کی صفت واقع ہو رہا ہے، معلوم ہوا کہ اللئیم پر الف ولام عہد ذہنی کا ہے ورنہ تو جملہ کا اس کی صفت واقع ہونا صحیح نہ ہوتا۔

وَالمُضَافُ اِلٰی اَحَدِهِمَا الخ ۔ اور معرفہ کی قسم پنجم یہ ہے کہ کوئی اسم مذکورہ اقسام اربعہ میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو اور اضافت سے مراد اضافت معنوی ہے اس لیے کہ تعریف کا فائدہ صرف اضافت معنوی ہی دیتی ہے، رہی اضافت لفظی وہ تو صرف تخفیف فی اللفظ کا فائدہ دیتی ہے نہ کہ تعریف کا امثلہ اضافت الی احدہما (۱) غلامُهٗ (۲) غُلَامُ زَیۡدٍ (۳) غُلَامُ هٰذَا غُلامُ الَّذِیۡ عِنۡدِی (۴) غُلامُ الرَّجُلِ (۵) والمعرَّفُ بِالنِّدَاء۔ قسم ششم ہے معرفہ بہ نداء جیسے یَا رَجُل جب کہ رجل کی تعیین کا قصد کیا جائے تب معرفہ ہوگا اور اگر تعیین کا ارادہ نہ کیا جائے تو نداء کے بعد بھی نکرہ ہی رہے گا، جیسا کہ جب کہ نابینا اپنی مدد کے لیے پکار کر کہے یَا رَجُلُ ظاہر ہے کہ نابینا کی مراد کوئی خاص مرد نہیں ہے۔

وَالعَلَم مَا وُضِعَ لِشَیۡءٍ مُعَیَّنٍ الخ : اور علم وہ لفظ ہے جو شیٔ معین کے لیے وضع کیا گیا ہو اس طور پر کہ نہ شامل ہو اپنے غیر کو وضع واحد کے ساتھ۔

فوائد قیود: شیٔ معین تعریف میں جنس ہے جس میں اب تک تمام معارف شامل ہیں لَا یَتَنَاوَلُ غَیۡرَه فصل ہے اس قید سے جملہ معارف خارج ہوگئے۔

مصنفؒ نے وضع واحد کی قید بڑھا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ علم جس میں اشتراک ہو مگر وضع سب کی الگ الگ ہو تو ایسا لفظ بھی علم کی تعریف میں داخل رہے گا جیسے زید کسی شخص کا نام وضع کر دیا پھر کسی نے دوسرے شخص کا نام زید تجویز کر دیا اس طور پر ایک نام کے سینکڑوں شخص ہوگئے تو یہاں اگر چہ زید سب کو شامل ہے مگر وضع سب کی الگ الگ ہے۔

فائدہ: علمیت کے اندر تعمیم ہے علم خواہ منقول ہو جیسے افضل کہ پہلے یہ اسم تفضیل صیغہ صفت ہے اس میں

معنی وصفی موجود ہیں، پھر اس سے علمیت کی طرف نقل کرلیا اور خواہ وہ علم مرتجل ہو، مرتجل کہتے ہیں کہ جو لفظ کبھی بھی اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہ ہو بلکہ ہمیشہ مجازی ہی معنی میں استعمال ہو جیسے جعفر کہ پہلے چھوٹی نہر کے معنی میں استعمال ہوتا تھا، اب ہمیشہ علمیت کے لیے استعمال ہوتا ہے اور خواہ وہ علم مفرد ہو جیسے زید خواہ مرکب ہو جیسے عبداللہ اور خواہ اسم ہو جیسے عمر یا لقب ہو جیسے صدیق خواہ کنیت ہو جیسے ابوالبقاء یہ سب اعلام مذکورہ ایسے ہیں جو ذاتی معنی پر دلالت کررہے ہیں، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ علم میں معنی حدثی (مصدری) پائے جاتے ہیں جیسے سبحان کہ یہ مصدر ہے مگر تسبیح کا علم ہے اور کبھی علم وقت کا ہوتا ہے جیسے بکرة واصیلاً بکرة کہتے ہیں صبح کے وقت کو اور اصلاً شام کے وقت کو وغیرہ وغیرہ۔

اعرف المعارف الخ :معرفہ کی جتنی اقسام مذکورہ ہیں ان میں سے سب زیادہ مکمل تعریف ضمیر متکلم میں ہوتی ہے کیونکہ مخاطب کو اس میں بالکل اشتباہ نہیں ہوتا جیسے اَنَا برائے واحد متکلم نحنُ برائے تثنیہ وجمع متکلم۔

ثم المخاطب: نمبر (۲) پر ضمیر مخاطب ہے کیونکہ اس میں قدرے اشتباہ ممکن ہے جیسے انت وغیرہ (۳) ضمیر غائب ہے جیسے ھو (۴) اعلام ہیں (۵) مبہمات ہیں (اسماء اشارات وموصولات) اور (۶) معرف باللام ہے اور نمبر سات پر تعریف میں معرفہ بہ نداء ہے۔

وَالْمُضَافُ فِی قُوَّةِ الْمُضَافِ اِلَیْهِ : مطلب یہ ہے کہ مراتب تعریف میں مضاف مضاف الیہ کی قوت میں ہوتا ہے چونکہ مضاف معرفہ بنتا ہی اس وقت ہے جب کہ مضاف الیہ سے مل جائے تو گویا کہ مضاف الیہ سے اس نے اکتساب تعریف کرلیا، لہٰذا جیسے مضاف الیہ معرفہ ہوگا ویسے ہی مضاف بھی معرفہ ہوگا ھٰذَا ھُوَ الْمَشْھُوْرُ عَنْ مَذْھَبِ سیبویہ۔

فائدہ : اَعْرَفُ المَعَارِف کے سلسلے میں جو تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے یہ عام نحویوں کی رائے ہے، باقی اس سلسلے میں اختلافات کثیرہ ہیں جن کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں اگر تفصیل مطلوب ہو تو مطولات کی طرف رجوع فرمائیں یا کم ازکم حاشیہ کتاب مطالعہ کریں۔

والنکرةُ الخ : اور نکرہ وہ لفظ ہے جو موضوع ہو کسی غیر معین شئ کے واسطے جیسے رَجُلٌ وَفَرَسٌ وغیرہ علامات نکرہ کسی اسم کا حرف تعریف کو قبول کرنا (۲) ربَّ کا داخل ہونا (۳) کم خبریہ کا داخل ہونا (۴) کسی اسم کا حال واقع ہونا (۵) تمیز واقع ہونا (۶) لا بمعنی لَیْسَ کا اسم ہونا یہ سب نکرہ کی علامات ہیں۔

تمرین:

معرفہ کی اقسام سبعہ بیان فرمایئے (۲) مبہمات کن قسموں کو کہا جاتا ہے اور مبہمات کہنے کی وجہ کیا ہے (۳) الف ولام زائدہ وغیر زائدہ کی تعریف کیجئے (۴) غیر زائدہ کی کل کتنی قسمیں ہیں اور ان میں سے معرفہ کونسی قسم ہے

نکرہ کون سی (۵) علم کی تعریف بیان فرمایئے ساتھ ہی علمیت کے اندر جو تعمیم ہے وہ بھی بیان فرمایئے، ذیل کی امثلہ میں اقسام معرفہ کی شناخت کیجئے:

بَعثَ اللّٰهُ رَسُولَهٗ اِلى عِبَادِهٖ، اِبرَاهِيُمُ خَلِيُلُ اللّٰهِ ونَبِيُّه، يَا تلميذ إحُفَظُ دَرُسَكَ، مُعلّمُو المدرسةِ صالحونُ، فُزُتُ فوزاً عَظِيُماً نحنُ نُسَبِّحُ بكرةً وَأصيُلًا، أمجد رجلٌ صَالِحٌ، أبُو حَنيفَةَ الإمام الأعظم۔

فصل اسماءُ العدد ما وُضِعَ ليدُلَّ على كميةِ آحاد الاشياءِ واصولُ العَدد اثنتا عَشَرةً كلمةً واحدةٌ اِلٰى عشرةٍ ومائةٌ والفٌ واستعمالُهٗ من واحدٍ الٰى اثنَيُن على القياس اعنِى للمذكر بدون التاءِ وللمؤنث بالتاءِ تقول فى رجلٍ واحِدٌ وفى رجلَين اثنانِ وفى امرأةٍ واحدةٌ وفى امرأتين اثنتان وثنتانِ ومن ثلٰثةٍ اِلٰى عشرة على خِلافِ القياسِ اعنى للمذكر بالتاءِ تقول ثلٰثةُ رجالٍ الٰى عشرة رجالٍ وللمُؤنّثِ بدونها تقول ثلٰث نسوة الٰى عشر نسوة وبعد العشرة تقول احد عشر رجلاً واثنا عشر رجُلاً وثلٰثةَ عشر رجُلاً الى تسعة عشَر رجُلاً واحدىٰ عشرة امرأةً واثنتا عشرة امرأةً وثلٰث عشرة امرأةً الٰى تسعَ عَشرة امرأةً.

ترجمہ: اسمائے عدد وہ اسماء ہیں جو وضع کئے گئے ہوں اشیاء کے افراد کی مقدار پر دلالت کرنے کے لیے اور اصول عدد بارہ کلمے ہیں، واحدۃ سے لے کر عشرۃٌ تک یعنی ایک سے دس تک وَاحِدٌ وَاثُنَانِ وَثَلاثَةٌ وَاَربَعَةٌ وَخَمُسَةٌ وَسِتَّةٌ وَسَبعَةٌ وَثَمَانِيَةٌ وَتِسُعَةٌ وَعَشرَةٌ، اور گیارہواں کلمہ مأۃ ہے اور بارھواں الف ہے اور اس کا استعمال واحد سے اثنان تک قیاس کے مطابق ہوگا، یعنی مذکر کے لیے بغیر تاء کے اور مونث کے لیے تاء کے ساتھ کہے گا تو ایک مرد کے لیے واحد اور دو مردوں کے لیے اثنان اور ایک عورت کے لیے واحدۃ اور دو عورتوں کے لیے اِثُنَتَانِ یا ثَنَتَانِ اور تین سے دس تک کے اعداد کا استعمال خلاف قیاس ہوگا یعنی مذکر کے لیے تاء کے ساتھ جیسے کہے تو (جاء نی) ثلٰثة رجال وعشرة رجال اور مونث کے لیے بغیر تاء کے جیسے کہے تو ثلٰث نسوة وعشر نسوة اور دس کے بعد کہے گا تو اَحَدَ عَشَرَ رَجُلًا وَاِثُنَا عَشَرَ رَجُلَا وَثَلاثَةَ عَشَرَ رَجُلَا انیس تک اسی طرح (یعنی پہلا جزء مونث اور ثانی مذکر) اور مونث میں آپ کہیں گے اِحُدٰى عَشَرَةَ اِمُرَأَةً وَاِثُنَتَا عَشَرَةَ اِمُرَأَةً وَثَلٰث عَشَرَةَ اِمُرَأَةً انیس تک اسی انداز سے یعنی (جزء اول مذکر اور ثانی مونث)۔

تشریح: اس سے قبل مصنفؒ نکرہ کی بحث کو بیان کر کے آئے ہیں، اس کے بعد اسماء عدد کو بیان کرتے ہیں دونوں کے مابین وجہ مناسبت یہ ہے کہ اسماء عدد کی تفسیر اکثر نکرہ کے ساتھ کی جاتی ہے اس لیے مناسب ہوا کہ

مذکرہ کے بعد بیان کیا جائے، مگر یہاں سے اسی مناسبت پر ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ اسماء اعداد میں تذکیر وتانیث کی بحث کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اس لیے اگر ان کو تذکیر وتانیث کی بحث میں بیان کرتے تو بہتر ہوتا۔

الجواب: وجہ یہ ہے کہ اسماء اعداد کے احکام وخواص تمام اسماء سے ممتاز وجداگانہ ہیں، یعنی مذکر کے لیے مؤنث ومؤنث کے لیے مذکر تو اس وجہ سے اس کو علیحدہ سے ذکر کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کے احکام تو تمام اسماء سے ممتاز وجداگانہ ہیں۔

ما وُضِعَ لیدُلَّ علی کمیۃِ آحاد الاشیاءِ.

تعریف سے قبل یہ سمجھ لیجئے کہ احاد سے مراد افراد ہیں، اور اشیاء سے مراد معدودات ہیں (یعنی جس کو گنا جا رہا ہے) اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ اسمائے عدد وہ اسماء ہیں جو معدودات کی مقدار کو بیان کرنے کے لیے وضع کئے گئے ہوں جیسے ثلثۃُ رجالٍ میں ثلاثۃ کا عدد رجلٌ کے تین فرد ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔

فائدہ: تعریف میں واحد واثنان بھی داخل رہیں گے، چونکہ اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کم رجلاً عندك تو اس کے جواب میں واحدٌ یا اثنان کہہ سکتے ہیں، یعنی ایک مرد ہے یا دو مرد تو خلاصہ یہ کہ یہ بھی چونکہ معدود کی مقدار کو بیان کرتے ہیں اس لیے تعریف میں شامل رہیں گے۔

واصولُ العَدد اثنتا عَشرۃً کلمۃً لفظ اُصُولُ العَدَد، مبتداء اور اِثْنَا عَشَرَ کَلِمَۃ خبر، مطلب عبارت کا یہ ہے کہ اسماء اعداد میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اصل کلمے بارہ ہیں باقی تمام اعداد انہی بارہ سے ماخوذ ہیں، یعنی انہی بارہ کی فرع ہیں، مثلاً وَاحِد و اِثْنَان یہ فرع ہیں وَاحِدَۃٌ اِثْنَتَان کی ان میں صرف تاء تانیث کو لاحق کیا گیا۔ بعض اعداد میں تاء تانیث کو ساقط کر کے فرع بنایا گیا جیسے ثلث سے عشر تک یہ فرع ہیں، ثلثۃ اور عشرۃ کی، بعض میں تثنیہ کا الف زائد کر کے فرع بنایا گیا جیسے مأۃ کا تثنیہ مأتین اور الف کا الفین تو مأتین اور الفین فرع ہیں، مأۃ والف کی بعض اسماء عدد فرع ہیں، ترکیب اضافی کی وجہ سے، جیسے ثلث مأۃ یہ فرع ہے، ثلث اور مأۃ کی اور بعض اسماء عدد مرکب بنائی کی وجہ سے فرع ہیں، جیسے خمسۃ عشر وغیرہ فرع ہیں، خمسۃ اور عشر کی واحدۃ الی عشرۃ واحدۃ یہ خبر بھی ہو سکتا ہے مبتداء محذوف کی ای احدھا واحد اور بدل البعض بھی ہو سکتا ہے اثنتا عشرۃ کلمۃ سے مطلب یہ ہے کہ ان بارہ میں سے دس کلمہ تو واحدٌ سے عشر تک ہو گئے، یعنی وَاحِدٌ اِثْنَانِ ثَلَثَۃٌ اَربَعَۃٌ خَمسَۃٌ سِتَّۃٌ سَبعَۃٌ ثَمَانِیَۃٌ تِسعَۃٌ عَشَرَۃٌ۔

فائدہ: آپ شرح مأۃ میں یہ بات پڑھ کر آئے ہیں کہ الٰی کا مابعد اگر ماقبل کی جنس سے ہو تب تو الٰی کا مابعد ماقبل میں داخل ہوگا جیسے وَاَیدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ میں مرافق (کہنیاں) ایدی (ہاتھوں) میں داخل ہیں چونکہ کہنیاں ہاتھوں ہی کی جنس سے ہیں، اور اگر مابعد ماقبل کی جنس سے نہ ہو تو مابعد ماقبل میں داخل نہ ہوگا، جیسے

اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ میں لیل صیام میں داخل نہیں چونکہ لیل کی جنس اور ہے اور دن کی اور ہے اس لیے روزہ صرف دن دن کا ہوگا غروب آفتاب تک۔اس قاعدہ کے پیش نظر واحدۃٌ الی عشرۃ پر غور کرو، کہ عشرۃ بھی ماقبل کی جنس سے نہیں ہے، چونکہ دس کا عدد ماقبل میں سے ہر ایک سے مختلف ہے اس قاعدہ کے پیش نظر عشرۃ اصول عدد سے خارج ہوگیا اب سوال یہ ہوگا کہ اصول عدد بارہ کلمے نہیں ہوئے بلکہ گیارہ رہ گئے۔اس کا جواب یہ ہے کہ الی کی دو قسمیں ہیں (۱) اسقاطی (۲) امتدادی۔تو یہاں الی اسقاطی ہے اس لیے کہ واحد سے لے کر ہر ایک کے شروع میں حرف عطف محذوف ہے یعنی واحدٌ واثنان وعشرۃ۔

ومائۃ والف: ان دونوں کا عطف ہے واحدٌ پر مطلب یہ ہے کہ ان اصول عدد میں سے گیارھواں مأۃ ہے اور بارھواں الف ہے۔

واستعماله من واحد الخ: اور ان اسماء عدد کا استعمال اس طور پر ہوگا کہ واحدٌ و اثنان میں یعنی ایک اور دو میں قاعدہ وقیاس کے مطابق مذکر کے لیے بغیر تاء کے اور مؤنث کے لیے تاء کے ساتھ یعنی علامت تانیث تاء ہے تو اس لیے مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث جیسے اگر آپ ایک مرد کے لیے استعمال کرنا چاہیں تو واحدٌ کہیں گے اور دو کے لیے اثنان اور ایک مؤنث کے لیے واحدۃ اور دو کے لیے اثنتان وثنتان بالتاء۔

ومن ثلٰثۃِ الٰی عشرۃِ الخ: اور تین سے دس تک کے اعداد کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ کہ مذکر کے لیے تاء کے ساتھ اور مونث کے لیے بغیر تاء کے خلاف قیاس استعمال ہوں گے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اقل جمع تین ہے، ثلثۃ جماعت کی تاویل میں ہوگیا، اور جماعت مؤنث ہے۔لہٰذا اخیر میں تاء کو لاحق کرتے ہوئے مؤنث لائیں گے اور جب مذکر میں یہ تاء کو لاحق کر دیا گیا تو مؤنث میں تاء کو لاحق نہ کیا جائے گا، دونوں کے درمیان فرق پیدا کرنے کے لیے۔اب رہا یہ سوال کہ اس کے برعکس کیوں نہ کیا یعنی مذکر کے لیے بغیر تاء کے اور مؤنث کے لیے تاء کے ساتھ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکر چونکہ تخلیق میں مقدم ہے لہٰذا اولاً اسی کی طرف نظر کی گئی، امثلہ جیسے مذکر میں آپ کہیں، جَاءَ نِیْ ثَلٰثَۃُ رِجَالٍ وَرَأَیْتُ ثَلٰثَۃَ رِجَالٍ وَ مَرَرْتُ بِثَلٰثَۃِ رِجَالٍ، دس تک ایسے ہی کہیے اور مؤنث میں آپ کہیں گے قَرَأْتُ ثَلٰثَ نِسْوَۃٍ وَرَأَیْتُ ثَلٰث نسوۃٍ وَمَرَرْتُ بِثَلٰثِ نِسْوَۃٍ ایسے ہی دس تک استعمال کیجئے۔

وثلثۃ عشر رجلا الخ: تیرہ سے انیس تک کے قواعد اگر معدود مذکر ہے تو عدد اول کو مؤنث اور ثانی کو مذکر لایا جائے گا عدد اول کو مؤنث اس وجہ سے لاتے ہیں کہ اس کا حال جیسا کہ ترکیب سے قبل تھا ویسا ہی بعد الترکیب بھی رہے گا، تا کہ فرع اصل کے مطابق رہے۔اور جزء ثانی کو باوجودیکہ وہ بھی ترکیب سے قبل مذکر کے مع

مؤنث لایا گیا تھا، ترکیب کے بعد مذکر اس وجہ سے لایا جاتا ہے تاکہ دو آلہ تانیث کا اجتماع ایک ہی جنس (حرف تاء) لفظ واحد میں لازم نہ آئے، اس وجہ سے جزء ثانی کو مذکر استعمال کرتے ہیں اور اگر معدود مؤنث ہے تو جزء اول کو مذکر جیسا کہ قبل از ترکیب تھا اور جزء ثانی کو مؤنث لائیں گے قاعدہ کے مطابق تاکہ خلاف اصل میں کچھ تو تقلیل ہو جائے۔

امثلہ جیسے جَاءَنِیْ ثَلٰثَةَ عَشَرَ رَجُلًا (فی المذکر) وَقَرَأْتُ ثَلٰثَ عَشَرَةَ اِمْرَأَةً (فی المؤنث) انیس تک یہی طریقہ رہے گا۔

وبعد ذٰلک تقول عشرون رجُلًا وعشرون امرأةً بلا فرقٍ بینَ المذکر والمونثِ اِلٰی تسعین رجُلاً وامرأةً واحدٌ وعِشرون رجلاً واحدیٰ وعِشرونَ امرأةً وثلثة وعِشرون رجلاً واثنتان وعِشرونَ امرأةً وثلثة وعِشرون رجلاً وثلث وعِشرونَ امرأةً الٰی تسعةٍ وتسعین رجُلاً تسع وتسعین امرأةً ثم تقولُ مائة رجلٍ ومائةُ امرأةٍ والف رجلٍ وَالفُ امرأةٍ ومائتَا رجُلٍ ومائتَا امرأةٍ وَالفا رجُلٍ وَالف امرأةٍ بلا فرقٍ بین المذکّرِ والمؤنَّثِ فاذا زاد عَلَی المائةِ والالفِ یُستَعملُ علٰی قیاسٍ ما عرفتَ.

ترجمہ: اور اس کے بعد کہے گا تو عشرُون رجُلًا وعشرُون اِمرَأَةً تِسعُوْن رجُلًا وَامْرَأَةً تک بغیر کسی فرق کے مذکر ومؤنث کے درمیان۔ اور کہے گا تو بیس کے بعد سے انتیس تک۔ اَحَدٌ وَّعشرُونَ رَجُلًا احدیٰ وَعشرونَ اِمرَأَةً وَاثنانِ وَعشرُون رَجُلًا واثنانِ وَعشرون اِمرَأَةً وَثلثةٌ وعشرونَ رجُلا وثلثُ وعشرون اِمرَأَةً انتیس تک اسی انداز کے مطابق پھر نانوے کے بعد کہے گا تو مأةُ رجُلٍ ومِأَةُ اِمرَأَةٍ وَالفُ رجُلٍ وَالفُ اِمرَأَةٍ ومأتَا رجُلٍ ومأتَا اِمرأةٍ وَالفَا رجُلٍ وَالفَا اِمرَأَةٍ بغیر کسی فرق کے مذکر ومونث کے درمیان پس جب زیادہ ہو جائے کوئی عدد مأة اور الف پر تو استعمال کیا جائے گا اسی قاعدہ کے موافق جس کو آپ نے سابق میں پہچان لیا۔

تشریح: وبعد ذٰلك تقول عشرُون رجُلا وامرَأَةً الخ: بیس سے نوے تک دہائیوں کے قواعد عشرُونَ اور اس اخوات ثَلٰثُوْن وارْبَعُون وخَمْسُون وسِتُّونَ وَسَبْعُون وثَمانُوْن وتِسْعُوْنَ مذکر ومؤنث دونوں معدود کے لیے لفظ عشرون وغیرہ میں کوئی فرق نہیں، ہر حال میں برابر رہے گا، جیسے عِشْرُوْنَ رَجُلًا وَثَلٰثُوْنَ رَجُلًا وَعِشْرُوْنَ امْرَأَةً وَثَلٰثُوْنَ امْرَأَةً۔

فائدہ: لفظ عِشْرُوْنَ کو عشرةٌ سے بنایا گیا عین کے فتحہ کو کسرہ سے تبدیل کر دیا یہ حرکت کی تبدیلی صرف عِشرُون میں آئی ہے نہ کہ اس کے اخوات ثَلٰثُوْن وغیرہ میں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کے اخوات میں

معنی کا امکان ہے اس وجہ سے تغیر جائز نہیں جیسا کہ ثَلٰثُوْن ہے، ممکن ہے کہ یہ ثلٰثۃٌ کی جمع ہو، اس لیے کہ جمع کثرت کا اطلاق دس پر ہوتا ہے تو دس ثلٰثۃ تیس ہو جائیں گے ایسے ہی اربَعُون میں دس اربعۃٌ چالیس ہو جائیں گے اور یہی حال ہے خَمْسُوْن وغیرہ کا برخلاف عشرُوْنَ کے کہ اس میں عَشَرَۃٌ کی جمع کا قطعاً امکان نہیں اس لیے کہ اگر جمع قلت مانا جائے تو ۳ عشرۃ تیس ہوئے تو عشرون کا اطلاق تیس پر ہوگا اور اگر جمع کثرت مانا جائے تو دس عشرۃ ایک سو ہو جائیں گے اس صورت میں اطلاق عشرون کا مأۃ پر ہوگا، اس لیے اس میں جمع کا قطعاً امکان نہیں، اسی عدم امکان کی وجہ سے عین کا فتحہ کو کسرہ سے بدل دیا دوسری بات یہ بھی ذہن نشین رکھیں کہ جیسے گیارہ سے انیس تک کے اعداد کو مرکب کر کے مبنی بر فتحہ کیا گیا جب کہ اکیس سے ننانوے تک کے اعداد کو مرکب نہ کیا گیا ان کو حرف عطف درمیان میں داخل کر کے کیوں پڑھتے ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عشرون وغیرہ میں واؤ اور یا اعراب کی علامت ہے۔ اگر ان کو مرکب کیا جائے تو یہ مبنی ہوں گے تو اس صورت میں معرب و مبنی کا یکجا ہونا لازم آئے گا جو کہ سخت ممنوع ہے۔

واَحَدٌ وعِشْرُوْنَ رجُلًا الخ: اکیس سے انتیس تک کے قواعد اکیس اور بائیس میں مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث اور تیئس سے انتیس تک وہی ترتیب رہے گی جو تین سے دس تک تھی، یعنی مذکر کے لیے عدد مؤنث اور معدود مؤنث کے لیے عدد مذکر اور یہی حال ہے ننا وے تک، امثلہ ہر ایک کی متن کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

ثُمّ تقولُ مِائۃُ رَجُلٍ الخ : مطلب یہ ہے کہ لفظ مِائۃ بمعنی یک صد اور الُفٌ بمعنی یک ہزار یہ دونوں مذکر و مونث ہر دو کے لیے یکساں رہیں گے اور ایسے ہی مِائۃ کا تثنیہ مِأتا بمعنی دو صد اور الف کا تثنیہ الفاً بمعنی دو ہزار یہ بھی تذکیر و تانیث میں برابر رہیں گے ان کی امثلہ بھی متن میں ملاحظہ فرمائیں۔

فاذَا زَادَ علی المأۃِ وَالالفِ الخ : مطلب یہ ہے کہ جب لفظ مأۃ اور الف پر کوئی عدد زیادہ ہو جائے تو اس کے استعمال کا طریقہ وہی ہوگا جو ایک سے لے کر ننانوے تک کا ہے۔ اور اس عدد کا لفظ مأۃ پر عطف کیا جائے گا، جیسے آپ کو کہنا ہے ایک سو تین مرد تو اس طرح کہیں گے مائۃ وثلثۃ رجالٍ ایسے ہی مؤنث میں مأۃ وثلث نسوۃ اور ایک سو گیارہ کے لیے مذکر میں مائۃ واحد عشر رجلاً اور مؤنث میں مِائۃٌ وَاِحدیٰ عشرۃَ اِمْرَأۃً اور ایک سو تیرہ کے لیے مِأۃٌ وثَلٰثَۃَ عَشر رجُلًا وَمِائۃٌ وثَلٰث عشرۃ امرَأۃً اور ایک سو ننانوے کے لیے مِائۃَ وتسعَۃ وتسْعُون رَجُلًا ومِائۃَ وتِسع وتِسْعُونَ اِمْرَاۃٌ تو خلاصہ یہ ہے کہ ایک سو ننانوے تک یہی طریقہ رہے گا پھر دو سو سے نو سو ننانوے تک یہی طریقہ رہے گا اور جب لفظ الف پر کوئی عدد زائد ہوگا تو اس کا طریقہ بھی مائۃ والا ہی رہے گا۔

ویُقدَّمُ الالَفُ علی المائۃِ والمائَۃُ عَلَی الْاٰحادِ وَالْاٰحادُ علَی العَشَرَاتِ تقولُ عندی اَلفٌ وَمائۃٌ وَاحدٌ وعِشرون رجُلاً والفانِ وَمائتانِ وَاثنان وعشرون رجلاً واربعۃُ الٰافِ وتسعُمائۃٍ وخمسٌ واربعون امرأۃً وعلیک بالقیاس.

ترجمہ: اورمقدم کیا جائے گا اَلفٌ کو مِائۃٌ پراور مائۃ کواکائیوں پراوراکائیوں کودہائیوں پرآپ کہیں گے عِندِی اَلفٌ وَمِائۃٌ وَاَحَدٌ وَعِشْرُوْنَ رَجُلاً ایک ہزارایک سوا کیس مرد، وَاَلْفَانِ وَمِأتانِ وَاثنان وعشرُوْنَ رَجُلاً دوہزاردوسوبائیں مرد، وَاَرْبَعَۃُ اٰلَافٍ وَتِسعُ مِائَۃٍ وَخَمسٌ وَاَرْبَعُوْنَ اِمْرَأَۃً چارہزار نوسو پینتالیس عورتیں اور باقی امثلہ کومذکورہ مثالوں پرتجھ کوقیاس کرنالازم ہے۔

تشریح: مطلب عبارت کا یہ ہے کہ جب بڑے اعداد میں سے الفٌ ومأۃٌ اوران کے ساتھ اکائیاں اوردہائیاں بھی جمع ہوجائیں تو بڑے عدد کو چھوٹے پرمقدم کریں گے، اوراس کے بعد اکائی کودہائی پرمقدم کریں گے مثلاً پہلے الفٌ کو پھر مأۃٌ کو پھر اکائی کو پھر دہائی کو جیسا کہ آپ کہیں عندی الفٌ ومائۃٌ واحدٌ وعشرون رجُلاً (ایک سوگیارہ مرد) وعندی الفٌ و مائۃٌ واحدٰی عشرہ امرأۃ ایک سوگیارہ عورتیں اوردوہزاردوسو بارہ مرد کے لیے کہا جائے گا الفان ومأ تان واثنان وعشرون رجلا اور چار ہزارنوسو پینتالیس عورتوں کے لیے کہا جائے گا، اربعۃُ آلاف وتسعُ مِائۃٍ وخمسٌ واربعون امرأۃ اس کے علاوہ جتنی بھی کم وبیش گنتی تیار کرنا ہو اسی قیاس کے مطابق بنالیں۔ اس مقام پر یہ بھی جائز ہے کہ پہلے اکائی دہائی کولایا جائے پھر مائۃ والفٌ کو جیسے عندی اَحَدَ عَشَرَ وَمِائۃٌ وَاَلفٌ رَجُلٍ۔

واعلم انَّ الواحِدَ وَالاثنین لاممیِّز لهما لانَّ لفظ المُمیِّز یُغنِی عن ذکرِ العدد فیهما تقول عندی رجلٌ ورجلان وأما سائرُ الا عداد فَلا بُدَّ لها من ممیِّزٍ فتقول ممیز الثلٰثۃ الی العشرۃ مخفوضٌ مجموعٌ تقول ثلٰثۃ رجالٍ وثلٰث نسوۃٍ الا اذا کان الممیّز لفظَ المائۃِ فحینئذٍ یکونُ مخفوضاً مفرداً تقول ثلٰث مائۃٍ وتسع مائۃٍ والقیاسُ ثلٰثُ مِاٰت او مِئِینَ وَممیّزُ احد عشر الٰی تسعۃٍ وتِسعِین منصوبٌ مفردٌ تقول احد عشر رجلاً واحدٰی عشرۃ امرأۃً وتسعۃُ وتسعون رجلاً وتسع وتسعون امرأۃً وممیزُ مائۃٍ والفٍ و تثنیتهما وجَمعِ الالفِ مخفوضٌ مفردٌ تقول مائۃُ رجُلٍ ومائۃُ امراۃٍ والفُ رجُلٍ وَالفُ امرأۃٍ ومائَتَا رجُلٍ و مائَتَا امرَأۃٍ وَالفا رجُلٍ والفا اِمرَأۃٍ وثلٰثۃُ الٰافِ رجُلٍ وثلٰث الٰافِ امرأۃٍ وقِسُ عَلیٰ هٰذا.

ترجمہ: اورجان تو کہ وَاحِدٌ اور اِثْنَیْنِ ان دونوں عدد کی تمیز نہیں آتی اس لیے کہ لفظ ممیّز یعنی تمیز مستغنی

نظر بے نیاز ہے، عدد کے ذکر سے ان دونوں میں کہے گا تو عِـنْـدِیْ رَجُلٌ وَرَجُلانِ اور رہے ان کے علاوہ سب اعداد ان کے لیے تمیز کا ہونا ضروری ہے پس تین سے دس تک کی تمیز کو آپ مجرور مجموع پڑھیں گے کہے گا تو ثَـــلٰثَۃُ رِجَـالٍ وثَـلٰثُ نِسْوَۃٍ مگر جب کہ ثَلٰثَۃ سے عشرۃٌ کی تمیز لفظ مِأۃ ہو تو اس وقت تمیز مجرور مفرد ہوگی کہے گا تو ثلٰثُ مِائَۃٍ وَتسعُ مِأۃٍ اور قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ ثلٰثُ مِأت (بالجمع المؤنث السالم) یا ثلٰثُ مِئَین (بالجمع المذکر السالم) ہوتا اور گیارہ سے ننانوے تک تمیز منصوب مفرد ہوگی، کہے گا تو اَحَـدَ عَشَـر رَجُلًا وِاحـدیٰ عَـــشَـرۃَ امْرَأۃً وَتسعَۃٌ وَتسعُوْنَ رجُلًا وتسعٌ وتسعُوْنَ امرأۃً اور لفظ مائـۃ اور الفٌ اور ان دونوں کے تثنیہ اور الفٌ کی جمع ان سب کی تمیز مجرور مفرد ہوگی جیسے کہے گا تو مـائۃُ رَجُلٍ وَمِائَۃُ امْرَأۃٍ وَالفُ رَجُلٍ وَاَلفُ امْرَأۃٍ وَمِـأتَـا رَجُـلٍ وَمِأتَا اِمْرَأۃٍ وَاَلْفَا رَجُلٍ واَلفَا اِمْرَأۃٍ وَثلٰثَۃُ آلافِ رَجُلٍ وثلٰث آلافِ اِمْرَأۃٍ اور باقی مزید اسمائے اعداد ہیں سب کو اسی پر قیاس کر۔

تشریح : وَاعـلَـمْ انَّ الْـوَاحِدَ وَالاِثْنَیْنِ الخ: عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اسمائے اعداد میں سے واحد اور اثنین اور ایسے ہی ان کے مؤنث واحـدۃ اور اثـنـتـین کو ان کی تمیز کے ساتھ استعمال نہیں کیا جاتا، جیسے واحد رَجُـلٌ، واِثْـنَـان رجُلَان نہیں کہا جاتا، اس لیے کہ لفظ ممیّز یعنی جو اسم تمیز بننے کی صلاحیت رکھتا ہے مثلاً لفظ رجل ورجلان ان کو عدد کی ضرورت نہیں اس لیے کہ یہ خود وحدت وتثنیہ ہونے پر دلالت کرتے ہیں، رجل ایک مرد اور رجُلان دو مرد ہونے پر دلالت کرتا ہے، اس لیے ایسا نہیں کریں گے کہ واحد یا اثـنـتین کو ممیّز بنادیں اور پھر رجـــل رجـــلان کو بطور اس کی تمیز کے ذکر کریں۔ اسی سے آپ کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی، کہ بغیر تمیز کے واحد و اثنان کو استعمال کرسکتے ہیں مثلاً تاکید کے لیے جیسے نَفخَۃٌ واحِدَۃٌ وَرجُلٌ وَاحِدٌ وَاِمْرَأۃٌ وَاحدَۃٌ وَرَجُلان اثـنـانِ وَاِمْـرَأتـانِ اِثنتَانِ وثِنْتَانِ یا اسی طرح سے کسی نے کم استفہامیہ کے ذریعہ سے سوال کیا جیسے کَمْ رَجُلًا عِنْدَكَ تو اس کے جواب میں آپ کہیں واحدٌ یا اِثْنَان۔

وأمَّا سَائِرُ الاعْدَادِ الخ: جب سابق میں یہ بیان کیا کہ واحد واثنین کو بطور تمیز کے استعمال نہیں کیا جاتا تو یہ وہم ہوسکتا تھا کہ شاید تمام اسماء عدد۔ کا یہی حال ہے کہ کسی کی بھی تمیز نہیں لائی جاتی اس عبارت سے اس وہم کو دفع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واحد واثنان کے علاوہ باقی تمام اعداد کے لیے ضروری ہے کہ ان اعداد کے بعد تمیز کو لایا جائے۔

فتقولُ مُمیِّزُ الثَلٰثۃِ اِلٰی العشرۃِ الخ: یہاں سے تمیز کی حالت کے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ تین سے دس تک کی جو تمیز آئے گی وہ مجرور ہوگی اور جمع ہوگی پھر جمع بھی عام ہے خواہ لفظاً ہو جیسے ثلٰثۃ رجال خواہ از روئے معنی کے ہو پھر جمع از روئے معنی کے یا تو اسم جنس ہو جیسے تَمر اور عَسَل یا اسم جمع ہو جیسے رَهْطٍ لفظاً جمع نہیں ہے بلکہ معنی

ہے چونکہ یہ قوم کے معنی میں ہے پھر تمیز کے جمع لانے کے سلسلے میں یہ بھی یاد رکھیں کہ اولا اس تمیز کو جمع تکسیر لائیں اگر جمع تکسیر آ سکتی ہو پھر جمع تکسیر میں بھی اولاً جمع قلت کو لائیں گے اگر اس کی جمع قلت ہو ورنہ پھر جمع کثرت لائیں گے اور اگر جمع تکسیر نہ آ سکتی ہو تو پھر ہر حال میں جمع مؤنث سالم لائیں گے جمع مذکر سالم بالکل نہ آئے گی جیسے عورة سے ثلٰثُ عَورَاتٍ سُنبُل سے سُنبُلاتٍ۔

فائدہ: سوال یہ ہے کہ تین سے دس تک کی تمیز مجرور اور جمع کیوں آتی ہے؟

الجواب: مجرور اس وجہ سے آتی ہے کہ چونکہ ثلثۃ سے عشرۃ تک کے عدد کثیر الاستعمال ہوتے ہیں اس لیے تخفیف کی وجہ سے عدد کی اضافت تمیز کی جانب کردی گئی چونکہ اضافت سے تنوین اور نون تثنیہ وجمع ساقط ہونے کی وجہ سے تخفیف پیدا ہو جاتی ہے اور جمع اس وجہ سے لاتے ہیں کہ تین اور اس سے مافوق جمع ہے تو اس کی تمیز کو بھی جمع ہی لایا جائے تاکہ معدود وعدد کے مطابق ہو جائے۔

اِلَّا اِذَا کَانَ الممیّز لَفظَ الِمأۃِ الخ: مذکورہ بالا قاعدہ سے لفظ مأۃ مستثنٰی ہے یعنی تین سے نو تک کی تمیز اگر لفظ مأۃ ہو تو اس وقت تمیز مجرور مفرد ہوگی جیسے ثلٰثُ مِائۃٍ وَتِسعُ مِائۃ، اگرچہ قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ تمیز جمع مؤنث سالم یا جمع مذکر سالم مأت یا مئین آتی مگر مأت تو اس وجہ سے نہیں آئی کہ اس صورت میں تین تاء کا اجتماع لازم آتا ہے جو کہ مکروہ ہے وہ اس طور پر کہ ایک مأۃ مفرد کی تاء دوسری مأت جمع مؤنث ہے تو جمع مؤنث میں تاء مکرّر ہوتی ہے دوسری تاء گویا کہ معنوی ہوگئی اور تیسری جمع مؤنث سالم کی تاء ہے تو اس طور پر تین تاء کا اجتماع لازم آتا ہے۔ اور جمع مذکر سالم مئین اس وجہ سے نہیں آئی کہ عدد کی اضافت جمع مذکر سالم کی طرف جائز نہیں کیونکہ جمع مذکر سالم اشرف جمع ہے جو خاص ہے ذوی العقول کے ساتھ اور عدد کا مضاف الیہ جو ہوتا ہے وہ ذوی العقول کے ساتھ مختص نہیں ہوا کرتا بلکہ اس کا استعمال اکثر غیر ذوی العقول میں ہی ہوتا ہے تو اگر تمیز جمع مذکر سالم لائیں تو جمع مذکر سالم کا استعمال ذوی العقول وغیر ذوی العقول سب میں لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے اس لیے کہ فرق مراتب تو ضروری ہے جیسا کہ شاعر نے کہا۔

در ہر مرتبہ وجوہ حکمے دارد گر فرق مراتب نکنی زندیقی

ومُمیّز اَحَدَ عَشَرَ الخ: اور گیارہ سے ننانوے تک کے اعداد کی تمیز منصوب مفرد ہوگی اب رہا یہ سوال کہ تمیز ان اعداد کی منصوب کیوں ہوتی ہے مرفوع یا مجرور کیوں نہیں ہوتی۔

الجواب: مرفوع اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ تمیز چونکہ فضلہ ہوتی ہے اور رفع عمدہ ہوتا ہے اس لیے رفع ممکن نہیں اور مجرور اس وجہ سے نہیں ہوتی کہ گیارہ سے اُنیس تک کے اعداد کو اگر تمیز کی جانب مضاف کریں گے تو تین اسموں کا ایک اسم ہونا لازم آئے گا، اور یہ جائز نہیں۔ اور عشرُون اور اس کے اخوات میں بھی اضافت جائز نہیں

چونکہ اضافت کی صورت میں نون کو یا تو باقی رکھیں گے یا نہیں اگر باقی رکھیں گے تو چونکہ عِشْرُوْن وغیرہ کا نون جمع کے نون کے مشابہ ہے اور اضافت کی حالت میں نون جمع باقی نہیں رہا کرتا اگر باقی رکھتے ہیں تو خلاف قاعدہ لازم آئے گا اس لیے اضافت کر دیں تو نون چونکہ حقیقت میں جمع کے واسطے نہیں ہے بلکہ اصلی ہے تو حرف اصلی کا حذف لازم آئے گا، اور اگر حذف جائز نہیں لہٰذا نصب متعین ہو گیا اور مفرد اس وجہ سے کہ مفرد بہ نسبت جمع کے اصل بھی ہے، اور اخف بھی اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تک اصل پر عمل ممکن ہو فرع کی طرف عدول جائز نہیں ہوا کرتا۔

وَمميّز مِائَةٍ وَالفِ الخ: اور مائۃ والف اور ان دونوں کے تثنیہ اور الف کی جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوتی ہے۔

سوال: مجرور کیوں ہوتی ہے؟

الجواب: مجرور اس وجہ سے ہوتی ہے کہ مائۃ اور الفٌ اصول اعداد میں سے ہیں اور ان کے علاوہ باقی اصول یعنی ثلثۃٌ وغیرہ کی تمیز مجرور ہوتی ہے تو مناسب ہوا کہ ان کی تمیز بھی مجرور ہو تا کہ جملہ اصول کی تمیز اعراب میں موافق ہو جائے۔ اور ان کی تمیز مفرد اس وجہ سے ہوتی ہے کہ مائۃ و الف الفاظ عددی ہیں، ان کے معنی کے اندر کثرت پائی جاتی ہے اب اگر تمیز کو جمع لائیں تو چونکہ معنی میں بھی ثقل ہے اور جمع کے الفاظ میں بھی ثقل ہے تو لفظی اور معنوی دو ثقل جمع ہو جائیں گے اور یہ مکروہ ہے اس وجہ سے تمیز کو مفرد لانا پڑا۔

فائدہ: لفظ مأۃ چونکہ مؤنث ہے جب اس کو تمیز بنائیں گے تو اس کے ممیّز (عدد) بغیر تاء کے لائیں گے جیسا کہ قاعدہ ہے اور الفٌ چونکہ مذکر ہے اس لیے جب اس کے ماقبل عدد لائیں گے تو مؤنث (بالتاء) لائیں گے جیسے ثلثۃُ آلافٍ مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ مُنْزِلِیْنَ۔

تمرین:

اسماء اعداد کی تعریف بیان کیجئے (۲) اسماء اعداد میں اصل کلمے کتنے ہیں (۳) واحد و اثنان کے لیے کیا قاعدہ ہے (۴) ثلثۃ سے عشرۃ تک اعداد کے لیے کیا قاعدہ ہے اور تمیز کیا لائی جائے گی (۵) گیارہ اور بارہ کے لیے کیا قاعدہ ہے اور تمیز کیسی لائی جائے گی (۶) تیرہ سے انیس تک کے لیے کیا قاعدہ ہے اور تمیز کیسی لائی جائے گی (۷) دہائیوں عشرون سے تسعون تک کے لیے کیا قواعد ہیں اور تمیز کیسی لائی جائے گی (۸) اکیس سے ننانوے تک کے لیے کیا قواعد ہیں اور تمیز کیسی لائی جائے گی (۹) لفظ مائۃ اور اس کا تثنیہ وجمع اور لفظ الف اور اس کا تثنیہ وجمع کی تمیز کیسے لائی جائے گی (۱۰) اگر لفظ مائۃ والف پر کوئی عدد زیادہ ہو جائے تو استعمال کا کیا طریقہ ہے (۱۱) لفظ واحد اور لفظ اثنان کی تمیز کیوں نہیں آتی۔

فصل الاسم امّا مذکر واما مؤنث فالمؤنث ما فیه علامة التانیث لفظاً اوْ تقدیراً والمذکر ما بخلافه وعلامةُ التانیث ثلاثةٌ، التاء کطلحة والالف المقصورةُ

کحُبلیٰ والالف الممدودة کحمراء وَالمقدرة انما هو التاء فقط کارضٍ ودارٍ بدلیل اُرَیْضَـةٍ ودُویرة ثم المؤنث علی قسمین حقیقیٌّ وهو ما بـازائهٖ ذکر مِن الحیوان کـامرأةٍ وناقةٍ ولفظِیٌّ وهُوَ ما بخلافهٖ کظلمة وعین وقد عرفتَ احکامَ الفعل اذا اُسنِدَ اِلی المؤنث فلا نعیدها.

ترجمہ: اسم یا تو مذکر ہوگا اور یا مؤنث ہوگا پس مؤنث وہ ہے کہ جس میں لفظاً یا تقدیراً علامت تانیث ہو، اور مذکر وہ ہے جو اس کے خلاف ہو اور علامت تانیث تین ہیں (۱) تاء جیسے طَـلْـحَةٌ (۲) اور الف مقصورہ جیسے حُبْـلـیٰ (۳) اور الف ممدودہ جیسے حمـراء اور تانیث تقدیری صرف تاء ہے جیسے اَرْضٌ اور دَارٌ اُرَیْضَةٌ وَدُوَیْرَةٌ کی دلیل کے ساتھ پھر مؤنث کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی اور حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابلے میں حیوان مذکر ہو جیسے اِمْرَأَةٌ وَنَاقَةٌ (۲) لفظی ہے اور وہ وہ ہے جو حقیقی کے خلاف ہو جیسے ظُلْمَةٌ اور عَیْنٌ۔ اور پہچان لیا ہے آپ نے فعل کے احکام کو جب کہ وہ مؤنث کی طرف مسند ہو لہٰذا اب ہم اس کا اعادہ نہیں کریں گے۔

تشریح: اسمائے عدد کے بیان میں تذکیر و تانیث کا بیان آیا اس لیے مستقل طور پر اس فصل میں تذکیر و تانیث کو بیان فرماتے ہیں۔ الاسم اما مذکر واما مونث اسم کی دو قسمیں ہیں مذکر یا مؤنث سوال تقسیم میں مذکر کو مقدم اور مؤنث کو مؤخر اور تعریف کرتے وقت مؤنث کو مقدم اور مذکر کو مؤخر کیوں کیا؟

الجواب: بوقت تقسیم مذکر کو اس لیے مقدم کیا کہ وہ پیدائش اور رُتبہ کے لحاظ سے مؤنث پر مقدم ہے اور تعریف کرتے وقت مؤخر اس وجہ سے کیا کہ اس کی تعریف عدمی ہے اور مؤنث کی وجودی ہے اور وجود راجح ہوتا ہے عدم پر اور دوسرے اس وجہ سے موخر کیا تا کہ بیان میں اختصار ہو جائے، ورنہ اگر تعریف میں بھی مقدم کرتے تو اختصار فوت ہو جاتا جو کلام کی ایک بہت بڑی خوبی ہوا کرتی ہے اس لیے کہ لفظ علامت تانیث کو مکرر ذکر کرنا پڑتا۔

فَالمُؤنّثُ مَا فیه علامةُ التّأنیث الخ : مؤنث اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس میں تانیث کی علامتوں میں سے کوئی علامت موجود ہو خواہ علامت لفظاً ہو یا تقدیراً پھر لفظاً خواہ حقیقتاً ہو جیسے اِمْـرَأةٌ وَطَلْـحَةٌ یا حکماً ہو (مان لیا گیا ہو) جیسے عَـقْـرَب کہ اس میں حرف رباعی تائے تانیث کے حکم میں ہے اور تقدیری کی مثال عنقریب ہی آ رہی ہے، فَلْتَـنتَظر والمذکر ما بخلافه اور مذکر وہ اسم ہے جس میں کوئی علامت تانیث موجود نہ ہو جیسے رَجُلٌ۔ وعلامة التَّانِیث ثلٰثةٌ اور علامت تانیث تین ہیں (۱) تاء جو حالت وقف میں ھاء ہو جاتی ہے، جیسا کہ طلحة یہ ایک مرد کا نام ہے اس میں جو تـاء ہے یہ علامت ہے لفظ کے مؤنث ہونے کی یہی وجہ ہے کہ جب اس کے لیے فعل لائیں گے تو مذکر لائیں گے جیسے قَالَ طَلْحَةٌ۔

فائدہ: تاء بہت سے معانی کے لیے آتی ہے کبھی کسی اسم میں سماعی طور پر تذکیر و تانیث کے درمیان فرق

ـنے کے لیے جیسے شیخ اور شیخۃٌ اِمْرَأ واِمْرَأۃٌ انسانٌ واِنْسَانۃٌ اورکبھی تاء کسی صیغہ صفت میں اس کے مذکر ومؤنث ہونے کے درمیان فرق بیان کرنے کے لیے آتی ہے قیاسی طور پر جیسے قَائمٌ و قَائمَۃٌ مکرّمٌ مکرّمَۃٌ وغیرہ (۲) کبھی تا آتی ہے واحد وجمع کے مابین فرق بیان کرنے کے لیے جیسے بِغَال اور بِغَالَۃٌ بِغَال واحد ہے بمعنی خچر اور بِغَالَۃٌ جمع ہے (۳) کبھی آتی ہے تاء صفت کی تاکید جیسے کے لیے علّامۃٌ (۴) کبھی خود تانیث ہی کی تاکید کے لیے آتی ہے جیسے نَعْجَۃٌ (۵) کبھی استعمال ہوتی ہے صرف نسبت کے لیے جیسے مَغَارِبٌ جمع ہے مغربی کی (٦) کبھی مستعمل ہوتی ہے جمع کی تاکید کے لیے جیسے جَمَالَۃٌ جمال جمع ہے جَملٌ کی بمعنی اونٹ۔

والالف المقصورہ اوردوسری علامت الف مقصورہ ہے جیسے حُبْلٰی الف مقصورہ کہتے ہیں اس الف کو جو تین حرف کے بعد ہو اور اس کے آخر میں ہمزہ نہ ہو اور نہ وہ الف الحاق کے لیے ہو جیسے فَتٰی اور اَرْطٰی یہ الف ملحق ہے جعفر کے ساتھ اور نہ الف زیادتی کے لیے ہو جیسے قَبَعْثَرٰی وَالالف الممدودۃ اورتیسری علامت تانیث الف ممدودۃ ہے اورالف ممدودہ کہتے ہیں اس الف کو کہ جس کے آخر میں ہمزہ ہو جیسے حمراء وصحراء۔

والمقدرۃ الخ: ماقبل میں حضرت مصنفؒ نے بیان فرمایا تھا کہ علامت تانیث کبھی لفظاً ہوتی ہے اور کبھی تقدیراً، اب یہاں سے اس تقدیری کی تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ وہ علامت جو مقدر ہوتی ہے وہ صرف تاء ہے الف مقصورہ وممدودہ کبھی مقدر نہیں ہوتے۔ کَارْضٍ ودَارٍ جیسے اَرْضٌ اور دارٌ کہ ان دونوں میں تاء مقدر ہے چونکہ ان کی تصغیر اُرَیْضَۃٌ ودُوَیْرَۃٌ آتی ہے اور تصغیر کے ذریعہ سے ہر اسم کی اصل کا پتہ چل جاتا ہے تو جب ان کی تصغیر میں تاء موجود ہے اس سے معلوم ہوا کہ ان میں بھی تاء موجود ہے جس کو مقدر کر دیا گیا۔

ثُمَّ المؤنّثُ علٰی قِسمَیْن الخ: یہاں سے اسم مونث کی تقسیم بیان فرماتے ہیں باعتبار ذات کے کہ مؤنث کی دو قسمیں ہیں (۱) حقیقی، اسی کو خلقی بھی کہتے ہیں اس کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم کہ جس کے مقابلے میں کوئی حیوان مذکر ہو اور علامہ صاحب صمدیہ نے تعریف یہ کی ہے کہ مؤنث حقیقی وہ ہے جو صاحب فرج ہو خواہ اس میں علامت تانیث پائی جائے یا نہ پائی جائے، جیسے امرأۃ کہ اس کے مقابلہ میں رَجُلٌ ہے اور نَاقَۃ کہ اس کے مقابلے میں جمل ہے مثال اس مؤنث حقیقی کی کہ جس میں علامت تانیث نہ پائی جائے جیسے اَتَانٌ بمعنی گدھی کہ اس کے مقابلے میں حمار ہے، اور مؤنث کی دوسری قسم لفظی ہے اور لفظی اُسے کہتے ہیں کہ جس کے مقابلے میں کوئی حیوان مذکر نہ ہو خواہ اس میں علامت تانیث ہو یا نہ ہو جیسے ظُلْمَۃٌ و قُوَّۃٌ نَخلۃٌ یہ مثال ہے تانیث لفظی حقیقی کی و عین یہ مثال ہے تانیث لفظی تقدیری کی اس لیے کہ اس کی تصغیر عُیَیْنَۃٌ آتی ہے۔

فائدہ: جمع مکسر بھی تانیث لفظی ہی کے حکم میں ہوتی ہے جیسے رجَال اور ایسے ہی جمع مؤنث سالم بھی جیسے مُسْلِمَات، اگرچہ جمع مؤنث سالم کا واحد مؤنث حقیقی ہوتا ہے جیسے مُسْلِمَۃٌ کہ اس کے مقابلے میں حیوان مذکر

لازم ہے۔ وقَدْ عَرفتَ الخ فعل فاعل جب مؤنث حقیقی یا غیر حقیقی ہو تو فعل کو کہاں مذکر لایا جائے اور کہاں مؤنث اس کی مکمل تفصیل ہم مرفوعات میں فاعل کی فصل میں بیان کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں تفصیل کے خواہشمند وہیں رجوع فرمائیں۔

تمرین:

اسم کی باعتبار جنس کے کتنی قسمیں ہیں (۲) علامت تانیث کتنی ہیں تاء کتنے معانی کے لیے آتی ہے (۳) فتی اورارطی اور قبعثری کے آخر میں الف کونسا ہے (۴) مؤنث کی باعتبار ذات کے کتنی قسمیں ہیں۔

تمرین: مندرجہ ذیل جملوں میں مذکر ومؤنث، مؤنث کی کونسی قسم ہے تعیین کیجئے:

قَال مـالك إنَّـكُم مَـا كثُـوْن، قَامَ طَلحَةُ، هذه نعجةٌ واحدةٌ، بُشْرىٰ صَائِمَة، اَرضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ، زَينبُ اِمْرأةٌ جَمِيلَةٌ، صَحْراءُ اَفْرِيقَةٌ طَويلَةٌ۔

فصل المثنّٰی اسمُ ألحقَ بأخرة الفٌ او ياءٌ مفتوحُ ما قبلَها نونٌ مكسورة ليدلَّ علٰی اَنَّ معهٗ آخرَ مثلَهٗ نحو رجُلان ورجلَينِ هٰذا فی الصحيح اما المقصور فان كانت الفُهٗ منقلبة عن واوٍ وكان ثلاثيًا رُدَّ الٰی اصلهٖ كعصوان فی عصا وَاِن كانت عن ياءٍ او واو وهو اكثر من الثلاثی او ليست منقلبةً عن شیء تُقلب ياءً كرحيان فی رحٰی وملهيان فی ملهٰی وحباريان فی حُبارٰی وحُبْلَيان فی حُبْلٰی واما الممدودُ فان كانت همزتُهٗ اصليةً تثبتُ القُرَّآنِ فی قُرَّاءٍ وان كانَتُ للتانيث تقلب واوا كحمراوان فی حمراءَ وان كانَت بدلاً مِن اصلٍ واوًا وياءً جاز فيه الوجهان ككسا وان وكسان اٰن.

ترجمہ: تثنیہ وہ اسم ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف یا یائے ماقبل مفتوح اور نون مکسور لاحق کیا گیا ہو تا کہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس ملحق بہ کے ساتھ اس کے جیسے (وحدت اور جنس میں) دوسرا بھی ہے جیسے رجلان ورجُلَین یہ اسم صحیح کے اندر ہے۔ بہر حال اسم مقصور کے اندر (الحاق کا طریقہ یہ ہوگا) کہ اگر اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہو اور وہ سہ حرفی بھی ہو تو اسی کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا جائے گا جیسے عصَا میں عصوان۔ اور اگر ہو اس کا الف یا سے بدلا ہوا یا واؤ ہی سے بدلا ہوا، مگر وہ ثلاثی سے زائد ہو (چار حرفی ہو یا زائد) یا نہیں ہے بدلا ہوا کسی چیز سے، تو اس الف کو یا سے مبدل کر دیا جائے گا جیسے رَحٰی میں رحیان اور ملھٰی میں ملھیان اور حُبارٰی میں حُباریان اور حُبلٰی میں حُبْلَیَانِ، اور بہر حال الف ممدودہ تو اگر اس کا ہمزہ اصلی ہو تو باقی رکھا جائے گا جیسے قُرَّاء میں قُرَّآن اور اگر الف تانیث کے لیے ہو تو واؤ سے بدل دیا جائے گا جیسے حمراء میں حمراوان اور اگر اصل سے ہی واؤ یا یاء سے بدلا ہوا ہو تو اس میں دو وجہیں جائز ہیں، جیسے کَسَا وَان وکسآن۔

تشریح : ماقبل میں تمیز کے بیان کے ضمن میں تذکیر و تانیث و مفرد و تثنیہ و جمع کا تذکرہ آیا تھا پھر چونکہ مذکر و مؤنث بمنزلۂ ذات کے ہوتے ہیں اور مفرد و تثنیہ و جمع بمنزلہ صفات کے اور ذات مقدم ہوتی ہے صفات پر اس لیے تذکیر و تانیث کو تثنیہ و جمع پر مقدم کیا گیا پھر تثنیہ کو جمع پر اس لیے مقدم کیا کہ تثنیہ کا عدد مفرد کے عدد سے قریب ہے اب رہا یہ سوال کہ پھر مفرد کو کیوں بیان نہ کیا، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب تثنیہ و جمع کی حقیقت معلوم ہوگئی، تو مفرد کی تعریف کی ضرورت نہیں رہی چونکہ تثنیہ و جمع کے علاوہ جو بھی اسم ہوگا وہ مفرد ہی ہوگا۔

المثّنی اسمُ اُلحِقَ بآخِرِہٖ الخ :مثنّٰی وہ اسم ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف یا یائے ماقبل مفتوح اور ایک نون مکسورہ لاحق کیا گیا ہوتا کہ وہ مفرد اس بات پر دلالت کرے کہ اس کے ساتھ وحدت اور جنس میں کوئی دوسرا بھی ہے جیسے رجلان اور رجلین میں رجلٌ کے آخر میں مثال اول میں الف اور ثانی میں یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسور کو زیادہ کیا گیا اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ رجل کے ساتھ دوسرا رجل بھی مراد ہے جو اسی کے مثل ہے واحد ہونے میں اور جنس یعنی رجُلِیّت میں۔

سوال: استاذ محترم یہ تو بتلائیں کہ اتنی طویل عبارت اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی اگر یوں کہہ دیتے کہ تثنیہ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسورہ ہوتا کہ دو کے معنی پر دلالت کرے۔

الجواب: عزیزم اتنی طویل عبارت اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ کسی اسم مشترک کا دو مختلف معنی کے اعتبار سے تثنیہ لانا جائز نہیں ہے، جیسے عربی میں لفظ قُرُوْءٌ آتا ہے یہ مشترک ہے حیض اور پاکی کے معنی کے درمیان تو قرآن تثنیہ لاکر ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ حیض اور پاکی دونوں مراد لے لیے جائیں، چونکہ اگرچہ دو معنی تو پائے گئے مگر دونوں میں مماثلت نہیں ہے اس لیے یا تو دو حیض ہی مراد لیں گے یا دو پاکی کی مدت اس لیے اتنی طویل عبارت اختیار کی مگر اس پر طالب علم پھر اعتراض لے کر کھڑا ہوگیا کہ استاذ محترم اسم مشترک سے دو مختلف معنی تو مراد لینا جائز ہے جیسے قمرین بول کر عرب شمس اور ماہتاب دونوں مراد لیتے ہیں ایسے ہی اَبَوَیْن سے ماں اور باپ دونوں مراد لیتے ہیں۔

الجواب: عزیزم آپ کی ذہانت و فطانت ماشاء اللہ قابل صد تحسین ہے مگر جس بات کو لے کر آپ نے اعتراض کیا اس کا جواب یہ ہے کہ قمرین اور ابوین میں ایک کو دوسرے پر غلبہ دے کر تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا گیا۔ حقیقتاً یہ تثنیہ نہیں ہیں بلکہ تثنیہ کے اعراب کے ساتھ ملحق ہیں۔ ھذا فی الصحیح الحاق مذکور کا یہ طریقہ ہر جگہ نہیں چلے گا بلکہ یہ طریقہ اسم صحیح کے اندر ہے اور اسم صحیح عند النحویین وہ ہوتا ہے کہ جس کے آخر میں حرف علت نہ ہو اور یہی حکم ہے جاری مجریٰ صحیح اور منقوص یائی کا بھی۔

اما المقصور الخ: اگر اسم مقصور کا تثنیہ بنانا ہے تو اس میں دیکھا یہ جائے گا کہ اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا

ہے یانہیں اور وہ سہ حرفی ہے یانہیں اگر وہ بدلا ہوا ہے اور سہ حرفی ہے تو تثنیہ بناتے وقت حرف اصلی کو لوٹا دیں گے جیسے عـصـا میں تثنیہ بناتے وقت عصوان کہیں گے اور اگر وہ اسم مقصور سہ حرفی نہیں بلکہ چہار حرفی ہے یا زائد ہے تو اس میں حرف اصلی کو ثقل کی وجہ سے لوٹائیں گے نہیں جیسے معلی اور مصطفی کے اندر۔

وانْ کَانَت عَنْ یاء اَوْ واوٍ الخ: اور اگر وہ الف یاء یا واؤ سے بدلا ہوا ہو مگر وہ ثلاثی سے زائد ہو یعنی کم از کم چہار حرفی ہو یا کسی بھی چیز سے بدلا ہوا نہ ہو، یعنی نہ واؤ سے اور نہ یاء سے تو ان صورتوں میں تثنیہ بناتے وقت الف کو یاء سے پلٹ دیا جائے گا کـرحیـان فِیْ رَحٰی جیسے رحٰی ہے کہ اس کا الف یاء کے عوض میں آیا ہے تو تثنیہ بناتے وقت اس کو رَحَیَان یاء کے ساتھ پڑھیں گے اور جیسے مُلھٰی سے مُلھیان یہ مثال ہے اس اسم کی کہ جس کا الف واؤ کے عوض میں ہے اور یہ اسم سہ حرف سے زائد ہے ملھی ماخوذ ہے اِلْھَاء سے بمعنی مشغول کرنا چکی کے منھ میں غلہ ڈالنا۔ اور جیسے حُبـارٰی (بالضم) سے حُبـارِیَـان یہ مثال ہے اس اسم کی جس کا الف کسی چیز سے مبدل نہیں ہے، حُبــارٰی مرغابی کی جنس سے ایک پرندہ کا نام ہے اسی کو سرخاب بھی کہتے ہیں اور جیسے حبـلـی سے حُبْلیان کہیں یہ اسم رباعی کی مثال ہے اس کا الف بھی کسی چیز کے عوض میں نہیں ہے۔

واَمَّا الممدودُ الخ: اور الف ممدودہ کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس کا ہمزہ اصلی ہو اصلی کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو وہ زائد ہو اور نہ بدلا ہوا ہو، کسی اصلی حرف سے تو ایسی صورت میں ہمزہ کو تثنیہ بناتے وقت باقی رکھا جائے گا جیسے قُرّاءُ بضم القاف وتشدید الراء (عمدہ قرأت کرنے والے کو کہتے ہیں) تو بوقت تثنیہ قُرّاءَ ان کہیں گے۔

اس سلسلے میں علامہ رضی یہ فرماتے ہیں کہ ابوعلی فارسی نے بعض اہل عرب سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ اس کے ہمزہ کو اس کی تمام نظائر (جیسے حـمـراء وصحراء) پر حمل کرتے ہوئے واؤ سے بدل دیا جائے گا لہٰذا قُرَّآء سے قُرَّا وَانِ کہیں گے۔

وانْ کَـانـت لِلتَّانیثِ الخ: اور اگر ہمزہ تانیث کے لیے ہے جیسے حمراء اور ایسے ہی وہ ہمزہ جو برائے الحاق ہو جیسے عـلـبـاء تو مذکورہ صورت میں اس ہمزہ کو واؤ سے مبدل کر دیا جائے گا لہٰذا حمراء سے حمروان اور علباء سے علبوان کہیں گے۔ اب رہا یہ سوال کہ اس ہمزہ کو باقی کیوں نہ رکھا گیا واؤ سے کیوں بدلا گیا۔

تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ علامت تانیث کا وسط میں ہونا لازم نہ آئے اور اگر کوئی اس جواب پر یہ اعتراض کرے کہ مُسلِمَتَانِ میں بھی تو تاء علامت تانیث وسط کلمہ میں واقع ہو رہی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہاں تاء کو حذف کر دیں تو مؤنث کے تثنیہ کا مذکر کے تثنیہ کے ساتھ التباس لازم آ جائے گا اس التباس سے بچنے کی وجہ سے تاء کو مجبوراً لانا پڑا اور رہی یہ بات کہ ہمزہ کو واؤ سے ہی کیوں تبدیل کیا یاء سے کیوں تبدیل نہ کر دیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ واؤ سے اس لیے تبدیل کیا تا کہ حالت نصب اور جر میں دو یاء کا اجتماع لازم نہ آئے۔

وَاِنْ کَانَت بَدْلًا مِنْ اَصْلٍ الخ: اور اگر اس کا ہمزہ حرف اصلی واؤ سے بدلا ہوا ہو جیسے کَسَاءٌ کہ اس کی اصل کِسَاوٌ تھی یا حرف اصلی یاء سے مبدل ہو جیسے رِدَاءٌ کہ اس کی اصل ردای تھی تو بہر حال ایسے اسم ممدودۃ میں دو وجہیں جائز ہیں، اس کو باقی رکھنا بھی جائز اور بدلنا بھی جائز لہٰذا کِسَاءٌ کو کِسَاوَان اور کِسَاءَان ایسے ہی رِدَاءٌ کو رِدَایَانِ ورِدَاءَانِ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں۔

ويجب حذفُ نونه عند الاضافة تقولُ جاء نى غلاما زيدٍ ومسلما مصرٍ وكذلك تُحذفُ تاءُ التانيث فى تثنيةِ الخُصية والالية خاصةً تقول خُصيان واليان لانهما متلازمان فكانهما شيء واحدٌ واعلم انّه اِذَا اُرِيد اضافةُ مُثنّى اِلى المثنّٰى يُعَبَّر عن الاول بلفظ الجمع كقوله تعالى فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكما وفَاقْطَعُوا اَيدِيُهما وذٰلك لكراهة اجتماعِ تثنيتَين فيما تاكّد الاتّصالُ بينهما لفظًا ومعنىً.

ترجمه: اور واجب ہے اس کے نون کا حذف کرنا اضافت کے وقت کہے گا تو جاَءَ نِی غُلَا ما زَیْد ومُسْلِما مِصْرٍ اور ایسے ہی حذف کیا جاتا ہے تاء تانیث کو خاص طور پر خصیة والِیَة کے تثنیہ میں کہے گا تو خصیَان والِیَانِ اس لیے کہ وہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو لازم ہیں، پس گویا کہ وہ دونوں (شدتِ اتصال کی وجہ سے) ایک ہی شئ ہیں اور جان تو کہ جب تثنیہ کی اضافت کا ارادہ کیا جائے تثنیہ کی طرف تو تعبیر کیا جاتا ہے اول کو (مضاف کو) لفظ جمع سے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُکُمَا (یقیناً تمہارے دل ٹیڑھے ہوگئے) فَاقْطَعُوْا اَیْدِیُهُمَا (پس کاٹ ڈالو ان دونوں کے ہاتھوں کو) اور یہ تعبیر مذکور دو تثنیہ کے اجتماع کی کراہت کی وجہ سے ہے اس چیز میں کہ ان دونوں کے درمیان لفظاً اور معنیً اتصال مضبوط اور مؤکد ہے۔

تشریح: ويجبُ حَذْفُ نُوْنِهِ الخ: بوقت اضافت تثنیہ اور ایسے ہی جمع کے نون کا حذف کرنا واجب ہے کیونکہ نون تثنیہ اور نون جمع اور اضافت کے درمیان منافات ہے اور وجہ منافات یہ ہے کہ تثنیہ وجمع کے نون کے ذریعہ سے کلمہ تام ہو جاتا ہے تو اس کو تام ہونے کی وجہ سے اتصال کی ضرورت نہیں اور اضافت اتصال کو چاہتی ہے تو اتصال وانقطاع کے درمیان منافات ہے اور دو منافی چیزیں یکجا نہیں ہو سکتی اس لیے حذف نون واجب ہے یہ قاعدہ اگر چہ مجرورات کی بحث میں آچکا ہے مگر یہاں چونکہ تثنیہ وجمع کے احکام کو بیان کیا جارہا ہے تو اس وجہ سے دوبارہ ذکر کر دیا گیا۔

وكَذٰلِكَ تُحْذَفُ الخ: اور خُصْيَة و اِلْيَةکی تاء کو تثنیہ بناتے وقت خلاف قیاس حذف کر دیا جاتا ہے، جوازی طور پر لہٰذا خُصْيَةٌ سے خُصيان اور اِلْيَةٌ سے اِلیَانِ کہیں گے اور وجہ حذف کی یہ ہے کہ یہ دونوں اگر چہ تثنیہ ہیں، مگر حکم میں مفرد کے ہیں، اس لیے کہ ایک خصیہ کا دوسرے خصیہ کے ساتھ اور ایسے ہی ایک الیہ کا دوسر

الیہ کے ساتھ اتصال اس درجہ میں ہے، کہ گویا یہ دونوں عضو واحد ہیں چونکہ ایک سے انتفاع دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور تاء تانیث وسط کلمہ میں واقع نہیں ہوا کرتی، لہٰذا ان کی تانیث کو حذف کر دیا جاتا ہے خُـصْـيَة کے معنی آتے ہیں بیضہ جو عضو مخصوص کے نیچے ہوتے ہیں اور اِلْيَة کے معنی آتے ہیں سُرین کے۔

خــاصّة: خاصة کی قید اس وجہ سے لگائی کہ ان دونوں ہی کے تثنیہ میں تاء تانیث کو حذف کیا جاتا ہے نہ کہ ان کے علاوہ میں جیسے شَجَرَة سے شَجَرَتَانِ اور ثمرة سے ثَمْرَتَان کہیں گے۔

وَاعلـم انّه اِذَا اُرِيدَ الخ: مطلب یہ ہے کہ اگر صیغۂ تثنیہ کی ضمیر تثنیہ کی طرف اضافت کرنا چاہیں تو اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ تثنیہ اولیٰ یعنی مضاف کو بجائے تثنیہ لانے کے لفظ جمع کے ساتھ لایا جائے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ دو تثنیہ کا جمع ہونا مکروہ ہے چونکہ دونوں کے درمیان لفظاً ومعنیً شدید اتصال ہو گیا لفظاً اتصال تو اضافت کی وجہ سے ظاہر ہے اور معنیً اتصال یہ ہے کہ مضاف معنوی لحاظ سے جزء ہے مضاف الیہ کا مثال ترجمہ کے تحت بیان کی جا چکی ہے۔

فائدہ: تثنیہ اولیٰ کو مفرد بھی لاسکتے ہیں جیسے رَأَيْتُ نَفْسَهُمْ وغیرہ۔

تمرین:

تثنیہ کی جامع مانع تعریف کیجئے (۲) اسم مقصور واسم ممدودہ کے تثنیہ بنانے کی تفصیل بیان کیجئے (۳) تثنیہ کے نون کو کب اور کیوں حذف کیا جاتا ہے (۴) خـصية و إلية کی تاء کو حذف کرنے کی وجہ بھی بیان فرمائیے (۵) اگر صیغۂ تثنیہ کی اضافت ضمیر تثنیہ کی طرف کرنا چاہیں تو مضاف کو مفرد، تثنیہ وجمع میں سے کیا لانا بہتر ہے مع وجہ بیان کیجئے۔

فـصـل الـمـجـمـوعُ اسمٌ دَلّ علٰی آحادٍ مقصودةٍ بِحُرُوفٍ مفردةٍ بتَغَيُّرٍ ما اِمَّا لـفـظِيٌّ كـرِجـال فی رَجُلٍ او تقديرِيٌّ كفُلُكٌ علٰی وزن اُسُدٍ فَاِنَّ مفردَهٗ ايضاً فُلُكٌ لٰـكـنّـه عـلٰـی وزنِ قُفُلٍ فَقومٌ ورَهَطٌ ونحوُهٗ وان دلّ علٰی اٰحادٍ لٰكِنّه ليس بجمعٍ اذ لا مفردَ لَهٗ.

ترجمہ: جمع وہ اسم ہے جو دلالت کرے افراد مقصودہ پر حروف مفردہ کے ذریعہ سے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ خواہ تغیر لفظی ہو جیسے رِجَـالٌ رَجُـلٌ کے اندر یا وہ تغیر تقدیری ہو جیسے فُـلُكٌ بروزن اُسُـدٌ کہ اس کا مفرد بھی فُلُكٌ ہے لیکن وہ بروزن قُفُلٌ ہے، لہٰذا لفظ قوم ورَهَطٌ اور اس کے مثل (بَقَرٌ اِبِلٌ خَيْلٌ غَنَمٌ) اگرچہ یہ افراد پر دلالت کرتے ہیں لیکن یہ جمع نہیں ہیں، اس لیے کہ ان الفاظ کا کوئی مفرد نہیں ہے۔

تشریح: المجموع اسم دل الخ: اس میں آحاد جمع ہے احد کی بمعنی مفرداً اور بحروف متعلق ہے دل فعل کے یا مقصودہ کے اور بتغیُّر ماً صفت ہے مفرد کی، اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا کہ جمع وہ اسم ہے جو ایسے افراد پر دلالت کرے جو مقصود ہوں حروف مفردہ میں کسی قسم کا تغیر کر کے پھر وہ تغیر خواہ لفظاً ہو جیسے رجل سے رجالٌ مسجدٌ

واحداور خواہ یہ تغیر تقدیراً ہو جیسے فلک کہ اس کے واحد وجمع دونوں کی صورت ایک ہی ہے اس کے واحد میں کوئی تغیر حرف یا حرکت میں نہیں کیا گیا۔

فوائد قیود: آحَادٍ مَقْصُودَۃٍ کی قید سے احتراز ہو گیا اسم جنس سے جیسے نَخْلٌ و ثَمَرٌ یہ دونوں اسم جنس ہیں، ان کی دلالت افراد مقصودہ پر نہیں ہے، اس لیے کہ ان کا اطلاق واحد پر بھی ہوتا ہے اور زیادہ پر بھی اور حروف مفردہ کی قید سے احتراز ہو گیا، اسم جمع سے جیسے قَوْمٌ و رَھْطٌ و نَفَرٌ و اِبِلٌ و غَنَمٌ و خَیْلٌ یہ سب الفاظ اگرچہ افراد پر دلالت کرتے ہیں لیکن ان کو جمع نہیں کہا جائے گا چونکہ ان کا کوئی مفرد نہیں ہے۔

فائدہ: اسم جمع اس کو کہتے ہیں جو جمع کے معنی تو دے مگر اسی مادّہ سے اس کا کوئی مفرد نہ ہو ایک جمع اور ہے جس کو شبہ جمع کہتے ہیں تعریف اس کی یہ ہے کہ جو جمع کے معنی دے اور اس کے واحد اور جمع میں امتیاز تـاء سے ہوتا ہو جیسے وَرَقٌ کہ اس کا مفرد ورَقَۃٌ ہے یہ طریقہ اس وقت ہے جب کہ شبہ جمع غیر ذوی العقول کے لیے ہوتی ہے اور اگر شبہ جمع ذوی العقول کے لیے ہو تو اس کے واحد اور جمع میں یاء نسبتی سے فرق ہوتا ہے جیسے رومیوں سے رومی مجوسیوں سے مجوسی۔

ثُمّ الجمعُ علی قسمین مصحَّح وھو مالم یتغیر بناءُ واحدہٖ ومُکسّر وھو ما یتغیر فیہِ بناء واحدہ والمصحَح علی قسمین مذکرٌ وھُو مَا اُلحِق باٰخرہٖ واوٌ مضمومٌ مَا قبلَھَا ونونٌ مفتوحۃٌ کمُسلمونَ او یَاءٌ مکسورٌ مَا قبلَھا ونونٌ کذٰلک لیدُلّ علٰی انَّ معہٗ اکثر مِنہُ نحو مُسلِمِینَ وھٰذا فی الصحیح امَّا المنقوصُ فتُحذَفُ یاؤہ مثلُ قاضُونَ وداعونَ والمقصور یُحذفُ الفہٗ ویُبقٰی مَا قبلَھَا مَفتوحاً لیدُلّ علٰی الفٍ محذوفۃ مثل مُصطَفَون ویختص باُولی العِلم وامّا قولھم سِنُون وارُضون ثبُون وقُلُون فشاذّ ویجب ان لا یکون افعلَ مؤنَّثُہ فعلاء کاحمر وحمراءَ ولا فعلانَ مؤنثُہٗ فَعلٰی کسکرانَ وسکرٰی ولا فَعِیلا بمعنٰی مفعولٍ کجریح بمعنٰی مجروحٍ ولا فعُولًا بمعنٰی فاعِلٍ کصَبُورٍ بمعنٰی صابر ویجبُ حذفُ نونہٖ بالاضافۃِ نحو مسلمو مِصرٍ.

ترجمہ: پھر جمع کی دو قسمیں ہیں (۱) جمع تصحیح اور وہ وہ ہے کہ جس کے واحد کا وزن متغیر نہ ہو (سلامت رہے) (۲) جمع تکسیر ہے اور جمع تکسیر وہ ہے کہ جس کے اندر اس کے واحد کا وزن متغیر ہو جائے اور جمع تصحیح دو قسم پر ہے (۱) مذکر اور وہ وہ ہے کہ جس کے آخر میں واوَ ما قبل مضموم اور نون مفتوحہ لاحق کیا گیا ہو جیسے مُسْلِمُوْنَ یا جس کے آخر میں یاء ما قبل مکسور اور نون مفتوحہ لاحق کیا گیا ہو تا کہ دلالت کرے کہ اس مفرد کے ساتھ اس سے زیادہ ہے جیسے مُسْلِمِیْنَ اور الحاق کا یہ طریقہ مذکورہ اسم صحیح کے اندر ہے۔ بہر حال اسم منقوص تو حذف کیا جائے گا، اس کی یاء کو جیسے

قاضُوْنَ و دَاعُوْنَ اور اسم مقصور میں حذف کیا جائے گا اس کے الف کو اور باقی رکھا جائے گا اس کے ماقبل کو مفتوح تاکہ دلالت کرے وہ فتحہ الف محذوفہ پر جیسے مُصْطَفَوْنَ اور خاص ہے یہ جمع ذوی العقول کے ساتھ اور بہر حال ان کا قول سنُوْنَ اور اَرَضُوْن اور ثَبُوْنَ و قُلُوْنَ پس یہ شاذ ہے اور واجب ہے یہ کہ نہ ہو وہ اسم کہ جس کی جمع لانے کا ارادہ ہے، اَفْعَلُ کا وزن کہ جس کا مؤنث فَعْلَاء آتا ہے جیسا کہ اَحْمَرُ اور حَمْرَاءُ اور نہ ہو فعلان کے وزن پر کہ جس کا مؤنث فَعْلیٰ آتا ہے جیسا کہ سَکْرَان اور سَکْریٰ اور نہ ہو فعِیلٌ کے وزن پر جو کہ مفعول کے معنی میں ہو جیسا کہ جَرِیْحٌ بمعنی مَجْرُوْح اور نہ فعول کے وزن پر ہو جو فاعل کے معنی میں ہو جیسا کہ صَبُوْر بمعنی صَابِر اور واجب ہے اس کے نون کا حذف کرنا اضافت کے وقت جیسے مُسْلِمُو مصرٍ۔

تشریح: ثُمَّ الجمعُ علٰی قسمین جمع کی باعتبار لفظ کے دو قسمیں ہیں (۱) جمع تصحیح اسی کا دوسرا نام جمع سالم بھی ہے (۲) جمع مکسر اسی کو جمع تکسیر بھی کہتے ہیں۔ جمع تصحیح وہ جمع ہے کہ جس کے مفرد کے اخیر میں واؤ ماقبل مضموم ہو حالت رفع میں واؤ کی موافقت کی وجہ سے یا یاء ماقبل مکسور ہو حالت نصب و جر میں یاء کی موافقت کی وجہ سے اور ایک نون مفتوح بھی آخر میں لاحق کیا گیا ہو جیسے مُسْلِمُوْنَ وَ مُسْلِمِیْنَ، لِیَدُلَّ عَلٰی اَنَّ الخ، لامِ لِیَدُل کا متعلق ہے اُلْحِقَ فعل کے اور ضمیر ھُوَ راجع ہے مفرد کی طرف اس عبارت سے الحاق کی علت بیان فرمارہے ہیں مطلب یہ ہے کہ تاکہ وہ مفرد اس الحاق کی وجہ سے اس بات کو بتلائے کہ اس کے ساتھ اس سے بھی زیادہ ہے یعنی الحاق سے یہ پتہ چل جائے گا کہ اس مفرد کے ساتھ کم ازکم دو اور بھی ہیں۔

فائدہ: یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اکثر اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل واجب کرتا ہے مفضل اور مفضل علیہ کے اشتراک کو اصل کے اندر اس قاعدہ کے پیش نظر ضروری ہے کہ واحد میں بھی کثرت ہو حالانکہ یہ بات ظاہر ہے کہ واحد کثرت سے منزہ ہے۔

الجواب: مفضل اور مفضل علیہ کا اشتراک کسی فعل کے اندر عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً ہو حقیقتاً جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو اس مثال میں عمرو میں فضیلت حقیقتاً ہے حکما کی مثال جیسے کہا جاتا ہے فُلَانٌ اَفْقَه مِنْ حِمَارٍ وفُلَانٌ اَعْلَمُ مِنَ الْجِدَارِ ان دونوں مثال میں ظاہر ہے کہ حمار اور جدار میں حقیقتاً فضیلت نہیں مگر فرض کر لیا گیا اسی کے تحت زید کو افضل بتلایا تو اسی طرح سے واحد میں بھی کثرت فرضی اور اعتباری ہے فافھم۔

وَهٰذَا فِي الصَّحِيْحِ الخ: الحاق کا یہ طریقہ مذکورہ اسم صحیح کے اندر چلتا ہے۔

اَمَّا المنقُوْصُ الخ: اسم منقوص کی جب جمع بنائیں گے تو اس کی یاء کو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا جائے گا، قَاضُوْنَ جمع ہے قَاضٍ کی اس کی اصل قَاضِیُوْنَ تھی یاء کی حرکت یاء پر ضمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے ما قبل کی طرف منتقل کر دی گئی، پھر واؤ اور یاء دو ساکن جمع ہو گئے، اس وجہ سے یاء کو حذف کر دیا قَاضُوْنَ ہو گیا اور

فاعل ہے دَاعُوْنَ کا جو جمع ہے دَاع کی۔

وَالْمَقْصُوْرُ تُحْذَفُ اَلِفُهٗ الخ: اور اسم مقصور کے الف کو جمع بناتے وقت التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا جائے گا اور الف کے حذف ہونے کے بعد اس کے ماقبل فتحہ باقی رکھا جائے گا تا کہ اس فتحہ کی الف کے محذوف ہونے پر دلالت باقی رہے جیسے مُصْطَفَیُوْنَ یاء پر ضمہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے الف سے تبدیل کیا گیا پھر الف کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور الف محذوف کے ماقبل فتحہ چھوڑ دیا تا کہ الف محذوفہ کے اوپر دلالت قائم رہے۔

ویُخْتَصُّ بِاُوْلِی الْعِلْم: جمع سالم کبھی تو اسم محض سے بنتی ہے جس میں وصفیت کے معنی قطعاً نہیں ہوتے اور کبھی ایسے اسم سے بنتی ہے جس میں صرف وصفیت کے معنی ہوتے ہیں، علمیت کے بالکل نہیں ہوتے تو اگر جمع مذکر سالم اسم محض سے بنائیں گے تو اس کے لیے تین شرطوں کا ہونا ضروری ہے اول علمیت دوم عقل سوم تذکیر اور ان شروط کا ہونا اس لیے ضروری ہے کہ یہ جمع تمام جموع سے اشرف ہے واحد کی بناء کے اس میں صحیح سالم رہنے کی وجہ سے اور مذکر عاقل بھی اشرف ہے اپنے علاوہ تمام چیزوں سے، تو اشرف چیز اشرف کو دیدی گئی، اس لیے مصنفؒ فرماتے ہیں کہ یہ جمع خاص ہے ذوی العقول کے ساتھ۔

وَاَمَّا قَوْلُهُمْ سِنُوْنَ الخ: یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ آپ کا قاعدہ مذکورہ سِنُوْنَ وَاَرَضُوْنَ وغیرہ کے ذریعہ سے ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ سِنُوْنَ سَنَةٌ کی جمع ہے اور اَرَضُوْنَ اَرْضٌ کی اور ثُبُوْنَ جمع ثُبَةٌ کی بمعنی جماعت اور گرہ اور قلون بضم القاف وکسر ها جمع ہے قُلَةٌ کی اور قُلَةٌ کہتے ہیں گلی ڈنڈے کو جن سے بچے کھیلا کرتے ہیں تو یہ سب غیر ذوی العقول ہیں، پھر بھی واؤ کے ساتھ جمع لائی جا رہی ہے مصنفؒ نے جواب دیا کہ یہ شاذ ہے اور شاذ ہونے کی وجہ بھی یہ ہے کہ ان کا نون اضافت کی وجہ سے حذف نہیں ہوتا جب کہ جمع کا نون اضافت کی وجہ سے حذف ہو جاتا ہے۔

فائدہ: ایک سوال یہاں یہ ہوگا کہ عَالَمِیْنَ، عَالَم کی جمع ہے جب کہ عالم میں تو غیر ذوی العقول بھی شامل ہیں، پھر بھی جمع مذکر سالم کے ساتھ لائی گئی؟

الجواب: یہاں ذوی العقول کو ان کے اشرف الموجودات ہونے کی وجہ سے غیر ذوی العقول پر غلبہ دے کر جمع لائی گئی پھر اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَیْتُهُمْ سَاجِدِیْنَ میں کیا کہو گے اس میں تو شمس و قمر کو کب سب ہی غیر غیر ذوی العقول ہیں پھر بھی ان کی جمع جمع مذکر سالم کے ساتھ لائی گئی؟

الجواب: سجدہ کرنے کا فعل چونکہ ذوی العقول سے صادر ہوتا ہے اور یہاں غیر ذوی العقول سے صادر ہوا اس لیے غیر ذوی العقول کو ذوی العقول کا حکم دے کر جمع مذکر سالم لائی گئی۔

ویجبُ اَنْ لَا یَکوْنَ اَفْعَلَ الخ: اور اگر جمع مذکر سالم ایسے اسم سے بنائی جائے جس میں وصفیت کے معنی موجود ہوں تو اس کے لیے چھ شرطیں ہیں چار تو مصنفؒ نے بیان فرمائی اول یہ کہ وہ اسم اس افعل کے وزن پر نہ ہو جس کا مؤنث فعلاء کے وزن پر آتا ہے جیسا کہ اَحْمَرُ کا مؤنث حمراء آتا ہے لہٰذا اَحْمَرَ کی جمع اَحْمَرُوْن نہیں آئے گی تا کہ اس افعل اور اسم تفضیل والے افعل کے درمیان فرق ہو جائے چونکہ افعل التفضیل کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے جیسے اَفْضَلُ سے اَفْضَلُوْنَ اور اگر پھر بھی کسی افعل مؤنث کی جمع واؤ نون کے ساتھ ہو تو اس کو خلاف قیاس پر محمول کریں گے جیسے اَجْمَع کہ اس کا مؤنث جمعاء آتا ہے اس کی جمع اَجْمَعُوْنَ آتی ہے یہ خلاف قیاس ہے دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم اس فعلان کے وزن پر نہ ہو جس کا مؤنث فعلیٰ آتا ہے جیسے سکران کا مؤنث سکریٰ آتا ہے، لہٰذا سکران کی جمع سَکَرَانُوْن نہیں آئے گی تا کہ اِس فعلان اور اُس فعلان کہ جس کا مؤنث فعلانۃ آتا ہے کے درمیان التباس لازم نہ آئے، چونکہ اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے جیسے نَدْمَانَ کی جمع نَدْمَانُوْنَ آتی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم اس فعیل کے وزن پر نہ ہو جو کہ مفعول کے ہم معنی ہو جیسے جریح مَجْرُوح اسم مفعول کے ہم معنی ہے، لہٰذا جَرِیْحُوْن نہیں کہیں گے چونکہ مذکر و مؤنث اس میں دونوں برابر ہیں چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ اسم اس فعول کے وزن پر نہ ہو جو فاعل کے معنی میں ہو جیسے صَبُوْر بمعنی صَابِر لہٰذا اس کی جمع صَبُوْرُوْن واؤ نون کے ساتھ نہ آئے گی کیونکہ اس میں مذکر و مؤنث دونوں برابر ہیں، اس کے علاوہ دو شرطیں اور ہیں اول یہ کہ وہ اسم مذکر عاقل ہو۔ دوم یہ کہ وہ اسم تاء تانیث کے ساتھ مستعمل نہ ہو جیسے علامۃ چونکہ علامۃ کی جمع واؤ نون کے ساتھ مستعمل نہیں ہوتی، اس لیے کہ اگر اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آئے گی تو دو صورتیں ہوگی یا تو تاء کے ساتھ لائیں گے یا بغیر تاء کے اگر تاء کے کے ساتھ لائیں گے صیغہ جمع مذکر اور تاء تانیث کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ مکروہ ہے اور اگر جمع بغیر تاء کے (علامون) لائیں گے تو غرض جو کہ مبالغہ ہے وہ فوت ہو جائے گی۔ وَیَجِبُ حَذْف نُوْنِہٖ اور اضافت کی وجہ سے اس کے نون کا حذف کرنا واجب ہے جیسے مُسْلِمُو مِصرٍ کہ اس کی اصل مُسْلِمُوْن تھی جب مصر کی طرف اضافت کی گئی تو نون حذف ہو گیا۔

ومؤنّثٌ و هُو ما اُلْحِق باٰخِرِهِ اَلفٌ وتاءٌ نحو مُسلِمات وشرطهُ ان کان صفةً ولهُ مذکر اَنْ یکون مذکرهُ قد جمِعَ بالواوِ والنونِ نحو مُسلِمون وان لم یکن لهُ مُذکرٌ فشرطُهُ ان لا یکونَ مُؤنّثًا مُجردًا عَنِ التاء کالحائض والحامل وان کان اسماً غیرَ صفةٍ جُمِعَ بالالف والتاءِ بلاشرطٍ کهندات والمکسَّرُ صیغتهٗ فی الثلاثی کثیرة تُعرفُ بِالسماع کرجالٍ واَفراسٍ وفلوسٍ وفی غیر الثلاثی علیٰ وزن فَعالِلُ وفَعَالِیل قیاسًا کما عرفت فی التصریف.

ترجمہ: اور جمع سالم کی دوسری قسم مؤنث ہے اور وہ، وہ ہے کہ جس کے آخر میں الف اور تاء لاحق کیا گیا ہو جیسے مُسْلِمَاتٌ اور اس کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ اسم صیغۂ صفت ہے اور اس اسم کا ایسا مذکر بھی ہو کہ جس کی جمع واؤ ونون کے ساتھ لائی گئی ہے جیسے مُسْلِمٌ سے مُسْلِمُوْنَ اور اگر اس کا اسم ایسا مذکر نہیں ہے کہ جس کی جمع واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کا مؤنث تاء سے خالی نہ ہو جیسے حَائِضٌ اور حَامِلٌ اور اگر وہ اسم ایسا ہو جو صیغہ صفت نہ ہو تو اس کی جمع بلا کسی شرط کے الف اور تاء کے ساتھ لائی جائے گی جیسا کہ هِنْدَاتٌ۔ اور جمع مکسر کے صیغے ثلاثی مجرد میں بہت ہیں جو سماع سے پہچانے جاتے ہیں جیسے رَجُلٌ کی جمع رِجَالٌ اور فرس کی جمع میں اَفْرَاس اور فِلْس کی جمع میں فَلُوسٌ اور ثلاثی مجرد کے علاوہ میں فَعَالِلُ اور فَعَالِيْل کے وزن پر آتا ہے اسی قاعدہ وقیاس کے مطابق جو آپ علم صرف میں پہچان چکے ہیں۔

تشریح: جمع سالم کی قسم ثانی جمع مؤنث ہے اور جمع مونث سالم کہتے ہیں اس جمع کو کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف اور تاء کو لاحق کیا گیا ہو جیسے مُسْلِمَةٌ سے مُسْلِمَاتٌ اور هِنْدٌ سے هِنْدَاتٌ۔

وشَرْطُهُ اِنْ كَانَ صِفَة الخ: شَرْطُهٗ میں ہ ضمیر کا مرجع وہ اسم ہے کہ جس کی جمع الف تاء کے ساتھ لائی جارہی ہے مطلب یہ ہوگا کہ جس اسم کی جمع مؤنث سالم بنانی ہے تو اس کی دو صورتیں ہوں گی اول یہ کہ اس اسم میں صرف وصفیت کے معنی ہوں گے، یا اسمیت محضة کے یعنی وصفیت کے معنی قطعاً نہیں اگر وہ اسم صفت کا صیغہ ہے پھر دو صورتیں ہوں گی اس اسم کے لیے ایسا مذکر ہوگا کہ جس کی جمع واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہوگی یا نہیں لائی گئی ہوگی اگر اس اسم کا مذکر ایسا ہے کہ جس کی جمع واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے تو اس کی جمع مؤنث الف تاء کے ساتھ آئے گی جیسے مُسْلِمَاتٌ کہ اس کا مفرد مُسْلِمَةٌ ہے اور مُسْلِمَةٌ کا مذکر مُسْلِم ہے جس کی جمع مُسْلِمُوْن واؤ نون کے ساتھ آئی ہے۔ اس قاعدہ پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم آپ کو ایسا اسم بھی دکھلا دیں گے کہ جس میں صفت کے معنی میں پائے جاتے ہیں اور اس کا مذکر بھی موجود ہے مگر اس مذکر کی جمع واؤ نون کے ساتھ نہیں لائی جاتی پھر بھی اس کی جمع الف تاء کے ساتھ آرہی ہے جیسے حدیث میں ہے لَيْسَ فِي الْخَضْرَاوَاتِ صدقَةٌ (سبزیوں میں زکوۃ نہیں ہے) اس میں خَضْرَاوَات جمع مؤنث سالم ہے اس کا مفرد ہے خَضْرَاء اور اس میں صفت کے معنی بھی موجود ہیں اس کا مذکر اخضر آتا ہے مگر اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ نہیں آتی۔

الجواب: خَضْرَاوَات کے اندر اسمیت غالب آگئی جس کی وجہ سے یہ صفت سے نکل کر اسماء کے ساتھ لاحق ہو گیا اس وجہ سے اس میں شرط کا اعتبار نہ کیا گیا۔

وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهٗ مُذَكَّرٌ: یہ دوسری صورت کا بیان ہے یعنی اسم کے اندر صفت کے معنی تو ہیں مگر اس کا مذکر

لیانہیں ہے کہ جس کی جمع واؤنون کے ساتھ آتی ہے تو ایسے اسم کی جمع مؤنث سالم لانے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ مؤنث مجرد عن التاء نہ ہو جیسے حَائِضٌ اور حَامِلٌ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مؤنث مجرد عن التاء کی الف تاء کے ساتھ جمع لائی جائے گی تو التباس لازم آئے گا اس مؤنث بالتاء کے ساتھ کہ جس کی جمع الف تاء کے ساتھ آتی ہے اب رہا یہ سوال کہ پھر حائض اور حائضہ اور حامل اور حاملۃ میں کیا فرق ہے۔

الجواب: حَائِضَه کہتے ہیں اس عورت کو کہ جو ایام حیض میں چل رہی ہو اور ایسے ہی حَامِلَة کہتے ہیں اس عورت کو جو حمل سے ہو اور حَائِض بغیر تاء کے اس عورت کو کہتے ہیں جو حیض کی حد کو پہنچ گئی ہو یعنی جس میں حیض آنے کی صلاحیت ہو اور حامل مجرد عن التاء کہتے ہیں اس عورت کو جو حد حمل کو پہنچ گئی ہو یعنی جس میں استقرار حمل کی صلاحیت ہو، وان کان اسما غیر صفة ۔ یہ تیسری صورت ہے یعنی اسم کے اندر صفت کے معنی نہ ہو، بلکہ صرف علمیت کے معنی ہوں تو اس کی جمع بھی الف تاء کے ساتھ لائی جائے گی بغیر کسی شرط کے جیسے هِنْدٌ کی جمع هِنْدَاتٌ۔

وَالْمُكَسَّرُ صِيْغَتُهُ فِي الثُّلَاثِي الخ: جمع مکسر کو آپ دو قسموں میں تقسیم کر لیجئے (۱) ثلاثی مجرد (۲) غیر ثلاثی مجرد۔ جمع مکسر ثلاثی مجرد کے جتنے بھی اوزان ہیں ان سب کی شناخت سماع پر موقوف ہے کسی قاعدہ وقیاس سے آپ کو معلوم نہیں ہو سکتے جیسے رَجُل ثلاثی مجرد اہل عرب اس کی جمع رِجَالٌ استعمال کرتے ہیں، اور فَرَس کی اَفْرَاس اور فَلَس کی فلُوسٌ۔

وَفِيْ غَيْرَ الثَّلَاثِي: اور اسم غیر ثلاثی مجرد کی جمع مکسر فَعَالِلُ و فَعَالِيْل کے وزن پر آتی ہے جیسے مَسْجِدٌ کی جمع مَسَاجِدُ اور مِصْبَاح کی مَصَابِيْحُ، كما عَرَفْتُ فِي التَّصرِيف ۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس کی مکمل تفصیل علم صرف کی کتابوں کے اندر بیان کی گئی ہے جن کو شوق ہو وہ وہیں رجوع فرمائیں۔

ثم الجمع ايضاً على قِسمين جمع قِلّةٍ وهُو مَا يُطلقُ علَى العَشرة فما دُوْنَهَا وابنيتُه افعُلٌ واَفعالٌ وافعِلةٌ وفِعْلَةٌ وجمعا الصَّحيح بدون اللامِ كزيدُون ومُسْلمات وجمعُ كثرةٍ وهُوَ مَا يُطلَقُ علٰى مَا فَوق العشرة وابنيتُه ما عدا هٰذا لابنية.

ترجمہ: پھر جمع کی باعتبار معنی کے بھی دو قسمیں ہیں (۱) جمع قلت اور وہ وہ ہے کہ جس کا اطلاق دس یا اس سے کم پر کیا جاتا ہو اور اس کے اوزان بالعموم چھ ہیں، (۱) اَفْعُلٌ (۲) اَفْعَالٌ (۳) اَفْعِلَةٌ (۴) فِعْلَةٌ (۵-۶) جمع تصحیح کے دونوں صیغے بغیر لام کے جیسے زَيْدُوْنَ و مُسلِمَاتٌ اور دوسری قسم ہے جمع کثرت اور وہ وہ ہے کہ جس کا اطلاق بالعموم دس سے اوپر ہوتا ہو اور اس کے اوزان وہ ہیں جو ان چھ اوزان کے علاوہ ہیں۔

تشریح: ثم الجمع ایضاً علی قسمین ،اس سے قبل جمع کی دو قسمیں بیان فرمائی تھیں باعتبار

یہاں سے جمع کی تقسیم بیان فرمارہے ہیں باعتبار معنی کے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جمع کی دو قسمیں ہیں (۱) جمع قلت (۲) جمع کثرت جمع قلت اس جمع کو کہتے ہیں جس کا اطلاق کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ دس پر ہوتا ہو اس کے کل چھ اوزان ہیں (۱) اَفۡعُلٌ جیسے اَکۡلُبٌ جو جمع ہے کَلۡبٌ کی (۲) اَفۡعَالٌ جیسے اَجۡسَامٌ جو جمع ہے جِسۡمٌ کی (۳) اَفۡعِلَةٌ جیسے اَمۡثِلَةٌ جو جمع ہے مِثَالٌ کی (۴) فِعۡلَةٌ جیسے غِلۡمَةٌ جو جمع ہے غُلَامٌ کی اور جمع سالم کے دونوں صیغے یعنی جمع مذکر سالم و جمع مؤنث سالم بغیر لام تعریف کے جیسے مُسۡلِمُوۡنَ وَمُسۡلِمَاتٌ۔

وجمع کثرۃ اور جمع کثرت وہ ہے جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر ہوتا ہو یعنی جمع کثرت کی ابتداء گیارہ سے ہوگی انتہاء کی کوئی حد نہیں۔

سوال: دَرَاھِمُ جمع کثرت کا صیغہ ہے اور اس کی اقل مقدار باتفاق نحاۃ گیارہ ہے جب کہ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے اوپر دراہم کا اقرار کرتے ہوئے کہے عَلَیَّ لِفُلَانٍ دَرَاھِم اور دراہم بول کر وہ تین درہم مراد لے تو اس کا یہ قول مقبول مانا جاتا ہے تو یہاں فقہاء اور نحویین دونوں کے کلام کے درمیان اختلاف ہو گیا دونوں کے درمیان وجہ موافقت کیا ہوگی بیان فرمایئے؟

الجواب: اس کے دو جواب ہیں اول یہ کہ بطریق استعارہ (مجازاً) جمع قلت کو جمع کثرت کی جگہ اور جمع کثرت کو جمع قلت کی جگہ استعمال کر لیتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے قول ثَلٰثَةُ قُرُوۡءٍ میں قروء جمع کثرت کا صیغہ ہے مگر مجازاً جمع قلت کے لیے استعمال کیا گیا تو ایسے ہی فقہاء نے بھی مجازاً جمع قلت کے مقام میں استعمال کر لیا۔

جواب دوم: علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے اپنی کتاب تلویح میں بیان فرمایا کہ جمع قلت و کثرت دونوں باعتبار مبدأ (ابتداء) کے متفق ہیں اور باعتبار منتہیٰ کے مختلف لہٰذا مبدأ دونوں کا تین ہوگا (یعنی دونوں کا اطلاق کم از کم تین پر ہوگا) اور منتہاء جمع قلت کا دس ہوگا۔ اور جمع کثرت کے لیے کوئی انتہا نہیں ہے۔ وَأَبۡنِيَتُهٗ مَا عَدَا الخ فرماتے ہیں کہ جمع قلت کے اوزان ستہ کے علاوہ جتنے بھی اوزان ہیں وہ سب جمع کثرت کے اوزان ہیں۔

تمرین:

(۱) جمع کی تعریف قلم بند کیجیے۔

(۲) ابل غنم، خیل کیوں جمع نہیں ہیں، جب کہ فُلۡكٌ جیسے الفاظ کو جمع میں شمار کیا جاتا ہے۔

(۳) جمع اور اسم جمع اور شبہ جمع میں کیا فرق ہے۔

(۴) جمع کی باعتبار لفظ کے کتنی قسمیں ہیں، پھر جمع تصحیح کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کے جمع بنانے کا طریقہ کیا ہے۔

(۵) اسم مقصور میں جمع بنانے کا طریقہ کیا ہے۔

(۶) وہ اسم جس میں صرف اسمیت کے معنی ہوں اور وصفیت کے بالکل نہ ہوں تو جب اس کو جمع مذکر سالم

بنائیں گے تو اس کے لیے کیا شرطیں ہیں اور اگر جمع مذکر سالم ایسے اسم سے بنائیں جس میں صرف وصفیت کے معنی ہوں تو اس کے لیے کتنی شرطیں ہیں۔
(۷) سنون اور أرضون وعالمين جمع کی کونسی قسم ہیں، بیان کیجئے۔
(۸) جمع مؤنث سالم بنانے کا کیا طریقہ ہے اور اس کے لیے کیا کیا شرائط ہیں، وہ بھی بیان فرمائیے۔
(۹) جمع مکسر کی تعریف بیان کیجئے، اور اس کی کتنی قسمیں ہیں۔
(۱۰) جمع قلت وکثرت کی تعریف بیان کیجئے ساتھ ہی دونوں کے اوزان بھی بیان کیجئے۔
مندرجۂ ذیل جملوں میں تثنیہ وجمع میں شناخت کیجئے اور اگر جمع ہے تو یہ بھی بتلائیے کہ جمع کی کونسی قسم ہے:
قرأت على الاستاذين ، رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله (ایسے بھی مرد ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے نہ تجارت غافل کرتی ہے اور نہ خرید وفروخت) إن المؤمنين هم الفائزون، أحب الصالحين، هذه أقوال ثمينة ، تولى أزمة الأمور بيده (باگ ڈور سنبھالنا) ما تشتهيه الأنفس (جس چیز کو تمہاری طبیعت چاہے) إنهم فتية آمنوا (بے شک وہ کچھ جوان ہیں جو ایمان لائے) هذه صور جميلة (جمع صورت)

فصل المصدر اسمٌ يدُلُّ على الحدث فقط ويَشتق منهُ الافعال كالضرب والنصر مثلاً وابنيتُهُ مِن الثلاثي المجرد غيرُ مضبوطةٍ تُعرف بالسماع ومِن غيره قياسية كالافعال والانفعال والاستِفعال والفعلَلَةِ والتفعلُلِ مثلاً فالمصدر اِن لم يكن مفعولا مطلقاً ويَعْمَلُ عَملَ فعله اعنى يرفعُ الفاعِلَ ان كانَ لازمًا نحو اَعجبَنى قيامُ زيدٍ وينصبُ مفعولاً ايضاً اِن كان متَعدّيًا نحو اَعجبَنى ضربُ زيدٌ عمرو اولا يجوزُ تقديمُ مَعمُول المصدر عليه فلا يُقال اعجَبَنى زيدٌ ضرب عمرًوا ولا عمرًوا ضرب زيد ويجوزُ اِضَافتُه الى الفاعِل نحو كرِهتُ ضربَ زيد عمرًا او إلى المفعول به نحو كرهتُ ضرب عمرٍ و زيد وامّا اِن كانَ مفعولاً مطلقاً فالعمل للفعل الّذِى قبلَهُ نحو ضربتُ ضرباً عمروا فعمرٌ ومنصوبٌ بضربت.

ترجمہ: مصدر وہ اسم ہے جو صرف حدث پر دلالت کرے اور مشتق ہوں اس سے افعال جیسا کہ مثلاً ضرب نصر اور اس کے اوزان ثلاثی مجرد سے محفوظ نہیں ہیں، سماع سے پہچانے جاتے ہیں، اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے قیاسی ہیں جیسا کہ مثلاً باب اِفْعَال، اور اِنْفِعَال اور استفعال اور فَعْلَلَة اور تَفعلُل پس مصدر اگر ترکیب میں مفعول مطلق واقع نہ ہو تو اپنے فعل کا عمل کرتا ہے یعنی اگر لازم ہو تو فاعل کو رفع دیتا ہے جیسے اَعجبنی قِیامُ زیدٌ

اگر متعدی ہوتو مفعول کو بھی نصب دیتا ہے جیسے اَعْجَبَنِی ضَرْبٌ زَیْدٌ عمروًا ۔اور نہیں جائز ہے مصدر کے معمول کو اس پر مقدم کرنا، لہٰذا نہیں کہا جائے گا، اَعْجَبَنِی زَیْدٌ ضَرْبٌ عمروًا اور نہ عَمْرًوا ضَرْبٌ زیدٌ اور جائز ہے اس کی اضافت فاعل کی طرف جیسے کَرِهتُ ضَربَ زَیْدٍ عَمْرًوا ،اور مفعول بہ کی طرف بھی جیسے کرِهتُ ضَربَ عَمْرٍو وزَیدٌ اور بہرحال اگر ترکیب میں مفعول مطلق واقع ہو، تو عمل اس فعل کا ہوگا جو کہ اس سے قبل واقع ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْباً عَمْرًوا، پس اس جملہ میں عمرو منصوب ہے ضَرَبْتُ کی وجہ سے۔

تشریح: المصدرُ اسمٌ یَدُلُّ عَلیَ الحَدَث فقط الخ :حَدَث کہتے ہیں اس معنی کو جو اپنے غیر کے ساتھ قائم ہو خواہ اپنے غیر سے صادر ہو جیسے ضَرب اور مَشِی کہ یہ ضَارِبُ اور مَاشی سے صادر ہو رہے ہیں یا صادر نہ ہو جیسے طُول اور قِصَر ان دونوں کا صدور اپنے فاعل سے نہیں ہوتا اور اشتقاق کے لغوی معنی آتے ہیں ایک کلمہ کو دوسرے کلمۃ سے بنانا اور اصطلاح میں اشتقاق کہتے ہیں دو لفظ کا لفظ اور معنی میں مناسب ہونا پھر یہ مناسبت دولفظوں میں یا تو حروف اور ترتیب دونوں میں ہوتی ہے جیسے ضَرَبَ مشتق ہے ضَرْبٌ سے اشتقاق کی اس قسم کو اشتقاق صغیر کہتے ہیں اور کبھی یہ مناسبت صرف حروف میں ہوتی ہے جیسے جَذَبَ مشتق ہے جَذْبٌ سے بمعنی کھینچنا اس اشتقاق کو اشتقاق کبیر کہتے ہیں اور کبھی مناسبت صرف مخرج میں ہوتی ہے نہ کہ حروف اور ترتیب میں جیسے نَعَق مشتق ہے نَهَقٌ سے بمعنی ریگنا، کائیں کائیں کرنا، اس اشتقاق کو اشتقاق اکبر کہتے ہیں مصدر کی تعریف میں اشتقاق سے مراد اشتقاق صغیر ہے اب اس کے بعد مصدر کی تعریف ملاحظہ فرمائیے ،مصدر اس اسم کو کہتے ہیں جو صرف معنی حدثی پر دلالت کرے اور جس سے افعال مشتق ہوں جیسے ضَرْبٌ سے ضَرَبَ یَضْرِبُ اِضْرِبْ اور نَصرٌ سے نَصرَ یَنْصُرُ اُنْصُرْ ۔خلاصہ یہ کہ مصدر میں صرف ایک چیز پائی جاتی ہے یعنی معنی حدثی فعل کی طرح زمانہ اور نسبت اِلی فاعل مّا کا محتاج نہیں ہوتا۔

وأبنیتُه من الثلاثی المجرّد الخ:

مصدر کے اوزان ثلاثی مجرد سے قیاسی نہیں بلکہ سماع پر مدار ہے ہم طلبہ کے فائدہ کے لیے ان کے چند اوزان بیان کرتے ہیں جن کی شناخت کا مدار سماع پر ہے چنانچہ اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے

(۱) جو پیشہ کے معنی دیتے ہیں وہ فِعَالَةٌ کے وزن پر آتے ہیں جیسے زِرَاعَةٌ تِجَارَةٌ حِیَاکَةٌ وغیرہ۔

(۲) جو امتناع (نفع اٹھانا) کے معنی دیتے ہیں وہ فِعالٌ کے وزن پر آتے ہیں جیسے إبَاءٌ شِرَاءٌ جِمَاعٌ وغیرہ۔

(۳) جو اضطراب و پریشانی کے معنی کو مفید ہوتے ہیں وہ فَعَلَانَ کے وزن پر آتے ہیں جیسے غَلَیَان، جَوَلَان، خَفَقَانَ وغیرہ۔

(۴) جو مرض و بیماری کے معنی کو ظاہر کرتے ہیں وہ فُعَالٌ کے وزن ہوتے ہیں جیسے صُدَاعٌ زُکَامٌ دُوَارٌ وغیرہ۔

(۵) جن سے سیر کے معنی نکلتے ہیں وہ فَعِیلٌ کے وزن پر آتے ہیں جیسے رَحِیلٌ ، ذمِیلٌ۔

(۶) جن سے آواز کے معنی ترشح ہوتے ہیں وہ فُعَالٌ یا فَعِیلٌ کے وزن پر آتے ہیں جیسے صُرَاخٌ، زَئِیرٌ۔

(۷) جو کسی رنگ کے معنی پر دلالت کریں ان کا وزن فُعْلَۃٌ آتا ہے جیسے حُمْرَۃٌ زُرْقَۃٌ خُضْرَۃٌ۔

اور اگر مذکورہ معانی کو ظاہر نہ کریں تو بیشتر مندرجہ ذیل اوزان پر مصدر کا وزن آتا ہے۔

(۱) فَعُلَ کا مصدر فُعُوْلَۃٌ یا فَعَالَۃٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے سُھُوْلَۃٌ نَبَاھَۃٌ فَصَاحَۃٌ۔

(۲) فَعِلَ لازم کا مصدر فَعَلٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے فَرَحٌ ، عَطَشٌ ، بَلَجٌ۔

(۳) فَعَلَ لازمی کا مصدر فُعُوْلٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے قُعُوْدٌ، خُرُوْجٌ، نُھُوْضٌ۔

(۴) فَعِلَ و فَعَلَ متعدی کا مصدر فَعْلٌ کے وزن پر آتا ہے جیسے فَھْمٌ نَصْرٌ۔اوزان کی یہ مختصر فہرست ہے جو ہم نے بیان کی ہے مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو علم الصیغہ و دیگر کتب صرف۔ وَمِنْ غَیْرِہٖ قِیَاسِیَّۃٌ ۔اور مصدر کے اوزان غیر ثلاثی مجرد سے خواہ ثلاثی مزید ہو یا رباعی مجرد ہو یا رباعی مزید۔قیاسی ہیں جیسے باب اِفْعَال ، اِنْفِعَال اِسْتِفْعَال فَعلَلَۃ، تَفَعْلُل وغیرہ ان بابوں کی تفصیل کے لیے بھی فن صرف کی کتب کی طرف مراجعت فرمائیں یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہے۔

فَالمصدرُ اِنْ لَمْ یَکُنْ مفعُولاً مطلقاً الخ: یہاں سے مصدر کے عمل کے متعلق تفصیل بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مصدر اگر ترکیب میں مفعول مطلق واقع نہ ہو رہا ہو تو اپنے فعل کا عمل کرتا ہے خواہ ماضی کے معنی میں ہو جیسے اَعْجبنِی ضَربُ زیْدٍ عَمرًوا اَمس یا حال کے معنی میں ہو جیسے اَعْجَبَنِی ضَرْبُ زَیْدٌ خَالِداً اَلآنَ یا مستقبل کے معنی میں ہو جیسے اَعْجَبَنِی ضَرْبُ زَیْدٍ حَامِدًا غَدًا ۔اب رہی یہ بات کہ مصدر اپنے فعل جیسا عمل کیوں کرتا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصدر کو فعل کے ساتھ اشتقاق میں قوی مناسبت ہے کسی بھی حال میں یہ مناسبت زائل نہیں ہوتی، خواہ مصدر ماضی کے معنی میں ہو یا حال کے یا استقبال کے اس وجہ سے اپنے فعل جیسا عمل کرتا ہے۔اب رہا یہ سوال کہ فعل کا سا عمل کرتا ہے اس کا کیا مطلب ہے تو مصنفؒ اَعْنِیْ یَرْفَعُ الفَاعِلَ اِنْ کَانَ لاَزِمًا الخ سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر اس کا فعل لازم ہے تو فعل لازم والا عمل کرے گا یعنی فاعل کو رفع دے گا جیسے اَعْجَبَنِیْ قِیَامُ زَیْدٌ اس میں قیام لازم کا مصدر ہے جو اپنے فاعل زید کو رفع دے رہا ہے یہیں سے ایک تحقیق یہ بھی یاد رکھیں کہ عموماً مصدر کو اس کے معمول کی طرف مضاف بنا کر استعمال کرتے ہیں اب

صورت میں تو معمول لفظاً مجرور ہوگا۔ مگر معنی مرفوع ہوگا اگر معمول فاعل ہے، اور منصوب ہوگا اگر معمول مفعول ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ بلا اضافت استعمال کریں اس صورت میں فاعل لفظاً بھی مرفوع ہوگا لہٰذا اوپر دی گئی مثال میں زید کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں یعنی قِیَامُ زَیْدٌ۔

وَیَنْصِبُ مَفْعُوْلًا: اور اگر فعل اس کا متعدی ہے تو مصدر مفعول کو نصب کرے گا، پھر فعل اگر متعدی بیک مفعول ہے تو مصدر بھی ایک مفعول ہی کی طرف متعدی ہوگا جیسے اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُ زیدٌ عَمْرًوا اور اگر اس کا فعل متعدی بدو مفعول ہے تو مصدر بھی متعدی بدو مفعول ہوگا جیسے اَعْجَبَنِی اعطاءُ زَیْدٌ عَمْرٌوا دِرْھَمًا۔

وَلَایَجُوْزُ تَقْدِیْمُ مَعْمُوْلِ المَصْدَرِ عَلَیْهِ الخ: اور مصدر کے معمول کا مصدر پر مقدم ہونا جائز نہیں خواہ وہ معمول فاعل ہو یا مفعول، ہاں البتہ اگر معمول ظرف یا جار مجرور ہو تو مقدم ہوسکتا ہے چونکہ ظرف میں وسعت ہوتی ہے اب رہی یہ بات کہ معمولِ مصدر مصدر پر کیوں مقدم نہیں ہوسکتا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مصدر عمل میں ضعیف ہے چونکہ اس کا عمل فعل کے ساتھ صرف اشتقاق میں مناسبت کی وجہ سے ہے لفظ اور معنی میں فعل کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا تو مصدر عامل ضعیف قرار پایا اور عامل ضعیف معمول مقدم میں عمل نہیں کرسکتا، لہٰذا فاعل کو مصدر پر مقدم کرتے ہوئے اَعْجَبَنِیْ زَیْدٌ ضَرْبُ عَمْرٌوا ایسے ہی مفعول کو مقدم کرتے ہوئے اَعْجَبَنِیْ عَمْرٌوا ضَربُ زَیْدٌ نہیں کہہ سکتے۔

وَیَجُوْزُ اِضَافَتُهُ اِلَی الفَاعِلُ الخ: اولیٰ اور بہتر تو یہ ہے کہ مصدر کے معمول کو اضافت نہ کر کے منون پڑھیں چونکہ اس صورت میں اس کو فعل کے ساتھ نکارت میں بھی مشابہت ہوجائے گی، اس لیے کہ فعل نکرہ ہوتا ہے اور آپ سابق میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ مصدر کا عمل فعل کے ساتھ اشتقاق میں مناسبت کی وجہ سے ہے، اور نکرہ ہونے کی وجہ سے فعل کے ساتھ مشابہت بھی حاصل ہوگئی، تو اس وقت میں اس کا عمل کمال میں قوی ہوجائے گا مگر ابھی آپ کو معلوم ہوا کہ مصدر کا عمل مناسبت مذکورہ کی وجہ سے ہے اور یہ مناسبت اضافت کی وجہ سے زائل نہیں ہوئی اس وجہ سے مصدر کی اضافت اس کے فاعل کی طرف بھی جائز ہے جیسے کَرِھْتُ ضَرب زَید عَمْرًا (ناپسند کیا میں نے زید کے عمرو کے مارنے کو) اور یہ اضافت مصدر کی اکثر و بیشتر فاعل کی طرف ہوتی ہے مگر کبھی کبھی مفعول کی طرف بھی ہوجاتی ہے جیسے کَرِھْتُ ضَرْبَ عَمْرٍ و زَیْدٌ مگر یہ یاد رہے کہ مفعول کی طرف صرف اسی وقت جائز ہے جب کہ مضاف الیہ کے مفعول ہونے پر قرینہ روشن اور جلی ہو۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ جیسے اضافت مفعول بہ کی طرف جائز ہے ایسے ہی مفعول فیہ اور مفعول لہ کی طرف بھی جائز ہے جیسے اَعْجَبَنِیْ ضَرْبُ یَوْمِ الْجُمُعَةِ اور ضَرْبُ التادِیب۔

وَامَّا اِنْ کَانَ مَفْعُوْلًا مُطلَقًا الخ: مصدر ترکیب میں اگر مفعول مطلق واقع ہو رہا ہو تو عمل معمول میں

فعل کا ہوگا جو مصدر سے قبل واقع ہے کیونکہ معمول کا تعلق عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف کے ساتھ نہیں ہوتا ہے جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبًا عَمْرًا میں عمر و ضربتُ کا معمول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ ضربا کی وجہ سے۔

فائدہ: مذکورہ قاعدہ اس وقت ہے جب کہ مفعول مطلق حقیقی ہووے اور اگر مفعول مطلق مجازا مفعول مطلق واقع ہو رہا ہو تو اس صورت میں مفعول مطلق بھی عمل کرے گا جیسے ضَرَبْتُ ضَرْبَ الاَ مِیْرُ اللّصّ کے اندر۔

تمرین:

(۱) مصدر کی تعریف کیجئے، حدث کا کیا مطلب ہے، ثلاثی مجرد سے اس کے اوزان قیاسی ہیں یا سماعی اگر سماعی ہیں تو اکثر و بیشتر مصادر کن اوزان پر آتے ہیں۔

(۲) مصدر کیا عمل کرتا ہے، اور اگر اس کے عمل کرنے کے لیے کوئی شرط ہو وہ بھی بیان کیجئے۔

(۳) مصدر کا معمول مصدر پر مقدم ہو سکتا ہے یا نہیں۔

(۴) مصدر کی اضافت کس معمول کی طرف ہوتی ہے مثال سے واضح کیجئے۔

(۵) اگر مصدر مفعول مطلق واقع ہو تو اس وقت مصدر عامل ہوگا یا وہ فعل جو مصدر سے پہلے ہے وہ عامل ہوگا۔

فصل اسم الفاعل اسمٌ مشتق مِن فِعْلٍ لِیَدُلّ علٰی مَنْ قامَ بِهِ الفِعلُ بِمعنَی الحُدُوثِ وصیغتُهُ من الثلاثی المجردِ علٰی وزن فاعِلٍ کضاربٍ وناصِر ومن غیرِہٖ علٰی صِیغَةِ المضارع من ذٰلک الفعل بمیم مضمُومٍ مکانَ حرف المضارعة وکسرِ مَا قبلَ الآخر کمُدخِل و مُستَخرِج وھو یعملُ عملَ فِعلِهِ المعروفِ ان کان بمعنی الحالِ او الاستقبال ومعتمداً علی المبتدأ نحو زیدٌ قَائمٌ ابُوہ او ذی الحالِ نحو جَاءَنِی زید ضارباً ابُوہ عمروًا او موصولٍ نحو مررْتُ بالضاربِ ابُوہُ عمرواً او موصوفٍ نحو عندی رجلٌ ضاربٌ ابُوہ عمرواً او ھمزةِ الاستفھامِ نحو اقائمٌ زیدٌ او حرفِ النفِی نحو ما قائمٌ زیدٌ فان کان بمعنَی الماضِی وجبَت الاضافة معنیً نحو زیدٌ ضاربُ عمرٍ و اَمسِ ھٰذا اذا کان مُنکرًا امّا اذا کان مُعرفًا باللام یَستَوی فیهِ جمیعُ الازمِنَةِ نحو زَیدُ نِ الضاربُ ابُوہُ عَمروا ن الاٰن او غداً او امس.

ترجمہ: اسم فاعل وہ اسم ہے جو مشتق ہو فعل سے تا کہ دلالت کرے اس ذات پر کہ جس کے ساتھ فعل (لغوی) قائم ہے حدث کے معنی میں اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر آتا ہے جیسے ضَارِبٌ اور نَاصِرٌ اور غیر ثلاثی مجرد سے مضارع کے صیغہ کے مطابق آتا ہے اسی فعل سے حرف مضارع کی جگہ میم مضموم کے ساتھ اور آخر کے ماقبل کے کسرہ کے ساتھ جیسے مُدْخِلٌ اور مُسْتَخْرِجٌ اور اسم فاعل اپنے فعل معروف کا عمل کرتا

ہو اگر حال اور استقبال کے معنی میں ہو اور اعتماد کئے ہوئے ہو مبتداء پر جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْهُ یا ذوالحال پر جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْهُ عُمْرًوا یا موصول پر جیسے مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ اَبُوْهُ عمرًوا یا موصوف پر جیسے عِنْدِیْ رَجُلٌ ضَارِبٌ اَبُوْهُ بَکْرًا یا ہمزہ استفہام پر جیسے اَقَائِمٌ زَیْدٌ یا حرف نفی پر جیسے مَا قَائِمٌ زَیْدٌ پس اگر ہو اسم فاعل ماضی کے معنی میں اضافت معنوی واجب ہو جائے گی، جیسے زَیْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍوا اَمْسِ یہ اس وقت ہے جب کہ اسم فاعل نکرہ ہو۔ بہرحال جب کہ معرف باللام ہو تو اس میں زمانے برابر ہیں، جیسے زَیْدُ نِ الضَّارِبُ اَبُوْهُ عَمْرًا الآن یا غداً یا اَمْسِ۔

تشریح: اِسْمُ الْفَاعِلِ اِسْمٌ مُشْتَقٌّ الخ : اسم فاعل اس اسم کو کہتے ہیں جو فعل (لغوی) یعنی مصدر سے مشتق ہوتا کہ اس ذات کو بتلائے جس کے ساتھ فعل بطریق حدوث قائم ہو، حُدُوْث کہتے ہیں تجدد کو یعنی کوئی صفت کسی ذات کے ساتھ ہمیشہ قائم نہ رہے بلکہ کبھی رہے اور کبھی نہ رہے جیسے ضَارِبٌ کے اندر جو صفت ضرب ہے وہ ہمیشہ ضارب کے ساتھ قائم نہیں رہتی بلکہ کسی وقت میں ہوتی ہے اور کسی وقت میں نہیں ہوتی، اس کے بالمقابل لفظ ثبوت ہے ثبوت کہتے ہیں جو صفت کسی ذات کے ساتھ وابستہ رہے جیسے زَیْدٌ حَسَنٌ وَکَرِیْمٌ میں زید کے اندر جو صفت حسن و بزرگی ہے وہ دائمی ہے ایسا نہیں ہے کہ کسی وقت حسین اور بزرگ ہو کسی وقت میں نہ ہو اسی تفصیل سے آپ کو اسم فاعل اور صفت مشبہ میں فرق معلوم ہو جائے گا کہ صفت مشبہ میں جو صفت ہوتی ہے وہ دائمی ہوتی ہے جیسے زید حسن میں اور اس فاعل کی صفت عارضی ہوتی ہے دائمی نہیں ہوتی۔

فائدہ: اسم فاعل کی تعریف میں فعل سے مراد فعل لغوی ہے یعنی مصدری معنی فعل اصطلاحی مراد نہیں ہے، کیونکہ مذہب جمہور یہی ہے کہ اسم فاعل مصدر ہی سے مشتق ہوتا ہے اگرچہ امام سیرفی نحوی کے نزدیک اسم فاعل و اسم مفعول دونوں کا مشتق منہ فعل ہوتا ہے، اور فعل مصدر سے مشتق ہوتا ہے تو گویا کہ ان کے نزدیک اسم فاعل و اسم مفعول بواسطہ فعل کے مصدر سے مشتق ہوتے ہیں یہی مذہب آپ کے محشی کا بھی معلوم ہوتا ہے، دوسری بات فائدہ کے تحت یہ بھی معلوم ہونی ضروری ہے کہ بعض لوگوں نے اسم فاعل کی اس تعریف پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ تعریف جامع نہیں ہے اس لیے کہ اس تعریف سے لفظ طَالِق و حَائِض و طَامِث خارج ہو جاتے ہیں چونکہ یہ تینوں ثبوت کے معنی پر دلالت کرتے ہیں چونکہ طالق اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے شوہر سے جدا ہو گئی ہو اور حائض و طامث اس عورت کو کہتے ہیں جن میں حیض آنے کی صلاحیت ہو تو ان تینوں میں صفت دائمی ہے جب کہ یہ اسم فاعل کے صیغے ہیں۔

الجواب: ان میں ثبوت کے معنی وضع کے اعتبار سے نہیں ہیں بلکہ استعمال کے اعتبار سے ثبوت کے معنی عارض ہو گئے اسی طرح اسم فاعل کی اس تعریف پر صفات باری کے ذریعہ سے بھی عدم جامعیت کا اعتراض ہوتا

جیسے خَـالِق رَازِقٌ متکلم وغیرہ کہ ان میں بھی ثبوت کے معنی ہیں، نہ کہ حدوث اور تجدد کے کیونکہ یہ صفات اللہ تعالیٰ سے کبھی جدا نہیں ہوتی، جب کہ یہ سب صیغے اسم فاعل کے ہیں تو اس کا جواب بھی یہی ہے کہ صفات باری میں جو ثبوت ہے وہ اس اعتبار سے ہے کہ موصوف یعنی اللہ تعالیٰ قدیم ہے ہر تغیر اور حدوث سے منزہ و بالاتر ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی صفات بھی ہر تغیر سے منزہ ہیں۔

وصیغتہ من الثلاثی المجرد الخ: مطلب یہ ہے کہ اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر آتا ہے جیسے ضَارِبٌ ونَاصِرٌ وغیرہ۔

فـائـدہ: مصنفؒ نے جو یہ بیان فرمایا کہ اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر آتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ جو صیغہ مشہور اور کثیر الاستعمال ہے وہ فَـاعِلٌ کے وزن پر آتا ہے ورنہ تو اسم فاعل کے بعض صیغے فَعّالٌ فُعُولٌ فَعِلٌ کے وزن پر بھی آتے ہیں کَذَّابٌ شَکُوْرٌ حَذِرٌ وغیرہ۔

ومن غیرہ الخ: ثلاثی مجرد کے علاوہ سے یعنی ثلاثی مزید فیہ ورباعی مجرد و رباعی مزید فیہ کے صیغے اپنے مضارع معروف کے وزن پر آتے ہیں حرف مضارع کی جگہ میم مضموم لاتے ہیں اگر چہ حرف مضارع مضموم نہ ہو جیسے یَسْتَخْرِجُ کے اندر اور حرف اخیر سے ماقبل کسرۃ لاتے ہیں اگر مضارع کے اخیر کے ماقبل کسرہ نہ ہو جیسے یَتَقَبَّلُ ویَتَفَاضَلُ وغیرہ میں حرف اخیر کا ماقبل مفتوح ہے کَمُدْخِلٍ ومُسْتَخْرِجٍ مثال اول مضارع معروف کے صیغہ کے مطابق ہے صرف حرف مضارع کی جگہ میم کا تغیر ہے اور مثال ثانی میں حرف مضارع کی جگہ میم کا بھی تغیر ہے اور میم کی حرکت کا بھی ایک تیسری مثال مصنفؒ کو اور بیان کرنی چاہئے تھی جس میں اخیر کے ماقبل کی حرکت مضارع کے خلاف ہوتی جیسے مُتَفَاضِلٍ مگر مصنفؒ نے اس کو اس لیے ترک کر دیا کہ دو مثال میں غور کرنے سے تیسری خود بخود معلوم ہو جاتی ہے۔

وھُوَ یَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَعرُوفِ الخ: اسم فاعل اپنے فعل کا سا عمل کرتا ہے اگر اس کا فعل لازم ہے تو اسم فاعل بھی لازم ہوگا اور فعل لازم کا عمل کرے گا اور اگر اس کا فعل متعدی بیک مفعول ہے تو اسم فاعل بھی متعدی بیک مفعول ہوگا اور اگر متعدی بدو مفعول ہے تو یہ بھی متعدی بدو مفعول ہوگا۔

فـائـدہ: یہیں سے آپ کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اسم فاعل بذات خود لازم و متعدی نہیں ہوتا بلکہ اس کا لازمی اور متعدی ہونا اس کے فعل کے اعتبار سے ہے اس لیے کہ تعدی کے معنی اصطلاح میں آتے ہیں فعل کا اپنے فاعل سے مفعول بہ کی طرف متجاوز ہونا اور لزوم کے معنی آتے ہیں فعل کا اپنے فاعل سے مفعول بہ کی طرف متجاوز نہ ہونا، اسی تعریف سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی، کہ اگر فعل اپنے فاعل سے مفعول بہ کے علاوہ مثلاً مصدر اور ظرف وغیرہ کی طرف متجاوز ہو تو اس کو متعدی نہیں کہیں گے۔

اِنْ کَانَ بِمَعْنَی الْحَالِ اَوِ الاِسْتِقْبَالِ الخ: مطلب یہ ہے کہ اسم فاعل اپنے فعل کا عمل اس وقت کرے گا جب کہ دو شرطیں پائی جائیں اول یہ کہ زمانہ حال واستقبال میں سے کسی ایک کے معنی میں ہو یعنی دونوں میں سے ایک زمانہ پایا جارہا ہو۔ دوسرے یہ کہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک چیز پر اعتماد کئے ہوئے ہو۔

فائدہ: اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے حال یا استقبال کی شرط کیوں لگائی؟

الجواب: اسم فاعل چونکہ مضارع معروف کے ساتھ لفظ کے اعتبار سے عدد حروف وحرکات وسکنات کے اندر مشابہت رکھتا ہے، تو اس لیے ضروری ہوا کہ حال یا استقبال کے معنی میں ہوتا کہ فعل مضارع کے ساتھ لفظ اور معنی دونوں لحاظ سے مشابہت تامہ حاصل ہو جائے مگر اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا کہ ہم آپ کو ایسی مثال دکھائیں گے کہ جس میں اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہے پھر بھی عمل کر رہا ہے، جیسے فرمان باری وَکَلْبُھُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْہِ بِالْوَصِیْدِ (ترجمہ: اصحاب کہف کا کتّا پھیلائے ہوئے تھا اپنے دونوں بازوؤں کو غار کے اندر) اس میں باسط ماضی کے معنی میں ہے پھر بھی ذِرَاعَیْہ کے اندر عمل کر رہا ہے ذراعین مفعولیت کی وجہ سے منصوب ہے نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

الجواب: حال واستقبال سے مراد عام ہے خواہ تحقیقی ہو جیسے زَیْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْہُ خَالِداً الاٰنَ اَوْ غَدًا یا حکائی ہو حکائی کہتے ہیں کہ ماضی کی بات کو حال یا استقبال میں نقل کرنا تو باسط جو ماضی کے معنی میں ہے تو اس زمانہ ماضی کو فرض کر لیا گویا کہ وہ زمانہ فی الحال موجود ہے۔

ومُعْتَمِداً عَلَی الْمُبْتَدأ الخ: دوسری شرط یہ ہے کہ چھ چیز میں سے کسی ایک چیز پر اعتماد ہو یا تو مبتداء پر اعتماد ہو مبتداء پر اعتماد کا مطلب یہ ہے کہ مبتداء کی خبر واقع ہووے، جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ اَبُوْہُ یا یہ ذوالحال ہو جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ ضَارِبٌ اَبُوْہُ عَمْرًوا یا اسم موصول کا صلہ واقع ہو جیسے مَرَرْتُ بِالضَّارِبِ اَبُوْہُ عَمْرًوا یا یہ موصوف کی صفت واقع ہو جیسے عِنْدِیْ رَجُلٌ ضَارِبٌ اَبُوْہُ عَمْرًوا ان چار میں سے کسی ایک پر اعتماد کا ہونا اس لیے شرط ہے کہ چونکہ اسم فاعل کے ساتھ مشابہت رکھنے کی وجہ سے عمل کرتا ہے اور اعتماد مذکور سے اس کی مشابہت فعل کے ساتھ انتہائی قوی ہو جائے گی، چونکہ اعتماد کے وقت یہ اپنے صاحب کی طرف مسند ہوگا جیسا کہ فعل مسند ہوتا ہے۔

اَوْ ھمزۃ الِاستفھَام یا اسم فاعل ہمزہ استفہام پر اعتماد رکھتا ہو، جیسے اَقَائِمٌ زَیْدٌ یا حرف نفی پر اعتماد رکھتا ہو جیسے مَا قَائِمٌ زَیْدٌ ان پر اعتماد کی شرط اس لیے ہے کہ تا کہ مشابہت فعل کے ساتھ قوی ہو جائے کیونکہ حرف استفہام اور حرف نفی اکثر فعل ہی پر داخل ہوتے ہیں۔

فان کان بمعنی المَاضی الخ: اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اسم فاعل کی اضافت مفعول کی طرف واجب ہوگی۔ یہ اضافت اضافت معنوی ہوگی نہ کہ اضافت لفظی اس لیے کہ اضافت لفظی کہتے ہیں کہ عامل مضاف

ہونا اپنے معمول کی طرف اور جب اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو عامل نہ ہوگا اور جو اس کے بعد مذکور ہے وہ شرط کے منتفی ہونے کی وجہ سے معمول نہ ہوگا، لہٰذا اسم فاعل کی اضافت مابعد کی طرف اضافت معنوی ہوگی جیسے زَیْدٌ ضَارِبُ عَمْرٍوا اَمْسِ۔

هٰذَا اِذَا كَانَ مُنَكَّرًا۔ اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے حال یا استقبال کی شرط لگانا اس وقت ہے جب کہ یہ نکرہ ہو اور اگر یہ معرف باللام ہو تو اس کے عمل کرنے کے لیے حال یا استقبال کی کوئی شرط نہیں اس میں تمام زمانے برابر ہیں اور وجہ شرط نہ ہونے کی یہ ہے کہ اسم فاعل چونکہ الف لام اسم موصول کا صلہ ہوتا ہے تو اسم فاعل صورتاً تو اسم فاعل ہے اور حقیقت میں وہ فعل ہے لہٰذا عامل فعل ہوا اور فعل کے عمل کرنے کے لیے حال یا استقبال کی شرط نہیں ہوا کرتی اسم فاعل حال کی مثال جیسے زَيْدُ نِ الضَّارِبُ غلامُهٗ خَالدًا الان اور مستقبل کی مثال جیسے زيدن الضارب اخوه حامدا غدا اور ماضی کی مثال جیسے رَاشِدُ نِ النَّاصِرُ عَمُّهٗ حَمِيْدًا اَمْسِ۔

تمرین:

(۱) اسم فاعل کی جامع مانع تعریف کیجئے۔

(۲) اسم فاعل کا صیغہ ثلاثی مجرد سے کس وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے بنانے کا کیا طریقہ ہے۔

(۳) اسم فاعل کیا عمل کرتا ہے اور اگر عمل کرنے کے لیے کچھ شرائط ہوں وہ بھی بیان کیجئے۔ نیز اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے جو شرطیں لگائی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

(۴) اشیاء ستہ پر اعتماد کا کیا مطلب ہے۔

(۴) اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے جو شرطیں ہیں یہ ہر حال میں ہیں یا بعض احوال میں یہ شرطیں نہیں ہیں مثلاً اسم فاعل اگر معرف باللام ہو تب بھی یہ شرائط ہیں یا نہیں جو بھی شق ہو متعین کیجئے۔

مندرجۂ ذیل جملوں میں بتلایئے کہ اسم فاعل کے عمل کرنے کی دونوں شرطیں پائی جارہی ہیں یا نہیں۔

مدرسةُ إحياءُ العلوم الصّديقية عاقدةٌ حفلةً سنويةً ۔ المدارس الاسلامية العربية مهم دورها جِدّا (مدارس اسلامیہ عربیہ کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے) زُرتُ بلدًا مؤسراً اهلُه (میں نے ایک ایسا ملک دیکھا ہے جہاں کے باشندے مالدار ہیں) جَاءَ نِیُ الحافظ درَسه (میرے پاس وہ آدمی آیا جو یاد کررہا ہے اپنا سبق) رَأيتُ زيدًا مُرتجفًا بدنُه (میں نے زید کو اس حال میں دیکھا کہ اس کا بدن کانپ رہا تھا) جاء نی خالد مُرُ مُرتَعِشُ الصوتِ أمس (میرے پاس خالد آیا اس حال میں کہ کل اس کی آواز کپکپارہی تھی) أمُجتَهِدٌ التلاميذُ الآنَ، ماَ مجتهد التلاميذ اليوم۔

فصل اسم المفعول اسْمٌ مشتقٌّ من فعلٍ متعدّ لِيَدُلَّ عَلٰى مَن وقعَ عَلَيه الفِعلُ

وصیغتهٗ من مجرّد الثلاثی علٰی وزن مفعول لفظاً کمضروبٍ اَو تقدیراً کمَقُول ومَرْمیّ ومِن غیرہٖ کاسمِ الفاعِل بفتح ما قبلَ الآخر کمُدخَلٍ ومُستَخرج ویعمَلُ عملَ فعلِهِ المَجهُول بالشرائطِ المَذکُورة فی اسمِ الفَاعِل نحو زیدٌ مَضروبٌ غلامُه الاٰنَ اَوْ غداً او اَمس.

ترجمہ: اسم مفعول وہ اسم ہے جو فعل متعدی سے مشتق ہوتا کہ دلالت کرے اس ذات پر جس پر فعل واقع ہوا ہو اور اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے خواہ لفظاً ہو جیسے مَضْرُوْبٌ یا تقدیراً مفعول کے ہموزن ہو جیسے مقُولٌ وَمَرْمِیٌّ اور ثلاثی مجرد کے علاوہ سے اسم فاعل کے صیغہ کے مانند ہے اخیر حرف کے ماقبل کے فتحہ کے ساتھ جیسا کہ مُدْخَلٌ وَمُسْتَخْرَجٌ اور یہ اپنے فعل مجہول کا عمل کرتا ہے انہی شرائط کے مطابق جو اسم فاعل میں بیان کی گئیں جیسے زیدٌ مَضروبٌ غلامُه الاٰنَ اَوْ غداً او اَمس۔

تشریح: اسم مفعول وہ اسم ہے جو فعل متعدی سے ماخوذ ہوتا کہ اس ذات کو بتلائے جس پر فعل واقع ہوا ہو۔

فائدہ: فعل کے ساتھ متعدی کی قید لگا کر اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ یہ فعل لازم سے مشتق نہیں ہوتا اسم مفعول کی اس تعریف پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ تعریف تو اسم تفضیل پر بھی صادق آتی ہے جیسے اَشْهَرُ وَاَشغل والوم یہ الفاظ بھی مفعول کی تفضیل کے واسطے موضوع ہیں لہٰذا ان کو بھی مفعول کہنا چاہئے، حالانکہ یہ سب صیغہائے اسم تفضیل ہیں۔

الجواب: اسم مفعول تو صرف اس ذات کو بتلاتا ہے جس پر فعل واقع ہوا ہو، بغیر کسی زیادتی اور نقصان کے اور اسم تفضیل میں جو فعل کا وقوع ہوتا ہے وہ ایک کی دوسرے پر زیادتی کے ساتھ وَضَحَ الْفَرْقُ بَیْنَهُمَا کَالشَّمْسِ سَاطِعاً۔

وصِیغتُهٗ مِنْ مُجرَّد الثُّلاثِی الخ: اور اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے جیسے مَضْرُوْبٌ مَنْصُوْرٌ وغیرہ بعض اہل علم نے اس پر جرح کرتے ہوئے یہ کہا کہ اسم مفعول کا صیغہ فعیل کے وزن پر بھی آتا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ مفعول ہی کے وزن پر آتا ہے صحیح نہیں۔

الجواب: فعیل کا وزن اسم مفعول کا صیغہ نہیں ہے، بلکہ مفعول کے معنی میں مستعمل ہے خلاصہ یہ کہ وضع نے ان کو مفعول کے لیے وضع نہیں کیا بلکہ استعمال میں مفعول کے معنی پیدا ہو گئے، لفظًا اور تقدیراً سے مصنف نے اس بات کو واضح کیا کہ ثلاثی مجرد سے کبھی تو مفعول کے وزن پر ہوتا ہے لفظاً اور کبھی تقدیری لحاظ سے مفعول کے وزن پر ہوتا ہے جیسے مَقُوْلٌ وَمَرْمِیٌّ کہ یہ اصل میں مَقْوُوْلٌ وَمَرْمُوْیٌ تھے تعلیل ہو کر مَقُوْلٌ ومَرْمِی ہو گئے۔

فائدہ: قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ ثلاثی مجرد سے اسم مفعول کا صیغہ مفعل کے وزن پر آتا تا کہ مضارع مجہول

وزن کے مطابق ہوجاتا لیکن رباعی کے ساتھ التباس کی وجہ سے واؤ زیادہ کیا گیا اور واؤ کی مناسبت کی وجہ سے اس کے ماقبل کو ضمہ دیا اور میم کو فتحہ تاکہ واؤ کا ثقل زیادہ نہ رہے۔

وَمِنْ غَيْرِهٖ كَاِسْمِ الْفَاعِلِ اور غیر ثلاثی مجرد سے اس کا صیغہ اسم فاعل کے صیغہ کی طرح ہوتا ہے ہاں اتنا فرق ضرور ہوتا ہے کہ اسم مفعول میں اخیر کے ماقبل لفظاً یا تقدیراً فتحہ ہوتا ہے لفظاً کی مثال جیسے مُدْخَلٌ وَمُسْتَخْرَجٌ اور تقدیر کی مثال جیسے مُخْتَارٌ کہ اس کی اصل مُخْتَيَرٌ بفتح الیاء تھی۔

وَيَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهِ الْمَجهول الخ : اسم مفعول اپنے فعل مجہول جیسا عمل کرے گا یعنی نائب فاعل کو رفع اور باقی مفاعیل کو نصب لیکن عمل کرنے کے لیے شرائط کا ہونا ضروری ہے اور شرائط اس کی وہی ہیں جو اسم فاعل کے لیے بیان کی گئیں ہیں جیسے زَيْدٌ مَضْرُوْبٌ غُلَامُهُ الْآنَ رَاشِدٌ مُعْطٰى اَخُوْهُ دِرْهَمًا غَدًا، خَالِدٌ الْمَضْرُوْبُ عَمُّهٗ اَمْسِ۔

تمرین:

(۱) اسم مفعول کے عمل کرنے کے لیے کیا شرط ہے۔

(۲) اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے کس وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے کس وزن پر، ذیل کے جملوں میں بتلایئے کہ اسم مفعول کے عمل کرنے کی شرط پائی جارہی ہے یا نہیں؟

المدرسةُ مفتوحةٌ اَبْوَابُها، رَأيتُ سَارِقًا مُعَذَّبًا بَدَنُه (میں نے ایک ایسے چور کو دیکھا جس کے جسم کو عذاب دیا جارہا ہے) تَضَرَّعَ اِلى المرفوض طلبُه (جس کی درخواست رد کردی گئی اس نے میری خوشامد کی) جاء نِی زيدٌ، مَذْعُورًا قَلْبُه (زید میرے پاس اس حال میں آیا کہ اس کا دل گھبرایا ہوا تھا) ما مغلوبٌ اهلُ الإيمانِ (ایمان والا مغلوب نہیں ہے) أزيدٌ مذمومٌ اُسرتُه (کیا زید کے گھر والے برے ہیں) زيدٌ مضروبٌ ابنه أمسِ، أخَالدٌ ممدوحٌ أبيه أمس۔

فصل الصفة المشبهة اسم مشتقٌ من فِعلٍ لازمٍ لِيدُلَّ عَلٰى مَنْ قَامَ به الْفِعلُ بمعنَى الثبوت وصيغتها علٰى خلاف صيغةِ اسم الفاعِل والمفعول اِنمّا تعرف بالسَّماعِ كحَسَنٍ وصَعْبٍ وظريف وهِىَ تعمل عمل فعلِها مُطلَقاً بشرطِ الاعتِمَاد المذكور.

ترجمہ : صفت مشبہ وہ اسم ہے جو فعل لازم سے اس لیے مشتق ہوتا ہے کہ اس ذات پر دلالت کرے جس کے ساتھ فعل قائم ہے بطریق ثبوت (دوام) اور اس کا صیغہ اسم فاعل ومفعول کے صیغہ کے خلاف ہے اس کا صیغہ صرف سماع سے پہچانا جاتا ہے جیسے حَسَنٌ صَعْبٌ ظَرِيْفٌ اور یہ اپنے فعل کا عمل کرتی ہے مطلقاً اعتماد مذکور کی شرط

ساتھ۔

تشریح: تعریف صفت مشبّہ ،صفت مشبہ وہ اسم ہے جوفعل لازم سے مشتق ہوتا کہ اس ذات کو بتلائے جس میں فعل (معنی مصدری) بطور ثبوت و پائیداری کے قائم ہو، جیسے زید کریم اس مثال میں کرم فعل ذات زید کے ساتھ قائم ہے دوام واستمرار کے طریقہ پر ایسا نہیں ہے کہ کرم وبزرگی زید کے ساتھ کسی ایک وقت میں ہے اور کسی وقت میں نہیں ہے۔اس تعریف پر بعض لوگوں نے عدم جامعیت کا اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ آپ کی مذکورہ تعریف سے رحیم خارج ہوجاتا ہے چونکہ رحیم فعل متعدی باب سمع سے مشتق ہے حالانکہ رحیم بالاتفاق صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

الجواب: فعل لازم عام ہے خواہ ابتداء سے ہی لازم ہو جیسے حَسَنٌ وَشَرِيفٌ کہ یہ حسن اور شرف سے مشتق ہیں یا صفت مشبہ بناتے وقت لازم کی طرف نقل کرلیا گیا ہو چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ کبھی کبھی فعل متعدی کو لازم بنالیتے ہیں اس طور پر کہ عین کلمہ کو ضمہ دے کر باب کرم کی طرف نقل کرلیتے ہیں اسی قاعدہ کے پیش نظر رحیم اور اسی کے مانند علیم اور رب کو صفت مشبہ بنایا ہے۔

دوسرا اعتراض تعریف مذکور پر عدم مانعیت کا کیا ہے کہ اس میں طالق وضامر خالد و مستمر داخل ہوجاتے ہیں چونکہ ان سب کے اندر فعل کا قیام دائمی ہے اس لیے کہ طالق کہتے ہیں اس عورت کو جو شوہر سے علیحدہ ہوگئی ہو اور ضَامِرٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو لاغر وکمزور ہو،اور خالِدٌ و مُستَمِرٌّ میں تو دوام کے معنی ہیں ہی جو ظاہر ہے۔

الجواب: ہماری مراد یہ ہے کہ ثبوت کے معنی اصل وضع کے اعتبار سے ہوں لہٰذا ضَامِرٌ وَطَالِقٌ میں چونکہ ثبوت کے معنی باعتبار اصل وضع کے نہیں ہیں بلکہ عارضی ہیں استعمال میں ثبوت کے معنی پیدا ہوئے، چونکہ مثلاً طالق اس عورت کو کہیں گے جو پہلے نکاح میں تھی پھر مطلقہ ہوگئی۔

وجہ تسمیہ صفت مشبہ: صفت مشبہ چونکہ مشابہہ ہوتی ہے اسم فاعل کے تذکیر وتانیث اور تثنیہ وجمع ہونے میں اس واسطے کہ دونوں شریک ہیں اس بات میں کہ دونوں اس ذات کو بتلاتے ہیں جس سے فعل کا صدور ہو رہا ہو۔

فائدہ: علامہ رضی نے صفت مشبہ کی تعریف میں دوسرا رُخ اختیار کیا ہے وہ یہ کہ صفت مشبہ حدث کے معنی پر دلالت نہیں کرتی یہ مطلب نہیں کہ حدث کے نہ ہونے پر استمرار ودوام پر لادلت کرتی ہے لہٰذا حسنٌ وضع کے اعتبار سے صاحب حُسن کو کہیں گے خواہ وہ حُسن بعض زمانے میں پایا جائے یا تمام زمانے میں۔

وصِيُغَتُها عَلٰى خلاف الخ: صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل واسم مفعول کے صیغہ کے خلاف ہے دو وجہ سے اول اس وجہ سے کہ صفت مشبہ کے سات اوزان ہیں (۱) جشنٌ (۲) جِبانٌ (۳) صَعُبٌ (۴) ذَلُولٌ (۵)

شُجاعٌ (٦) شَرِيفٌ (٧) حَسَنٌ، ان اوزان سبعہ میں ایک وزن بھی اسم فاعل کے وزن پر نہیں ہے اس لیے صیغہ صفت مشبہ صیغہ اسم فاعل کے مخالف ثابت ہوا، دوسری وجہ مصنف خود بیان فرماتے ہیں کہ صیغۂ صفت مشبہ سماعی ہے اور صیغۂ اسم فاعل قیاسی ہے اس پر بھی بعض لوگوں نے اعتراض کیا ہے کہ وہ صفت مشبہ جس میں لون (رنگ) اور عیب کے معنی ہوں اس کا صیغہ ازروئے قیاس کے افعل کے وزن پر آتا ہے جیسے ابیض اسود، اعور (کانا)۔

الجواب: ہماری مراد یہ ہے کہ جس میں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں اس کے اوزان سماعی ہیں اور جس میں یہ معنی ہوں اس کے اوزان سماعی نہیں ہیں۔

وَهِيَ تَعْمَلُ عَمَلَ فِعْلِهَا الخ: صفت مشبہ اپنے فعل کا عمل کرتی ہے مطلقاً یعنی زمانۂ حال واستقبال کی شرط کے بغیر جیسا کہ اسم فاعل میں یہ شرط ہوتی ہے اس میں نہیں ہوتی کیونکہ صفت مشبہ میں ثبوت کے معنی پائے جاتے ہیں اور زمانہ کے لیے حدث لازم ہے ہاں البتہ اشیاء ستہ میں سے کسی ایک پر اعتماد کا ہونا جو اسم فاعل کے لیے شرط ہے وہ اس میں بھی ہے سوائے اسم موصول کے چونکہ صفت مشبہ پر جو الف لام ہوتا ہے وہ باتفاق نحاۃ موصولہ نہیں ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ یاد رہے کہ صفت مشبہ اپنے فعل سے تھوڑا زائد عمل کرتی ہے وہ یہ کہ اپنے معمول کو نصب دیتی ہے اس کے مشابہ مفعول ہونے کی وجہ سے۔

ومسائِلُها ثمانيَةَ عشر لانَّ الصفةَ اِمَّا باللام او مجردة عَنها ومعمولُ كل واحدٍ منهما امَّا مضافٌ او باللام او مجردٌ عنهما فهٰذهٖ ستةٌ ومعمولُ كُلٍّ منهَا اِمَّا مرفوعٌ او منصوبٌ او مجرورٌ فذٰلك ثمانيةَ عَشَرَ وتفصيلُها نحو جاء نى زيد ن الحسن وجهُهٗ ثلٰث او جهٍ وكذٰلك الحسن الوجهُ والحسن وجهٍ وحسَنُ وجهُه وحسن الوجه وحسن وجهٍ وهى على خمسة اقسام منها ممتنع الحسن وجهٍ والحسن وجهه ومختلف فيه حسن وجههٖ والبواقى احسنُ اِن كان فيه ضميرٌ واحدٌ و حسنٌ ان كانَ فيهِ ضمير ان وقبيحٌ اِن لم يكن فيه ضميرٌ والضابطةُ اَنَّكَ متٰى رفعتَ بها معمولَها فلا ضمير فى الصفةِ ومتٰى نصَبتَ او جَرَرْتَ ففيها ضميرُ الموصوف نحو زيد حسن وجهِه.

ترجمہ: اور اس کے مسائل اٹھارہ ہیں اس لیے کہ صیغۂ صفت مشبہ یا تو لام کے ساتھ ہوگا یا مجرد عن اللام ہوگا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا معمول یا تو مضاف ہوگا یا لام کے ساتھ ہوگا یا دونوں سے خالی ہوگا تو یہ کل دو کو تین میں ضرب دے کر چھ صورتیں ہوگئیں، اور پھر ان میں چھ میں سے ہر ایک اک معمول یا تو مرفوع ہوگا یا منصوب یا مجرور، تو یہ چھ کو تین میں ضرب دے کر اٹھارہ قسمیں ہوگئیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسے جَاءَ نِي زَيْدُن

الحَسَنُ وَجُهُهٗ یہ تین قسمیں ہوگئیں اور ایسے ہی الحسن الوجهه اور الحسن وجه اور حسن وجهه وحسن الوجه وحسن وجه اور صفت مشبہ کے یہ مسائل پانچ قسم پر ہیں، ان میں سے دو قسمیں ممتنع ہیں الحسن وجه اور الحسن وجهه (بالجر) اور مختلف فیہ ہے حسن وجهه (بالجر) اور باقی (پندرہ اقسام میں سے) اگر اس میں ایک ضمیر ہے تو احسن ہے اور اگر دو ضمیریں ہیں تو حسن ہے اور اگر کوئی ضمیر نہ ہو تو قبیح ہے اور اس کا ضابطہ اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر رفع دے تو صفت مشبہ کے ذریعہ سے اس کے معمول کو تو صفت میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی اور جب اس کے معمول کو نصب یا جر دے تو اس میں (اضافت کی وجہ سے) موصوف کی ضمیر ہوگی جیسے زَیدٌ حَسَنٌ وَجهُهٗ۔

تشریح: وَمَسَائِلُهَا ثَمَانِيَةَ عَشَرَ :صفت مشبہ کے کل مسائل اور قسمیں اٹھارہ ہیں۔ مصنفؒ نے ہر ایک قسم کو مسئلہ قرار دیا لفظ قسم کو مسئلہ سے تعبیر کیا لِاَنَّ الصِّفَة ۔ یہ اٹھارہ قسمیں ہیں اس لیے کہ صفت مشبہ یا تو لام تعریف کے ساتھ استعمال ہوگی جیسے اَلحَسنُ یا مجرد عن اللام ہوگی جیسے حَسَنٌ اور پھر ان دونوں قسموں میں سے ہر ایک کا معمول یا تو باللام استعمال ہوگا جیسے اَلوَجه یا مضاف ہو کر استعمال ہوگا جیسے وَجهُهٗ یا دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی استعمال نہیں ہوگا، جیسے وَجهٌ تو دونوں کو تین میں ضرب دے کر چھ قسمیں ہوگئیں پھر ان مذکورہ چھ اقسام میں سے ہر ایک کا معمول یا تو مرفوع ہوگا یا منصوب یا مجرور، اب چھ کو تین میں ضرب دے کر کل اٹھارہ قسمیں ہوگئیں جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے جیسے جَاءَ نِی زَیدُ الحَسَنُ وَجهُهٗ صیغہ صفت معرف باللام ہو اور اس کا معمول مضاف ہو رفع نصب جر تینوں اعراب کے ساتھ تو یہ تین قسمیں ہوگئیں۔ اور تین قسمیں یہ کہ صیغہ صفت باللام ہی رہے، مگر معمول بغیر اضافت کے استعمال ہو مرفوع منصوب مجرور تینوں اعراب کے ساتھ جیسے اَلحَسَنُ الوَجهِ اور تین قسمیں یہ ہوں گی کہ صیغہ صفت معرف باللام ہو، مگر معمول نہ معرف باللام ہو اور نہ مضاف ہو اور مرفوع منصوب مجرور تینوں اعراب کے ساتھ جیسے اَلحَسَنُ وَجهٍ یہ نو قسمیں ہوگئیں اب نو ایسی کہ جن میں صیغہ صفت مجرد عن اللام ہو اور معمول مضاف مرفوع منصوب مجرور جیسے حسن وَجهُهٗ ایسے ہی تین صورتیں یہ کہ صیغہ صفت تو مجرد عن اللام ہی ہو اور معمول لام کے ساتھ ہو جیسے حسن الوجهِ، ایسے ہی تین نہ کہ صیغہ صفت مجرد عن اللام ہی ہو اور معمول مجرد عن اللام کے ساتھ ساتھ مجرد عن الاضافۃ بھی ہو، رفع، نصب، جر تینوں اعراب کے ساتھ جیسے حَسَنُ وَجهٍ۔ یہ کل اس تفصیل کے ساتھ اٹھارہ اقسام ہوگئیں اب سوال یہ ہے کہ آیا یہ سب صورتیں جائز ہیں، یا بعض ناجائز تو مصنف اس کے متعلق بیان فرماتے ہیں وَهِيَ عَلٰى خَمسَةِ اَقسَامٍ ۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ صفت مشبہ کے یہ مسائل باعتبار احسنیت وحسن وقبح وممتنع ومختلف فیہ کے پانچ اقسام پر مشتمل ہیں۔

مِنهَا مُمتَنِعٌ الخ :ان اٹھارہ میں سے دو صورتیں ممتنع اور ناجائز ہیں اول یہ کہ صیغہ صفت معرف باللام ہو اور

سن کا معمول لام اور اضافت دونوں ہی سے خالی ہو اور مجرور ہو جیسے اَلْحَسَنُ وَجْهٍ اس کے ممتنع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضاف تو معرفہ ہے اور مضاف الیہ نکرہ تو اضافت سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دوسری قسم یہ ناجائز ہے کہ صیغۂ صفت معرف باللام ہو اور اس کا معمول مضاف مجرور ہو جیسے اَلْحَسَنُ وَجْهِهٖ اس کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ اضافت لفظی کا فائدہ تخفیف فی اللفظ ہوتا ہے اور یہاں تخفیف ہوئی نہیں اس لیے کہ تخفیف مضاف میں یا تو حذف تنوین کے ساتھ ہوتی ہے یا نون تثنیہ وجمع کے سقوط کے ساتھ اور مضاف الیہ میں حذف ضمیر کے ساتھ اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہاں ان میں سے کوئی شکل نہیں پائی گئی وَمُخْتَلِفٌ فِيْهِ حَسن وجهه ۔اور ایک قسم عندالنحاۃ مختلف فیہ ہے وہ یہ کہ صیغۂ صفت مجرد از لام ہو، جس کی اضافت معمول مضاف کی جانب ہو، جیسے حسن وجہہ بعض نحاۃ اس کو ممتنع کہتے ہیں اس وجہ سے کہ اس میں اضافت الشئ الی نفسہ لازم آرہی ہے اس لیے کہ حسن اور وجہ کا مصداق ایک ہی ہے اور یہ ناجائز ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جائز ہے چونکہ حسن وجہ سے عام ہے اس لیے اضافة الشیء الی نَفْسِهٖ لازم نہیں آتی، اور ان کے علاوہ امام سیبویہ اور تمام حضرات بصریین ضرورت شعری میں جائز قرار دیتے ہیں مگر قباحت کے ساتھ جائز تو اس وجہ سے ہے کہ اضافت کی وجہ سے مضاف سے تنوین حذف ہوگئی اور قبیح اس وجہ سے ہے کہ اضافت کے وقت جتنی تخفیف کرنا ممکن ہو اتنی کردینی چاہئے اور یہاں مضاف سے تنوین کو حذف کیا جب کہ مضاف الیہ سے ضمیر بھی حذف کرنا ممکن تھا اور ضمیر کے حذف کرنے سے تخفیف زیادہ حاصل ہوتی ہے اور تنوین کے حذف سے تخفیف بہت کم حاصل ہوتی ہے اس لیے قبیح ہے۔اور حضرات کوفیین کے یہاں نظم اور نثر دونوں میں بلا قباحت جائز ہے چونکہ تخفیف فی الجملہ حاصل ہو رہی ہے یعنی کم از کم تنوین تو حذف ہو رہی ہے۔

وَالْبَوَاقِيْ اَحْسَنُ :اور پندرہ قسمیں جو باقی رہی ان کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ اگر اس میں ایک ضمیر ہے خواہ صفت میں ہو خواہ معمول میں تو ایسی ترکیب کا استعمال اَحْسَنُ ہوگا چونکہ بقدر ضرورت اس میں ضمیر پائی گئی، اور قاعدہ بھی کچھ ایسا ہی ہے خَيْرُ الْكَلَامِ مَا قَلَّ وَدَلَّ اور ایسی تراکیب نو ہیں (۱) اول (۲) دوم اَلْحَسَنُ الْوَجْه بنصب معمول وجراو (۳) سوم (۴) چہارم حَسَنُ الْوَجْه بنصب معمول وجراو (۵) اَلْحَسَنُ وَجْهًا (۶) حَسَنٌ وَجْهًا (۷) حَسَنُ وَجْهٍ معمول کے جر کے ساتھ (۸) اَلْحَسنُ وَجْهُهٗ (۹) وَحَسَنٌ وَجْهُهٗ معمول کے رفع کے ساتھ۔وَحَسَنٌ اِنْ كَانَ فِيْهِ ضَمِيْرَانِ اور اگر کسی ترکیب میں دو ضمیریں ہوں ایک صفت میں اور ایک معمول میں تو وہ ترکیب حسن ہے حسن تو حاجت اور ضرورت کے ضمیروں سے پورا ہونے کی وجہ سے اور غیر احسن اس وجہ سے کہ ضرورت سے زائد موجود ہے ایک سے بھی کام چل سکتا تھا۔ایسی صرف دو قسمیں ہیں حَسَنٌ وَجْهُهٗ اور اَلْحَسَنُ وَجْهَهٗ معمول کے نصب کے ساتھ۔

وَقَبِيْحٌ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ ضَمِيْرٌ اور اگر ایک بھی ضمیر نہیں ہے تو ایسی ترکیب قبیح ہے ضرورت کے متحقق

ہونے کی وجہ سے اور ایسی کل چار قسمیں ہیں الحسنُ الوَجْهُ، وَحَسَنُ الوُجْهُ، وَحَسَنٌ وَجْهٌ، وَالحَسَنُ وَجْهٌ معمول کے رفع کے ساتھ۔

وَالضَّابِطَةُ اَنَّكَ مَتٰى رَفَعْتَ الخ: یہاں سے طلبہ عزیز کی سہولت کے لیے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرما رہے ہیں اس قاعدہ کو بیان کرنے کی ضرورت اس لیے واقع ہوئی کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا تھا، کہ ضمیر کبھی صفت میں ہوتی ہے اور کبھی معمول میں جب معمول میں ہوتی ہے تو پتہ لگ جاتا ہے اس کے ظاہر ہونے کی وجہ سے لیکن صفت میں اس کے مستتر ہونے کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ اس میں ضمیر کہاں ہوگی اور کہاں نہیں ہوگی تو یہاں سے یہ قاعدہ بیان فرماتے ہیں کہ جب صفت مشبہ کا معمول مرفوع ہو تو صفت میں ضمیر نہیں ہوتی ورنہ تو تعدد فاعل لازم آئے گا اور تعدد فاعل ممتنع ہے ایک عامل کے لیے اور جب صفت مشبہ کا معمول منصوب یا مجرور واقع ہو تو اس میں فاعل کے محتاج ہونے کی وجہ سے ایک ضمیر ہوگی جو موصوف کی طرف راجع ہوگی جیسے زَيْدٌ حَسَنٌ وَجْهَهٗ۔

تمرین:

(۱) صفت مشبہ کی تعریف کیجئے۔ ساتھ ہی بتلایئے کہ اس کے کیا اوزان ہیں اور وہ کیا عمل کرتی ہے اور اس کے عمل کے لیے کیا شرط ہے۔

(۲) صفت مشبہ کی کل کتنی قسمیں ہیں، اور اس کے معمول کے کتنے اعراب ہو سکتے ہیں۔

(۳) صفت مشبہ کی اٹھارہ قسموں میں سے باعتبار احسنیت وحسن وقبح وممتنع ومختلف فیہ کے کتنی صورتیں ہیں۔

(۴) ان قسموں کو پہچاننے کے لیے کوئی قاعدہ کلیہ ہو تو وہ بھی بیان کیجئے۔

(۵) مندرجہ ذیل جملوں میں بتلایئے کہ صفت مشبہ کی کونسی صورت ہے ساتھ ہی وجہ بھی بیان کیجئے۔

(۱) الكريمُ قلبِ (۲) الجميل ثوبه (بجر معمول) (۳) لَيِّنُ صوته (بجر معمول) (۴) الشَّرِيْفُ الأَبَ (بنصب معمول) (۵) الجُنُبُ البدنِ (بجر معمول) ناپاک بدن والا (۶) طاهِرُ الثيابَ (بنصب معمول) (۷) حسنُ الوجهِ (بجر معمول) (۸) السَهْل عملاً (۹) سَهْل عملاً (بنصب معمول) (۱۰) صعب (سخت) عمل، بجر معمول (۱۱) الشجاع ابنُه (۱۲) جبانٌ (بزدل) ابنٌ (۱۳) عطشان حلقه (۱۴) الزئم قلبه (بہت خوفزدہ ہے اس کا دل) بنصب معمول (۱۵) الكبير المرض (۱۶) جيد العلم (۱۷) ندس تلميذه (ہوشیار ہے اس کا طالب علم) (۱۸) الهجان عملٌ (عمدہ ہے عمل) برفع معمول۔

فصل اسمُ التَّفضيل اسمٌ مشتقٌ من فعل ليدُلّ على الموصوفِ بزيادة علىٰ غيره وصيغتهُ افعلُ فَلا يُبنٰى الامن الثلاثي المجردِ الذى ليس بلونٍ ولا عيب نحو زيدٌ افضل الناسِ فإن كانَ زائداً على الثلاثي او كان لونا او عيباً يجب ان يُبنٰى افعل

من ثلاثی مجرَّدٍ لیدل علٰی مبالغةٍ وشدةٍ وکثرة ثم یذکر بعدهٗ مصدرٌ ذٰلک الفعلِ منصوباً علی التمییز کما تقول هُو اَشَدُّ اِستِخراجاً واَقوی حُمرةً واقبح عَرَجًا وقیاسُهٗ ان یکونَ للفاعِلِ کما مرَّ وقد جاءَ للمفعول قلیلًا نحو اعذر واشغل واشهر.

ترجمه: اسم تفضیل وہ اسم ہے جو فعل سے مشتق ہوتا کہ موصوف کی اس زیادتی پر دلالت کرے جو اس کی اس کے غیر کے اوپر ہے اور اس کا صیغہ (برائے مذکر) افعل ہے پس نہیں بنایا جائے گا مگر ثلاثی مجرد سے جس میں لون (رنگ) اور عیب (ظاہری) کے معنی نہ ہوں جیسے زَیدٌ اَفضَلُ النَّاسِ پس اگر ہو ثلاثی سے زیادہ، یا ہوں لون یا عیب کے معنی تو واجب ہے یہ کہ بنایا جائے اَفعَلُ کا وزن ثلاثی مجرد سے تا کہ دلالت کرے، مبالغہ اور شدت وکثرت کے معنی پر پھر ذکر کیا جائے، اس کے بعد اس فعل کا مصدر جو منصوب ہوگا، تمیز کی بناء پر جیسا کہ کہے تو هُوَ اَشَدُّ اِستِخرَاجاً وہ زیادہ سخت ہے نکلنے کے اعتبار سے وَاقوىٰ حمرةٌ اور زیادہ قوی ہے سرخی کے اعتبار سے۔ وَاَقبَحُ عَرَجًا (وہ زیادہ برا ہے لنگڑا ہونے کے اعتبار سے) اور اس کا قیاس یہ ہے کہ ہو وہ فاعل کے لیے جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں گذرا اور کبھی کبھی قلت کے ساتھ اسم تفضیل کا استعمال مفعول کے لیے بھی ہوتا ہے جیسے اَعذَرُ (زیادہ معذور) اَشغَلُ (زیادہ مصروف) اَشهَرُ (زیادہ مشہور)۔

تشریح: اسم تفضیل کی تعریف سے قبل تعریف کے اجزاء ترکیبیہ پر ایک نظر ڈال لیجئے تعریف میں فعل سے مراد معنی مصدری ہیں، اور موصوف سے مراد عام ہے کہ وہ موصوف فعل کے قیام کے ساتھ ہو جیسے اَفضَل کہ اس میں فاعل موصوف کی زیادتی ہے دوسرے پر یا وہ موصوف فعل کے وقوع کے ساتھ ہو جیسے اَلوَمُ وَاَشهَرُ کہ ان میں مفعول موصوف کی زیادتی ہے غیر پر یعنی اسم تفضیل فاعل ومفعول دونوں کی فضیلت بیان کرنے کے لیے آتا ہے بزیادةٍ یہ ظرف لغو ہے متعلق ہے موصوف کے اور علی غیرہ متعلق ہے لفظ زیادة کے اور ہ ضمیر راجع ہے موصوف کی طرف، اب تعریف کا حاصل یہ ہوگا، اسم تفضیل وہ اسم ہے جو فعل سے اس لیے مشتق ہوتا کہ اس ذات کو بتلائے جس میں اس کے غیر کی نسبت مصدری معنی کی زیادتی پائی جائے جیسے زَیدٌ اَفضَلُ مِنْ عَمرٍو میں اَفضَلُ نے زید کی فضیلت عمرو کے مقابلے میں بیان کی ہے اس تعریف کے تمام اجزاء کو ذہن میں نہ رکھتے ہوئے بعض لوگوں نے یہ اعتراض کر دیا کہ لفظ فَاضِلٌ اور زَائِدٌ اور غَالِبٌ کے اندر بھی زیادتی پائی جاتی ہے لہٰذا ان کو بھی اسم تفضیل کہنا چاہئے۔

الجواب: یہ الفاظ اسم تفضیل اس لیے نہیں ہو سکتے کہ ان میں مطلق زیادتی تو پائی جاتی ہے مگر غیر کے مقابلے میں نہیں پائی جاتی اور ہماری پیش کردہ تعریف میں مصدری معنی کی زیادتی غیر کے مقابلے میں مراد ہے۔

فوائد قیود: تعریف میں مشتق من فعل جنس ہے جو تمام ہی مشتقات کو شامل ہے اور الموصوف فصل اول ہے جس سے تمام اسماء زمان ومکان وآلہ خارج ہو گئے چونکہ یہ سب موصوف پر دلالت نہیں کرتے اور لفظ بز

فصل ثانی ہے اس سے اسم فاعل و اسم مفعول وصفت مشبہ خارج ہو گئے چونکہ ان میں مصدری معنی کی دلالت زیادتی پر نہیں ہوتی کَمَا هُوَ الظَّاهِرُ۔

وَصِيغَتُهُ اَفْعَلُ الخ: اور اسم تفضیل کا صیغہ مذکر کے لیے افعل کے وزن پر آتا ہے اور مؤنث کا فعلی کے وزن پھر یہ صیغہ افعل کے وزن پر خواہ فی الحال ہو جیسے اَفْضَلُ یا فی الاصل ہو جیسے خَيْرُ وَ شَر کہ اصل میں یہ اخیر و اشر تھے کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کر دی گئی۔

وَلَا يُبْنىٰ اِلَّا مِنَ الثُّلَاثِي المجرّد: اسم تفضیل کو صرف ثلاثی مجرد کے مصدر سے بنایا جاتا ہے نہ کہ ثلاثی مزید اور رباعی مجرد ور باعی مزید سے اس لیے کہ اسم تفضیل کا وزن افعل ثلاثی مجرد ہی سے آتا ہے اب اگر غیر ثلاثی مجرد سے بنائیں گے تو دو صورتیں ہوں گی یا تو بعض حروف کو ساقط کریں گے یا نہیں اگر نہیں کرتے تو افعل کا وزن نہیں بنتا جیسے اَسْتَخْرَجُ یہ بروزن افعل نہیں ہے، اور اگر بعض حروف کو ساقط کر کے بنائیں گے تو معلوم نہیں ہو پائے گا کہ یہ ثلاثی مجرد سے مشتق ہے یا اس کے غیر سے اَلَّذِي لَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ مجرد کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس ثلاثی مجرد میں لون (رنگ) اور عیب ظاہری کے معنی نہ ہوں چونکہ جس ثلاثی مجرد میں لون اور عیب کے معنی ہوتے ہیں اس سے افعل کا وزن صفت مشبہ کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے اَسْوَدُ وَابْيَضُ وَاَعْمٰى وَاَعْوَرُ وَاَعْرَجُ اب اگر ثلاثی مجرد مذکر سے اسم تفضیل بھی بنائیں گے تو اسم تفضیل کا التباس لازم آئے گا صفت مشبہ کے ساتھ اب معلوم نہیں ہو پائے گا کہ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یا صفت مشبہ کا۔

فائدہ: اگر ثلاثی مجرد میں عیب ظاہری کے معنی نہ ہوں بلکہ عیب باطنی کے معنی پائے جاتے ہوں تو اس سے اسم تفضیل کا صیغہ بنایا جا سکتا ہے جیسے اَحْمَقُ اَجْهَلُ وَاَبْلَدُ اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر ثلاثی مجرد جس میں لون وعیب کے معنی ہوں اس سے اسم تفضیل کا صیغہ نظر آئے تو وہ بحکم شاذ ہو گا جیسے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض کوثر کے متعلق فرمایا مَاءُهٗ اَبْيَضُ مِنَ اللَّبَنِ (اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہوگا)۔

فَاِنَّ كَانَ زَائِدًا عَلَى الثُّلَاثِيْ.

یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر غیر ثلاثی مجرد یا ثلاثی مجرد جس میں لون اور عیب کے معنی ہوں اس سے اسم تفضیل بنانا چاہیں تو کیسے بنائیں گے تو اس کا طریقہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ جو الفاظ مبالغہ اور شدت و کثرت وقوت وغیرہ کے معنی پر دلالت کرتے ہیں ان سے اَفْعَلُ کا وزن بنائیں گے پھر جس سے اسم تفضیل بنانا ممتنع ہے اس کے مصدر کو اس کے بعد بطور تمیز کے ذکر کریں گے جیسا کہ اگر آپ زید کے مقابلے میں عمر کے استخراج یا زید کے مقابلے میں عمر کی سرخی یا زیادتی کے مقابلے میں عمر کے استخراج یا زید کے مقابلے میں عمر کی سرخی یا زید کے مقابلے میں عمر کے لنگڑا پن کی زیادتی کا ارادہ کریں تو اس طرح کہیں گے هُوَ اَشَدُّ اِسْتِخْرَاجاً وَاَقْوٰى حُمْرَةً

وَاَقبح عَرَجاً۔

وَقِیَاسُہٗ اَنْ یَّکُوْنَ لِلْفَاعِلِ الخ: اور اسم تفضیل کے لیے قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ صرف فاعل کی تفضیل کے لیے استعمال کیا جاتا نہ کہ مفعول کی تفضیل کے لیے اس لیے کہ اگر دونوں کے لیے استعمال ہوتو التباس لازم آئے گا اور اگر مفعول کو ترجیح دے دی جائے تو اکثر افعال بلا تفضیل کے باقی رہ جائیں گے، چونکہ اکثر و بیشتر اسم تفضیل فعل لازم سے مشتق ہوتی ہے دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ فاعل میں مبالغہ کرنا بہ نسبت مفعول کے احسن ہوتا ہے۔

وَقَدْ جَاءَ الخ: کبھی کبھی خلاف قیاس مفعول کی تفضیل کے لیے بھی اسم تفضیل کا استعمال ہوتا ہے جیسے اَشْغَل زیادہ مشغول اَعْذَرُ زیادہ معذور اَشْھَرُ زیادہ مشہور اَلْوَم زیادہ کمینہ۔

و استعمالُه علیٰ ثلٰثة اوجهٍ امّا مضافٌ کزیدٌ افضلُ القوم او معرَّفٌ باللام نحو زیدُ الا فضلُ او بمن نحو زیدٌ افضلُ مِن عمرٍ ویجوز فی الاولِ الافرادُ ومطابقة اسمِ التفضیل للموصوفِ نحو زیدٌ افضلُ القَومِ الزید ان افضلُ القوم وافضلَا القَومِ والزیدونَ افضلُ القوم وافضَلُوا القَومِ وفی الثانی یجب المطابقة نحو زیدُ نِ الافضل والزیدَان الافضَلانِ والزیدُون الافضلُونَ وفی الثالث یَجِبُ کونُه مفرداً مذکَّرًا ابداً نحو زیدٌ وھندٌ والزیدان والھندان والزیدون والھندات افضلُ من عمرٍو وعلی الاَوجه الثلٰثة یضمر فیه الفاعِلُ وھُو یعمل فی ذٰلِکَ المضمرِ ولا یعمل فی المظھر اصلاً اِلا فی مثل قولھم مَا رَأیتُ رجلاً اَحسَنَ فی عینه الکحلُ منه فی عینِ زیدٍ فانَّ الکحلَ فاعِلٌ لَاحسَنَ وھٰھُنَا بحثٌ.

ترجمہ: اور اس کا استعمال تین طریقہ پر ہوتا ہے یا تو مضاف ہوکر جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ یا معرف باللام ہوکر جیسے زَیْدُ نِ الاَفْضَلُ یا مِنْ کے ساتھ جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو اور جائز ہے صورت اولیٰ میں اسم تفضیل کا مفرد لانا (خواہ اس کا موصوف تثنیہ ہو یا جمع) اور اسم تفضیل کا مطابق لانا موصوف کے جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ وَالزَّیْدَانِ اَفْضَلُ الْقَوْمِ وَاَفْضَلَا الْقَوْمِ وَالزَّیْدُوْنَ اَفْضَلُ الْقَوْمِ وَالزَّیْدُوْنَ اَفْضَلُوْا الْقَوْمِ اور صورت ثانیہ میں موصوف کی مطابقت واجب ہے جیسے زَیْدُ نِ الاَفْضَلُ وَالزَّیْدَانِ الاَفْضَلَانِ وَالزَّیْدُوْنَ الاَفْضَلُوْنَ اور شکل ثالث میں واجب ہے اسم تفضیل کا ہمیشہ مفرد مذکر ہونا جیسے زَیْدٌ وَھِنْدٌ وَالزَّیْدَانِ وَالْھِنْدَانِ وَالزَّیْدُوْنَ وَالْھِنْدَاتُ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو اور تینوں صورتوں میں اسم تفضیل میں فاعل کی ضمیر لائی جائے گی اور وہ اسم تفضیل اس ضمیر میں عمل کرے گا۔ مظہر میں بالکلیہ عمل نہ کرے گا (مظہر خواہ فاعل ہو یا مفعول) مگر اہل عرب کے قول مَا رَأَیْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ فِیْ عَیْنِہِ الْکُحْلُ مِنْہُ فِیْ عَیْنِ زَیْدٍ کے مثل میں

اس مثال میں اَلْکُحل اَحسَن اسم تفضیل کا فاعل ہے اور اس موقع پر بحث ہے۔ ترجمہ مثال نہیں دیکھا میں کسی مرد کو کہ سب سے اچھا ہو اس (مرد) کی آنکھ میں سُرمہ اس سرمہ سے جو زید کی آنکھ میں ہے۔

تشریح : وَاسْتِعْمَالہ عَلٰی ثَلٰثَةِ اَوجهٍ الخ: عبارت کی توضیح یہ ہے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ ہوتا ہے (۱) اضافت کے ساتھ جیسے زَیدٌ اَفضَلُ الْقَوْمِ اس مثال میں زید موصوف کی افضیلت قوم مضاف الیہ پر بیان کی جارہی ہے کہ زید اپنی قوم میں افضل ہے۔ اس مثال پر کوئی یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ جب موصوف کی افضیلت اسم تفضیل کے مضاف الیہ قوم پر مقصود ہے تو اس صورت میں تفضیل شئ علی نفسہ لازم آئے گی اس لیے کہ زید قوم میں داخل ہے جو کہ اسم تفضیل کا مضاف الیہ ہے تو جب یہاں زید کی تفضیل قوم پر مقصود ہے تو زید کی فضیلت خود اس کی ذات پر لازم آئی اور یہ باطل ہے۔

الجواب : یہاں مراد یہ ہے کہ اسم تفضیل کے مضاف الیہ پر موصوف کی زیادتی کا اس اعتبار سے ارادہ کیا جائے کہ مضاف الیہ سے مراد اس جگہ غیر مفضل ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اسم تفضیل معرف باللام ہو کر استعمال ہو یہ یاد رہے کہ لام سے مراد لام عہدی ہے اس کی مثال جیسے زَیدُ نِ الْاَفضل اَیْ زَیدُ نِ الذِیْ عهدَ کَونِہٖ اَفضَلَ مِنْ عَمرٍو مثلاً یعنی زید سے مراد وہ زید ہے جس کا مثلاً عمر سے افضل ہونا متعین ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ اس کا استعمال مِنْ کے ساتھ ہو جیسے زَیدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو۔

فائدہ : اسم تفضیل کا استعمال ان تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے ہونا واجب ہے لہٰذا ایسا بھی نہ ہوگا کہ تینوں میں سے ایک بھی صورت نہ ہو اور نہ یہ ہوگا کہ دو کے ساتھ استعمال ہو، لہٰذا زَیدُ نِ الْاَفْضَلُ مِنْ عَمرٍو نہیں کہہ سکتے، اب رہی یہ بات کہ یہ کیوں ضروری ہے کہ اس کا استعمال تینوں طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہو۔

الجواب : واضع نے اسم تفضیل کو اس لیے وضع کیا ہے تاکہ ایک شئ کی دوسری پر یعنی مفضل کی مفضل علیہ پر فضیلت ظاہر ہو اور آپ کا یہ مقصود ان امور ثلاثہ میں سے کسی ایک کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا چونکہ یہ مفضل علیہ پر دلالت کرتے ہیں، اب جب کہ اسم تفضیل کا استعمال اضافت یا مـن کے ساتھ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کے مفضل علیہ کا ذکر ضروری ہے جیسے زَیدٌ اَفضَلُ الْقَوْمِ وَزَیدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو اور جب معرف باللام ہو کر استعمال ہو تو اس وقت میں مفضل علیہ بحکم مذکور ہوتا ہے چونکہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ لام عہد خارجی کا ہے جو کہ مفضل علیہ کی تعیین کی طرف اشارہ کررہا ہے جو کہ اس سے قبل مذکور ہوچکا ہے، اب وہ مذکور خواہ لفظاً ہو جیسے اوپر دی گئی مثال میں یا حکماً مذکور ہو جیسا کہ جب کہ کسی شخص نے یہ سوال کیا ہو کہ مـن افـضـلُ من زید یعنی زید سے افضل کون ہے تو جواب دینے والے نے یہ جواب دیا ہے کہ عمرو الافضل یعنی عمرو زید سے افضل ہے، اور ہم نے ایک بات یہ پہلے بتلائی تھی کہ ایسا

نہیں ہوسکتا کہ امور ثلاثہ میں سے دو کے ساتھ استعمال ہوجائے چونکہ تینوں کی غرض ایک ہی ہے لہٰذا جب ایک مذکور ہو گا تو دوسرے کا ذکر عبث ہوگا مگر اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ ہم آپ کو ایسی مثال بھی دکھلا سکتے ہیں جس میں دو کا اجتماع ہورہا ہے جیسے لَسْتَ بِالْاَكْثَرِ مِنْهُمْ حَصىً وَاِنَّمَا الْعِزَّةُ لِلْكَاثِرِ حَصى بفتح الحاء کہتے ہیں، تعداد اور کثرت میں زیادہ ہونے کو۔ ترجمہ: شاعر اعشی عامر کو علقمہ پر فضیلت دیتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ اے علقمہ! تیری تعداد ان لوگوں میں زیادہ نہیں ہے بلکہ تم ان میں بہت کم ہو اور عزت تو اسی کو حاصل ہے جو کثرت میں غالب ہو۔ بہرحال اس مثال میں لام اور من دو کا اجتماع ہورہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس شعر میں من تفضیلیہ نہیں ہے بلکہ تبعیضیہ ہے اس کی عبارت ہے لَسْتَ بِالْاَكْثَرِ مِنْ بَيْنِهِمْ الخ پھر یہاں مقام کی مناسبت سے دو باتیں اور یاد رکھنی چاہئیں اول یہ کہ اگر مفضل علیہ قرائن سے معلوم ہوجائے تو اس کا حذف بھی جائز ہے جیسے اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَیْ اَللّٰهُ اَكْبَرُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ اور ایسے ہی اگر کسی شخص نے سوال انت اسن ام أنا کہ تو بڑا ہے یا میں۔ جواب میں کہا اَنَا اَسَنُّ اَیْ اَنَا اَسَنُّ مِنْكَ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسم تفضیل کا صیغہ معنیٔ تفضیلی سے خالی ہو تو اس کا استعمال بغیر امور ثلاثہ کے بھی جائز ہے جیسے شاعر کے اس شعر میں:

قَبَّحْتُمْ يَا آلَ زَيْدٍ نَفَرًا ألأمَ قَوْمٍ اَصْغرا وَاَكْبَرا

اس میں اَصغرُ اور اَکبر اسم تفضیل کے صیغے ہیں مگر تفضیل کے معنی سے خالی ہیں معنی میں صَغِيْرًا وَ كَبِيْرًا صفت مشبہ کے ہیں، یہ جملہ دعائیہ ہے، نفراً تمیز ہے، فاعل کی ضمیر سے، تقدیر عبارت ہے قبّح نفركم يا آل زيد، الأم منصوب علی الذم ہے یہ بھی احتمال ہے کہ نفراً کی صفت ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ مبتدا محذوف کی خبر ہو، تقدیر عبارت ہوگی أنتم ألأم قوم، اور اللؤم (ہمزہ کے ساتھ) ضد الکرم ہے، اور اصغر واکبر حال ہے الأم کی ضمیر سے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ألأم کی صفت ہو، جو تعمیم پیدا کرنے کے واسطے لائی گئی ہے، مطلب یہ ہوگا اے آل زید، اللہ پاک تمہاری پوری جماعت کا ستیاناس کرے، اس لیے کہ تم لوگوں میں ہر حال میں مستحق ملامت ہو، یا یہ کہ تم ہر چھوٹے بڑے کو لعنت وملامت کرتے رہتے ہو، اور اسی قبیل سے ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ بنسبت پہلی بار کے دوبارہ پیدا کرنا اس کو زیادہ آسان ہے ويجوز فى الاول الافراد وہ اسم تفضیل جو اضافت کے ساتھ استعمال ہو اس کو مفرد لانا بھی جائز ہے اگرچہ اس کا موصوف تثنیہ وجمع ہووے ایسے ہی اس کو مذکر لانا بھی جائز ہے اگرچہ موصوف اس کا مؤنث ہو جیسے زَيْدٌ وَهِنْدٌ وَالزَّيْدَانِ وَالْهِنْدَانِ وَالزَّيْدُوْنَ وَالْهِنْدَاتُ اَفْضَلُ الْقَوْمِ، اور اس کو موصوف کے مطابق بھی استعمال کرنا جائز ہے جیسے زَيْدٌ اَفْضَلُ الْقَوْمِ الزَّيْدَانِ اَفْضَلَا الْقَوْمِ الزَّيْدُوْن اَفْضَلُوْا الْقَوْمِ۔ اب رہی یہ بات کہ اس کو مفرد لانا کیوں جائز ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کی یہ قسم اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مفضل علیہ کے مذکور ہونے میں مشابہت رکھتی ہے اور اسم تفضیل مستعمل بمن میں افراد وتذکیر واجب ہے كَمَا سَيَجِيْءُ وَجْهُهٗ اِنْشَاءَ اللّٰهُ۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جب اسم تفضیل مستعمل بمن کو مفرد مذکر لانا واجب ہے تو اس کو بھی بوجہ مشابہت مفرد مذکر لانا واجب ہونا چاہئے۔

الجواب: اسم تفضیل کی اس قسم میں دو حیثیت ہیں ایک یہ اس کو اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مشابہت حاصل ہے معنوی لحاظ سے (كَمَا عَلِمْتَ آنِفًا) اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس کو اسم تفضیل مستعمل بِمِنْ کے ساتھ مخالفت حاصل ہے از روئے لفظ کے اس لیے کہ اسم تفضیل مستعمل بمن مضاف نہیں ہے اور یہ قسم مضاف

ہے اس لیے مشابہت کامل نہ ہوئی اس لیے افراد اور تذکیر کو معنوی حیثیت کا خیال کرتے ہوئے جائز قرار دیا اور لفظی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے موصوف کی مطابقت کو جائز رکھا۔ وَفِی الثَّانِی یَجِبُ الْمُطَابَقَةُ اور اسم تفضیل معرف باللام کو موصوف کے مطابق لانا واجب ہے مفرد و تثنیہ و جمع و تذکیر و تانیث کے اندر اور وجہ واجب ہونے کی یہ ہے کہ صفت کا موصوف کے مطابق ہونا واجب ہوتا ہے مذکورہ اشیاء کے اندر اگر کوئی مانع موجود نہ ہو اور یہاں بحمد اللہ مانع بھی موجود نہیں چونکہ مانع اسم تفضیل میں جب ہوتا جب کہ من تفضیلیہ لفظاً یا معنیً موجود ہوتا، اور یہاں من تفضیلیہ ہو ہی نہیں سکتا، چونکہ مفضل علیہ اسم تفضیل کے بعد مذکور نہیں جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدُ الْاَفْضَلُ وَالزَّیْدَانِ الْاَفْضَلَانِ وَالزَّیْدُوْنَ الْاَفْضَلُوْنَ وَفِی الثَّالِثِ الخ۔ اور اسم تفضیل مستعمل بمن میں اسم تفضیل کا مفرد مذکر لانا واجب ہے موصوف خواہ تثنیہ ہو یا جمع مذکر ہو یا مؤنث اور وجہ وجوب یہ ہے کہ من تفضیلیہ بمنزلۂ جزء اسم تفضیل کے ہے لہٰذا اسم تفضیل کا آخر مـن کے جزء ہونے کی وجہ سے وسط کلمہ کے حکم میں ہوا اور آپ جانتے ہیں کہ علامات تثنیہ و جمع تانیث مختص ہیں کلمہ کے آخر کے ساتھ اب اگر اسم تفضیل کی اس قسم کو موصوف کے مطابق لائیں تو وسط کلمہ میں ان علامات کو لاحق کرنا لازم آئے گا، جو کہ مکروہ تحریمی ہے ساتھ ہی یہ بھی یاد رہے کہ من تفضیلیہ بمنزلہ جزء اسم تفضیل کے کس حیثیت سے ہے۔ سو اس کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ کسی شئ کا جزء اس شئ کا (جس کا جزء ہے) مُتَمِّم ہوتا ہے (پورا کرنے والا) اور من تفضیلیہ اس وجہ سے کہ فارق ہوتا ہے صفت مشبہ (جیسے احمر) اور اسم تفضیل کے درمیان اس لحاظ سے یہ اسم تفضیل کے لیے متمم ہوا تو متمم ہونے کی حیثیت سے جزء کے حکم میں قرار پایا۔

امثلہ جیسے زَیْدٌ اَفْضَلُ مِنْ عَمْرٍو وَهِنْدٌ اَفْضَلُ مِنْ بَكْرٍ۔ وَالزَّیْدَانِ وَالْهِنْدَانِ اَفْضَلُ مِنْ خَالِدٍ وَالزَّیْدُوْنَ وَالْهِنْدَاتُ اَفْضَلُ مِنْ سَاجِدٍ۔

وَعَلَی الْاَوْجُهِ الثَّلٰثَةِ الخ : مذکورہ تینوں صورتوں میں اسم تفضیل کے اندر فاعل کی ضمیر لاتے ہیں اور وہ اسم تفضیل اس ضمیر ہی میں عمل کرتا ہے اسم ظاہر میں بالکل عمل نہیں کرتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اسم ظاہر قوی ہے اور اسم تفضیل عامل ضعیف ہے چونکہ صفات کل کی کل یا تو فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتی ہیں جیسے اسم فاعل و اسم مفعول یہ فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتے ہیں یا صفت کے بعض صیغے مشابہ فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے عمل کرتے ہیں جیسے صفت مشبہ یہ عمل کرتا ہے اسم فاعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اسم فاعل فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور آپ کا اسم تفضیل نہ فعل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اس لیے کہ فعل میں تفضیل کے اوپر دلالت نہیں ہوتی اور اسم تفضیل میں زیادتی پر دلالت ہوتی ہے تو اس لحاظ سے فعل کے ساتھ مشابہت نہ ہوئی، اس لیے فعل کا عمل بھی نہیں کرے گا اور نہ اس کی اسم فاعل سے مشابہت ہے اس لیے کہ اسم تفضیل کے استعمالات کے تینوں طریقوں میں اصل یہ ہے کہ وہ من کے ساتھ استعمال ہو اور اسم تفضیل اس صورت میں نہ تثنیہ لایا جاتا ہے اور نہ جمع اور نہ

مؤنث لہٰذا اس کی مشابہت مشابہ فعل (اسم فاعل کے ساتھ بھی نہ ہوئی اس لیے یہ عامل ضعیف ہوا، اور عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے معمول قوی (اسم ظاہر) میں عمل نہ کر سکے گا، بخلاف مضمر کے کہ وہ معمول ضعیف ہے اس میں عمل کرے گا۔

فائدہ: ابھی آپ نے سابق میں عامل ضعیف ہونے کی جو وجہ بیان کی اس پر سوال یہ واقع ہوتا ہے کہ اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اسم تفضیل بالکلیہ عمل نہ کرے۔

الجواب: اسم تفضیل کی فعل کے ساتھ کمالِ مخالفت نہیں ہے، چونکہ حدث پر دلالت کرنے کے اعتبار سے فعل کے ساتھ مشابہت ہے اگر چہ مشابہت بہت ضعیف ہوئی اسی مشابہت ضعیفہ کی وجہ سے معمول ضعیف میں عمل کر لیتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ ظرف اور حال اور تمیز میں بھی عمل کر لیتا ہے چونکہ ظرف اور حال کے لیے فعل کی تھوڑی سی بُو بھی کافی ہے اور تمیز کا عامل تو اسم جامد بھی ہو جاتا ہے، تو اسم تفضیل تو بطریق اولیٰ عمل کرے گا، ظرف میں عمل کرنے کی مثال جیسے هو أخطب منك يوم الجمعة اور حال کی مثال جیسے هو اَفْصَح مِنْكَ خُطَبًا اور تمیز کی مثال جیسے اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَاَعَزُّ نَفَرًا اِلَّا فِيْ مِثْلِ قَوْلِهِمُ الخ: قاعدہ مذکورہ سے ہر وہ ترکیب مستثنیٰ ہے جس میں اسم تفضیل لفظ کے اعتبار سے کسی شئ کی صفت ہووے مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ اس شئ کی صفت نہ ہو بلکہ اس کے متعلق کی صفت ہو جیسا کہ مصنف کی بیان کردہ مثال میں احسن اسم تفضیل باعتبار لفظ کے رجلا کی صفت ہے اور حقیقت کے لحاظ سے وہ اَلْكُحْل کی صفت ہے جو کہ رَجُلًا کا متعلق ہے اور وہ متعلق نظر کرتے ہوئے اس بات کی طرف کہ اس چیز میں پایا جاتا ہے مفضل ہے اور نظر کرتے ہوئے اس بات کی طرف کہ اس شئ کے غیر میں پایا جا رہا ہے، مفضل علیہ ہے جیسا کہ الکحل مثال مذکور میں رجل کی آنکھ میں موجود ہونے کے اعتبار سے مفضل ہے اور باعتبار اس کے زید کی آنکھ میں حاصل ہونے کے مفضل علیہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ شئ واحد ایک اعتبار سے مفضل ہو اور دوسرے اعتبار سے مفضل علیہ ہو اور دوسری شرط قاعدہ مذکورہ سے مستثنیٰ ہونے کی یہ ہے کہ اسم تفضیل منفی ہو اس لیے کہ نفی سے تفضیل کے معنی زائل ہو جاتے ہیں اور جب تفضیل کے معنی زائل ہو گئے تو یہ فعل کے معنی میں ہو جاےء گا، اور فعل اسم ظاہر و مضمر دونوں میں عمل کرتا ہے اس لیے اب اسم تفضیل مضمر و مظہر دونوں میں عمل کرے گا اس لیے مثال مذکور میں احسن اسم تفضیل الکحل فاعل جو کہ اسم ظاہر ہے عمل کر رہا ہے۔ اب مثال کے معنیٰ کا حاصل یہ ہوگا کہ نہیں دیکھا میں نے کسی مرد کو کہ اس کی آنکھ میں سرمہ مفضل ہو اس سرمہ سے جو زید کی آنکھ میں ہے، یعنی زید کی آنکھ کا سرمہ مفضل علیہ ہو ایسا نہیں ہے بلکہ زید کی آنکھ کا سرمہ مفضل ہے اور رجل کی چشم کا سرمہ مفضل علیہ ہے۔

وَهٰهُنَا بَحْثٌ: اس مسئلہ استثناء میں بحث ہے اور وہ بحث یہ ہے کہ اس مسئلہ کی مثال کو بجائے مذکورہ مثال کے اس سے مختصر عبارت میں بھی پیش کیا جا سکتا تھا، جیسے مَا رَأَيْتُ رَجُلًا اَحْسَنَ فِيْ عَيْنِه الْكُحْلِ مِنْ عين

زید اس میں منہ ضمیر مجرور نہ لانے کی وجہ سے اختصار ہو گیا اور اگر آپ چاہیں تو اس سے بھی زیادہ مختصر کر سکتے ہیں مثلاً یوں کہیں مَا رَأیتُ کَعین زَیدٍ اَحسَن فِیهَا الکُحلُ اس مثال میں عین کو بغیر من تفضیلیہ کے اسم تفضیل پر مقدم کیا گیا ہے۔

مصنفؒ کی بیان کردہ مثال کے علاوہ طلبہ کی سہولت کے لیے بطور تمرین کے ہم دو مثالیں ذکر کرتے ہیں پہلی مثال حدیث پاک سے ہے:

مَا مِنْ اَیَّامٍ اَحبّ اِلَی اللّٰہِ فِیهَا الصَّوم مِنهُ فِی عَشر ذِی الحِجَّة ۔ اللہ پاک کو ذی الحجہ کے شروع کے دس دنوں میں جتنا نیک عمل پسند ہے اتنا کسی اور دن میں پسند نہیں ہے، اس میں احب اسم تفضیل بظاہر ایام کی صفت ہے۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے الصوم کی صفت ہے۔ الصوم دیگر ایام کے اعتبار سے مفضل ہے اور ذی الحجہ کے دس دنوں کے اعتبار سے غیر مفضل ہے یعنی دیگر ایام کے اعتبار سے روزے زیادہ محبوب ہیں اور ذی الحجہ کے دس دنوں کے اعتبار سے کم محبوب ہیں۔ اور اسم تفضیل نفی کے تحت ہے اس لیے اسم تفضیل نے اسم ظاہر الصوم کو فاعلیت کی بناء پر رفع دیا۔

دوسری مثال: مَا رَأیتُ رَجُلاً أکمل فِی وَجهِه الإشرَاقُ مِنهُ (أی مِنَ الإشراق) فِی وَجهِ العَابِدِ الصَّادِق ۔ سچے عبادت گذار کے چہرے میں جیسی چمک ہوتی ہے ایسی اعلیٰ درجہ کی چمک میں نے کسی شخص کے چہرے میں نہیں دیکھی۔ اس میں الإشراق أکمل کا فاعل ہے اور وہ مفضل بھی ہے، اور مفضول بھی، عابد کے چہرے میں ہونے کے اعتبار سے مفضل ہے اور غیر عابد کے چہرے میں ہونے کے اعتبار سے مفضول ہے۔

تمرین:

(۱) اسم تفضیل کی جامع مانع تعریف کیجئے، ساتھ ہی بتلایئے کہ اسم تفضیل کا صیغہ مذکر کے لیے کس وزن پر اور مؤنث کے لیے کس وزن پر آتا ہے۔

(۲) اسم تفضیل کن ابواب سے آتا ہے اور جن ابواب سے اسم تفضیل نہیں آتا ان سے بنانے کا طریقہ کیا ہے۔

(۳) جو اسم تفضیل مفعول کی تفضیل کے لیے آتا ہے اس کی چند امثلہ بیان فرمایئے۔

(۴) اسم تفضیل کے استعمال کے کتنے طریقے ہیں مع ان کے احکام کے بیان فرمایئے۔

(۵) اسم تفضیل اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا، اس سے وہ کونسی دو ترکیبیں مستثنیٰ ہیں جن میں اسم تفضیل اسم ظاہر میں بھی عمل کرتا ہے۔

(۶) مسألۃ الکحل کی مصنفؒ کی بیان کردہ مثال کے علاوہ مختصر تعبیر اور کیا ہو سکتی ہے۔

تمرین: ذیل کے جملوں میں بتلایئے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کس طریقہ کے ساتھ

رہا ہے۔

خَيرُ النَّاسِ مَنْ يَنفَعِ النَّاسَ ، اَنا اَكْثرُ مِنكَ مَالًا وَاعَزُّ نَفَرًا، الرَّسول صلى الله عليه وسلم، اَشْرَفُ الانبياء اِنّ اَكرَمَكم عِندَ اللّٰه اَتقٰكُمْ، اَحسنُ الهَدْيِ هَدْىُ محمد صلى الله عليه وسلم ومَنْ اَظلَمُ مِمَّنْ مَنعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ (اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو لوگوں کو اللہ کے گھروں میں آنے سے روکے)۔

القسمُ الثَّانِى فِىْ الفِعْلِ وقَدْ سبَقَ تَعْرِيْفُه وَاقسَامُهٗ ثَلٰثة ماضٍ وَمُضارِعٌ وَامرٌ الاوّل الماضى وهو فعلٌ دَلّ عَلٰى زَمانٍ قَبْلَ زمَانِک وهُوَ مَبنىٌّ عَلَى الفتح ان لَمْ يَكُن مَعَه ضَمِير مَرفُوعٌ مُتحرِّکٌ وَلا وَاوٌ كضربَ ومع الضمير المرفُوع المتحرّک على السُّكون كضَرَبْتُ وعلى الضَّمّ مع الواوِ كضربُوْا.

ترجمہ: کلمہ کی دوسری قسم ہے فعل کے بیان میں اور تعریف اس کی گذر چکی ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں (۱) ماضی (۲) مضارع (۳) امر۔ ان اقسام ثلٰثہ میں قسم اول ماضی ہے اور ماضی وہ فعل ہے جو دلالت کرے ایسے زمانہ پر جو زمانہ کہ تیرے زمانہ سے قبل واقع ہے اور ماضی مبنی بر فتحہ ہوتی ہے اگر اس کے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک نہ ہو اور واو زیادہ نہ ہو جیسے ضَرَبَ اور مبنی بر سکون ہوتی ہے ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ جیسے ضَرَبْتُ اور واو کے ساتھ مبنی علی الضم ہوتی ہے جیسے ضَرَبُوْا۔

تشریح: جب مصنفؒ کلمہ کی قسم اول یعنی اسم کی تعریف اور اس کی تقسیم واحکام سے فارغ ہوگئے اب یہاں سے دوسری قسم فعل کو بیان فرما رہے ہیں اس کی تعریف مع علامات کے مقدمہ کے اندر بیان کی جا چکی ہے دوبارہ بیان کرنا طوالت کا سبب ہوگا اس لیے شوقین حضرات وہیں رجوع فرمائیں۔

وَاَقسَامُهٗ ثَلٰثَةٌ الخ: یہاں سے فعل کی تقسیم کا آغاز فرماتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس کی تین قسمیں ہیں اور تین میں حصر کی وجہ یہ ہے کہ فعل دو حال سے خالی نہیں یا تو انشائی ہوگا یا خبری اگر اول ہے تو امر ہے اور ثانی ہے پھر دو حال سے خالی نہیں اس کے شروع میں حروف زوائد اربعہ (حروف أتین) میں سے کوئی حرف ہوگا یا نہیں اول ہے تو مضارع ہے اور ثانی ہے تو ماضی ہے۔

اَلْمَاضِىْ وَهُوَ فِعْلٌ دَلَّ الخ: یہاں سے ماضی کی تعریف بیان فرماتے ہیں کہ ماضی وہ فعل ہے جو باعتبار وضع کے اور بلا قرینہ کے زمانہ موجودہ سے پہلے والے زمانہ پر دلالت کرے۔ یعنی جس زمانہ میں اے مخاطب تو ہے اس زمانہ سے سابق زمانہ پر جس فعل کی دلالت ہو وہ فعل ماضی ہے مگر اس تعریف پر یہ اشکال ہے کہ اس تعریف میں زمانہ کے لیے زمانہ ہو کر تسلسل لازم آتا ہے اور تسلسل باطل ہے اور جو چیز باطل ہو وہ خود باطل ہے لہٰذا مصنف نے

بیان کردہ تعریف باطل ہوئی، وہ اس طور پر کہ عَلٰی زَمَانٍ قبل زَمانِكَ میں قبلیت زمانیہ مراد ہے اور قبلیت زمانیہ اس کو کہتے ہیں کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانہ میں نہ پائے جائیں مقدم کے لیے اور زمانہ ہو مؤخر کے لیے اور لہٰذا مَـا دَلّ عَـلٰی زَمَـانٍ قَبْل زَمَـانِكَ میں جب قبلیت زمانیہ مراد ہوئی تو اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ عـلـی زمـان میں جو زمانہ ہے اس کے لیے کوئی دوسرا زمانہ ہو اور قَبْـلَ زَمَـانِكَ میں جو زمانہ ہے اس کے لیے علیحدہ زمانہ ہوتا کہ مقدم و مؤخر دونوں علیحدہ علیحدہ زمانوں میں پائے جائیں پھر چونکہ وہ دو زمانے جو زمان مقدم اور موخر کے لیے مانے جاتے ہیں وہ بھی زمانے ہیں اس لیے ان میں بھی قبلیت زمانیہ ہوگی اور ان کے لیے علیحدہ علیحدہ دو زمانے ماننے پڑیں گے پھر وہ بھی دو زمانے ہیں ان کے لیے بھی علیحدہ علیحدہ دو زمانے ماننے پڑیں گے اس طرح زمانہ کے لیے زمانہ ہو کر تسلسل لازم آئے گا اور یہ محال ہے اور امر محال کو جو چیز مستلزم ہو وہ خود محال ہے لہٰذا مصنف کی بیان کردہ تعریف ناجائز ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف کی تعریف میں جو دو زمانے سمجھ میں آ رہے ہیں گذشتہ اور حال یہ زمانہ کے اجزاء ہیں، اور اجزاء زمانہ میں قبلیت ذاتیہ ہوتی ہے نہ کہ قبلیت زمانیہ چونکہ قبلیت زمانیات میں پائی جاتی ہے نہ کہ اجزاء زمان میں اور قبلیت ذاتیہ وہ ہے کہ مقدم اور مؤخر دونوں ایک زمانے میں پائے جائیں اور مقدم مؤخر کے لیے علت تامہ ہو جیسے حرکت ید اور حرکت قلم دونوں ایک زمانہ میں پائے جاتے ہیں اور حرکت ید حرکت قلم کے لیے علت تامہ ہے۔

وَهُـوَ مَبْنِيٌّ عَلَى الْفَتْحِ: مبنی کی تعریف سے فارغ ہو کر اس کی بعض خاصیتوں کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ ماضی لفظاً یا تقدیراً مبنی برفتحہ ہوتی ہے مگر اس وقت جب کہ ماضی ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ سے خالی ہو جیسے ضرب یہ تو مبنی برفتحہ لفظی کی مثال ہے اور مبنی علی الفتح تقدیراً جیسے رَمٰی کہ دراصل رَمَی تھا اسی سے آپ کو دو باتیں معلوم ہوگئیں اول یہ کہ اگر ماضی کے ساتھ ضمیر منصوب متحرک ہو تو اس صورت میں بھی ماضی مبنی برفتحہ ہوگی، جیسے ضَـرَبَـهٗ ضَـرَبَكَ وغیرہ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ضمیر مرفوع متحرک کے بجائے ضمیر مرفوع ساکن ملی ہوئی ہو، علاوہ واؤ کے تب بھی ماضی مبنی علی الفتح ہوگی جیسے ضَربا اور ضَربَتْ۔

وَمَعَ الـضَّـمِيْرِ الْمَرْفُوعِ الخ : اور اگر ماضی کے ساتھ ضمیر مرفوع متحرک ملی ہوئی ہو تو اس وقت ماضی مبنی برسکون ہوگی جیسے ضَرَبْتُ اسی طرح ضَرَبْنَ سے ضَـرَبْنَا تک اور وجہ مبنی برسکون ہونے کی یہ ہے کہ کلام عرب میں مسلسل چار حرکتوں کا ایک کلمہ میں جمع ہونا مکروہ ہے۔

نوٹ: متن کی عبارت میں جو ضَرَبْتُ لکھا ہوا ہے وہ کاتب کا سہو ہے۔

وَعَـلَـى الضَّمّ الخ: اور اگر ماضی کے ساتھ واؤ متصل ہو تو ماضی مبنی برضمہ ہوگی خواہ لفظاً ہو جیسے ضَـرَبُوْا یا تقدیراً ہو جیسے رَمَوْا اس کے مبنی برضمہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ واؤ اخت ضمہ ہے اس لیے یہ اپنے ماقبل ضمہ چاہتا ہے

فائدہ: یہاں تین باتیں یادرکھیں اول یہ کہ ماضی مبنی کیوں ہوتی ہے دوسرے سکون پر کیوں نہیں ہوتی جو بناء میں اصل ہے۔تیسرے حرکات ثلاثہ میں سے فتحہ ہی پر کیوں ہوتی ہے۔

الجواب: مبنی تو اس لیے ہوتی ہے کہ علت اعراب جو کہ فاعلیت ومفعولیت اوراضافت ہے وہ نہیں پائی جاتی ،اورسکون پر اس لیے نہیں ہوتی کہ اس کونکرہ کی صفت واقع ہونے کے اعتبار سے اسم کے ساتھ مشابہت حاصل ہے،اوراس میں اصل اعراب ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَرَبَ یہ دراصل مَرَرْتُ بضَارِبٍ کی جگہ میں واقع ہے جوکہ رجل نکرۃ کی صفت واقع ہورہاہے،اورفتح پر اس لیے مبنی ہے کہ فتحہ اخفّ الحرکات ہے۔

والثانی المضارعُ وهُوَ فعلٌ یشبَهُ الاِسمَ بِاحدیٰ حروفِ أتَینَ فِی اوّله لفظاً فی اتفاق الحرکاتِ والسَّکَنَاتِ نحو یَضرب ویَسْتَخْرِجُ کضَارِبٍ ومستخرِجٍ وفی دُخُولِ لام التَّاکِید فِی اوّلهما تقولُ اِنَّ زیداً لَیَقُومُ کَمَا تقولُ اِنَّ زیداً لَقائمٌ وفی تَساویهِما فی عَدَدِ الحُرُوف ومعنیً فی اَنَّه مشترکٌ بینَ الحالِ وَالاستقبال کاسْم الفاعلِ ولذٰلکَ سمّوُه مُضارِعًا وَالسینُ وسوف تُخصّصُه بالاستِقْبال نحو سیضرب وسوف یضرب وَاللامُ المفتوحةُ بالحالِ نَحو لِیَضرِبُ وحُروفُ المضارعةِ مضمُوْمَة فی الرباعِی نحو یُدَحرجُ ویُخرجُ لانَّ اصْلَه یاَخرِجُ ومفتوحةٌ فی ما عَدَاه کیَضْرِبُ ویَسْتَخْرِجُ واِنَّمَا اعربُوْهُ مَع انَّ اصل الفعل البناءُ لمُضارعَته ای لمُشابَهَته الاسمَ فِی ما عَرفْتَ واصلُ الاسم الاعرابُ وذٰلک اِذَا لم یتَّصلُ به نونُ تاکیدٍ ولانونُ جمعِ المونثِ واعرابُه ثلثةُ انواعٍ رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ نحو هو یَضْرِبُ ولَنْ یضرِبَ ولم یَضْرِبْ.

ترجمہ: اورفعل کی دوسری قسم مضارع ہے۔اورمضارع وہ فعل ہے جومشابہ ہواسم کے حروف أ تین میں سے کسی ایک کے شروع میں زیادہ ہونے کی وجہ سے اوروہ مشابہت مضارع کی اسم کے ساتھ خواہ لفظاً ہوحروف و سکنات کے متفق ہونے میں جیسے یَضْرِبُ وَیَسْتَخْرِجُ ضَارِبٌ ومُستَخْرِجٌ کے مانند ہیں اورلام تاکید کے داخل ہونے میں ان دونوں کے شروع میں کہے گا تو ان زیدا لیقوم جیسا کہ کہے تو اِنَّ زَیْدًا لَقَائِمٌ اوران دونوں کے حروف کے عدد کے اندر برابر ہونے میں اورمضارع اسم کے معنوی اعتبار سے بھی مشابہ ہوتا ہے اس بات میں کہ وہ مشترک ہوتا ہے حال اوراستقبال کے درمیان اسم فاعل کی مانند اوراسی مشابہت کی وجہ سے مضارع کا نام مضارع رکھتے ہیں،اور سین اورسوف خاص کردیتا ہے اس کو استقبال کے ساتھ جیسے سَیَضْرِبُ اور سَوْفَ یَضْرِبُ خاص کردیتا ہے لام مفتوحہ اس کو حال کے ساتھ جیسے لَیَضْرِب اورحروف مضارع رباعی میں مضموم ہوتے

جیسے یُدَحْرِجُ وَیُخْرِجُ اس لیے کہ یُخْرِجُ کی اصل یُاَخْرِجُ تھی اور اس (رباعی) کے علاوہ میں مضارع مفتوح ہوتا ہے جیسے یَضْرِبُ وَیَسْتَخْرِجُ اور بے شک نحویین نے مضارع کو معرب قرار دیا باوجود یکہ فعل کی اصل مبنی ہونا ہے اس کے مضارع یعنی اس کے اسم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس چیز میں جس کو آپ نے پہچان لیا اور اسم کی اصل معرب ہونا ہے اور یہ (معرب ہونا) اس وقت ہے جب کہ اس کے ساتھ نون تاکید اور نون جمع ملا ہوا نہ ہو، اور اس کے اعراب کی تین قسمیں ہیں رفع نصب جزم جیسے هُوَ یَضْرِبُ وَلَنْ یَضْرِبَ وَلَمْ یَضْرِبْ۔

تشریح : المضارع الخ مضارع کے لغوی معنی مشابہت کے آتے ہیں (۲) مضارع ضَرْع (بفتح الضاد) سے مشتق ہے اور ضرع کہتے ہیں پستان کو خواہ اونٹنی کی ہو یا گائے اور بکری وغیرہ کی تو گویا کہ مضارع اور اسم دونوں نے ایک پستان سے دودھ پیا ہے اس لحاظ سے یہ دونوں رضاعی بھائی ہیں۔

اسی کی اصطلاحی تعریف خود مصنف بیان فرماتے ہیں کہ مضارع وہ فعل ہے جو اسم کے مشابہ ہو حروف اربعہ جن کا مجموعہ أَتَیْنَ ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کے اس کے شروع میں زیادہ ہونے کی وجہ سے۔

مضارع حروف أَتَیْنَ میں سے کسی ایک کے اس کے شروع میں آنے کی وجہ سے جو اسم کے مشابہ ہوتا ہے وہ کس اعتبار سے مشابہ ہوتا ہے یہاں سے اسی مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ لفظی اور معنوی دونوں اعتبار سے مشابہ ہوتا ہے لفظی اعتبار سے اس طور پر کہ دونوں حروف وسکنات میں برابر ہوتے ہیں جیسے ضَارِبٌ میں تین حرکات اور ایک سکون ہے ایسے ہی یَضْرِبُ میں بھی تین حرکات اور ایک سکون ہے اور جیسے مُسْتَخْرِجٌ میں چار حرکات اور دو سکون ہیں، ایسے ہی یَسْتَخْرِجُ میں بھی چار حرکات اور دو سکون ہیں، وَفِی دُخُوْلِ لَامِ التَّاکِیْدِ لام تاکید کے دونوں کے شروع میں داخل ہونے کے اعتبار سے بھی اتفاق ہے جیسے مضارع میں اِنَّ زَیْدًا لَیَقُوْمُ کہا جاتا ہے ایسے ہی اسم کے اندر بھی اِنَّ زَیْداً لَقَائِمٌ کہا جاتا ہے۔ وَفِی تَسَاوِیهِمَا الخ اور حروف کی تعداد میں برابر ہونے کے اعتبار سے بھی دونوں متفق ہیں، جیسا کہ امثلہ مذکورہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا اور معنوی لحاظ سے بھی مضارع اسم کے مشابہ ہوتا ہے جیسے اسم فاعل زمانہ حال واستقبال کے درمیان مشترک ہوتا ہے ایسے ہی مضارع بھی ان دونوں کے درمیان مشترک ہوتا ہے۔

وفی وقوعه صفة الخ : اور جیسے اسم فاعل نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے ایسے ہی مضارع بھی نکرۃ کی صفت واقع ہو جاتا ہے جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٍ میں ضارب رجل نکرہ کی صفت واقع ہو رہا ہے ایسے ہی مَرَرْتُ بِرَجُلٍ یَضْرِبُ کے اندر بھی یضرب رجل نکرہ کی صفت واقع ہو رہا ہے۔

وَلِذٰلِكَ سَمَّوْهُ الخ: اس جملہ سے مضارع کی وجہ تسمیہ بیان فرماتے ہیں مضارع چونکہ مضارعۃ سے مشتق ہے اور مضارعۃ کے معنی مشابہت کے آتے ہیں تو مضارع کو اسی مشابہت مذکورہ کی وجہ سے مضارع کہتے ہیں بعض

لوگوں نے مضارع کا نام مستقبل بھی رکھا ہے چونکہ اس میں استقبال کے معنی پائے جاتے ہیں اور بعض نے حال بھی نام رکھا چونکہ اس میں زمانہ حال کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔

وَالسِّینُ وسَوْفَ الخ: مضارع پر جب سین یا سوف میں سے کوئی داخل ہو جائے تو مضارع زمانہ مستقبل کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے صرف اتنا فرق ہے کہ سین استقبال قریب کے معنی دیتا ہے اور سوف استقبال بعید کے جیسے سَیَضْرِبُ وَسَوْفَ یَضْرِبُ۔

وَاللامُ المَفْتُوحَۃُ الخ: اور جب لام مفتوحہ داخل ہو تو مضارع زمانہ حال کے لیے متعین ہو جاتا ہے جیسے لَیَضْرِبُ وغیرہ مگر اس پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ جب لام مفتوحہ مضارع کو حال کے معنی کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اور سوف استقبال کے ساتھ تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان منافات کی وجہ سے اجتماع جائز نہ ہوگا حالانکہ کلام الٰہی میں تو اجتماع ہو رہا ہے جیسے وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی میں اور ایسے ہی وَلَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا کے اندر تو اس سے معلوم ہوا کہ لام مفتوحہ برائے تخصیص حال نہیں ہے۔

الجواب: لام مفتوحہ آتا تو ہے تاکید اور حال دونوں ہی کے واسطے مگر ان دونوں آیتوں میں صرف تاکید کے لیے ہے تو گویا کہ اس کے معنی میں تجرید کر لی گئی جس سے صرف تاکید کے معنی باقی رہے۔

وحُرُوفُ الْمُضَارِعَۃِ الخ: جس کی ماضی میں چار حرف ہوں خواہ اصلی ہوں یا زائد اس میں حرف مضارع مضموم ہوتا ہے جیسے یُدَحْرِجُ وَیُخْرِجُ مثال اول رباعی مجرد کی ہے اور ثانی ثلاثی مزید کی چونکہ یخرج اصل میں یُؤَخْرِجُ تھا ہمزہ کو صیغہ واحد متکلم میں اجتماع ہمزتین کی وجہ سے حذف کر دیا اور ہمزہ متکلم کے علاوہ باقی صیغوں میں طردًا لِلْبَابِ حذف کیا گیا۔

وَمَفْتُوحَۃٌ فِیْمَا سِوَاہُ الخ: اور حرف مضارع غیر رباعی میں مفتوح ہوتا ہے جیسے یَضْرِبُ وَیَسْتَخْرِجُ۔

فائدہ: حرف مضارع رباعی میں مضموم اور غیر رباعی میں مفتوح کیوں ہوتا ہے۔

الجواب: غیر رباعی میں مفتوح ہوتا ہے فتحہ کے خفیف ہونے کی وجہ سے اور رباعی میں مضموم اس لیے ہوتا ہے کہ رباعی فرع ہے ثلاثی کی اس لیے کہ رباعی کا وجود ثلاثی کا محتاج ہوتا ہے چونکہ رباعی کا وجود بغیر ثلاثی کے متصور ہی نہیں ہو سکتا اس لیے رباعی ثلاثی کی فرع ہوئی اور ضمہ فرع ہے فتحہ کی چونکہ ضمہ ثقیل ہے اور فتحہ خفیف ہے اور ثقیل فرع ہوتا ہے خفیف کی اس لیے رباعی میں حرف مضارع کو ضمہ دیا گیا۔

وَاِنَّمَا اَعْرَبُوْہُ الخ: یہاں سے فعل مضارع کے معرب ہونے کی وجہ بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ فعل میں جب کہ اصل مبنی ہونا ہے چونکہ اس میں علت اعراب نہیں پائی جاتی، اور علت اعراب فاعلیت ومفعولیت

منافات ہیں، مگر اس کے باوجود بھی فعل مضارع معرب ہو رہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کو چونکہ اسم فاعل کے ساتھ مشابہت حاصل ہے اور اسم میں معرب ہونا اصل ہے تو اسی مشابہت کی وجہ سے معرب ہوتا ہے۔

وَذٰلِكَ اِذَا لَمْ يَتَّصِلَ الخ: مطلب یہ ہے کہ مضارع اس وقت معرب ہوتا ہے جب کہ اس کے ساتھ نون تاکید اور نون جمع مونث ملا ہوا نہ ہو اس لیے کہ جب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ متصل ہوگا مضارع مبنی ہوگا چونکہ نون تاکید مضارع کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلۂ جزء کلمہ کے ہے اب اگر اعراب کو اس سے قبل داخل کیا جائے گا تو اس کا دخول وسط کلمہ میں لازم آئے گا، اور اگر خود نون تاکید پر داخل کیا جائے تو حقیقتاً چونکہ دوسرا کلمہ ہے اس لیے اعراب کا دخول دوسرے کلمہ پر لازم آئے گا، وَهٰذَا لَا يَجُوْزُ اور ایسے ہی نون جمع مؤنث مضارع میں ماضی کے نون جمع مؤنث کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اپنے ماقبل سکون کو چاہتا ہے لہٰذا نون اعراب کو قبول نہیں کرے گا۔

وَاعْرَابُهٗ ثَلٰثَةٌ : اور مضارع کے بھی اسم کے اعراب کی طرح تین اعراب ہیں رفع نصب جزم اور یہ اعراب تین ہی اس وجہ سے ہیں تا کہ فعل کے اعراب کی زیادتی اسم کے اعراب پر لازم نہ آئے۔مثال جیسے هُوَ يَضْرِبُ وَلَنْ يَضْرِبَ وَلَمْ يَضْرِبْ۔

تمرین:

(۱) فعل ماضی کی جامع و مانع تعریف کیجئے۔
(۲) ماضی مبنی بر فتح کب ہوتی ہے، اور سکون وضمہ پر کب ہوتی ہے۔
(۳) ماضی کی تعریف پر جو اعتراض ہوا، اور پھر اس کا جو جواب دیا گیا اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں پیش کیجئے۔
(۴) فعل مضارع کی تعریف بیان کیجئے اور وجہ تسمیہ بھی بیان کیجئے۔
(۵) فعل مضارع اسم فاعل کے ساتھ کن چیزوں میں مشابہ ہوتا ہے۔
(۶) جب مضارع پر سین اور سوف داخل ہو تو کونسے زمانہ کے لیے متعین ہوتا ہے۔
(۷) حرف مضارع کہاں مفتوح ہوتا ہے اور کہاں مضموم۔
(۸) فعل مضارع معرب کیوں ہوتا ہے جب کہ اس میں بھی علت اعراب نہیں پائی جاتی۔
(۹) مضارع مطلقاً معرب ہوتا ہے یا کسی شرط کے ساتھ جو بھی شق ہو بیان کیجئے۔
(۱۰) مضارع کے اعراب کتنے ہیں؟

فصل فی اَصْنَافِ اعراب الفعل وهی اربعة الاول ان یکون الرفعُ بالضمة والنصبُ بالفتحة والجزمُ بالسّکون ویُختصُّ بِالمفردِ الصَّحیح غیر المخاطبةِ تقُول

هو يضربُ ولن يَّضرب ولم يضْرِب والثانى ان يكونَ الرفعُ بثبوتِ النون والنصبُ وَالجزمُ بحذفِهَا وتختصُّ بالتثنيةِ وجمعِ المذكر والمفردةِ المخاطبةِ صحيحاً كان او غيرَه تقُولُ هُما يَفْعَلان وهم يَفعَلُونَ وانتِ تفعلِينَ ولن يَفعلا ولن يفعلوا ولن تفعلِى ولَم تفعَلا ولَم تفعلوا ولم تفعلِى، والثالثُ ان يكونَ الرفعُ بتقدير الضمَّةِ والنصبُ بالفتحة لفظًا والجزمُ بحذفِ اللامِ ويختَصُّ بالناقِص اليائِىْ وَالواوِى غير تثنيةٍ وجَمعٍ ومُخاطبةٍ تقولُ هُو يَرْمِىْ ويَغْزُو ولَنْ يَرْمِىَ ويَغزُوَ وَلَم يَرْمِ ويَغْزُ، والرابع اَن يكُون الرفعُ بتقدير الضمةِ والنصبُ بتقدير الفتحةِ والجزمُ بحذفِ اللام ويُختصُّ بِالناقصِ الالفى غير تثنيةٍ وجمع ومخاطبةٍ نحو هو يَسْعٰى وَلن يَّسعٰى وَلم يَسعَ.

ترجمہ: یہ فصل ہے اعراب فعل کی انواع کے بیان میں اوراس کی چار قسمیں ہیں اول قسم یہ ہے کہ رفع ضمہ کے ساتھ ہواورنصب فتحہ کے ساتھ اور جزم سکون کے ساتھ اوراعراب کی یہ قسم خاص ہے مفرد صحیح کے ساتھ صیغہ واحد مؤنث حاضر کے علاوہ میں کہے گا تو هو يضرب ولن يضربَ ولم يضربْ دوسری قسم یہ ہے کہ رفع نون کے اثبات کے ساتھ ہواورنصب اور جزم اس کے حذف کے ساتھ اور خاص ہے یہ قسم تثنیہ وجمع مذکر اور واحد مؤنث حاضر کے ساتھ خواہ صحیح ہو یا اس کے علاوہ ہو کہے گا تو: هُمَا يَفْعَلاَنِ وَهُمْ يَفْعَلُوْنَ وَانْتِ تَفْعَلِيْنَ وَلَنْ يَفْعَلا وَلَنْ يَّفْعَلُوْا وَلَنْ تَّفْعَلِىْ وَلَمْ تَفْعَلَا وَلَمْ تَفْعَلُوْا وَلَمْ تَفْعَلِىْ.

اور تیسری قسم یہ ہے کہ رفع تقدیر ضمہ کے ساتھ ہواورنصب فتحہ لفظی کے ساتھ اور جزم لام کلمہ کے حذف کے ساتھ اور یہ قسم خاص ہے ناقص یائی اورواوی کے ساتھ جو تثنیہ وجمع وواحد مؤنث حاضر کے علاوہ ہو کہے گا تو هُو يَرْمِىْ ويَغْزُو ولَنْ يَرْمِىَ ويغزو وَلَم يَرْمِ ويَغْزُ اور چوتھی قسم یہ ہے کہ رفع تقدیر ضمہ کے ساتھ ہو، اورنصب تقدیر فتح کے ساتھ ہواور جزم لام کلمہ کے حذف کے ساتھ ہو، اور خاص ہے یہ قسم ناقص الفی کے ساتھ جو تثنیہ وجمع وواحد مؤنث حاضر کے علاوہ ہو جیسے هُوَ يَسْعٰى وَلَنْ يَسْعٰى وَلَمْ يَسْعَ۔

تشریح: جب مصنفؒ مضارع کی تعریف اوراس کے احکام کے بیان سے فارغ ہو گئے اب یہاں سے اس کے اعراب کی اقسام کے بیان کو شروع فرمارہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضارع کے اعراب کی چار قسمیں ہیں۔ اَلاوَّلُ اَنْ يَكُوْنَ الرَّفعُ بِالضَّمَّةِ الخ: قسم اول یہ ہے کہ مضارع کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ اورنصبی میں فتحہ کے ساتھ اور حالت جزم میں سکون کے ساتھ یعنی کہ اس کا اعراب عامل کے مطابق ہوگا، وَيَخْتَصُّ بِالْمُفْرَدِ الصَحِيْح۔ اعراب کی یہ قسم اس مضارع کو دی جاتی ہے جو مفرد صحیح ہواور وہ مضارع واحد مؤنث حاضر کا صیغہ نہ ہو۔ مفرد کی قید سے احتراز ہے تثنیہ وجمع سے اس لیے کہ ان کا اعراب اس کے علاوہ ہوتا ہے اور صحیح کی قید

از ہے ناقص سے خواہ وہ ناقص واوی ہو یا یائی یا الفی جیسے یَدْعُوْ وَیَرْمِیْ وَیَخْشٰی اس کا اعراب بھی اعراب مذکورہ کے علاوہ ہوتا ہے اور ایسے ہی صیغہ واحد مؤنث حاضر کا اعراب بھی مذکورہ اعراب کا غیر ہوتا ہے کما سیاتی۔

وَالثَّانِیْ اَنْ یَّکُوْنَ الرَّفْعُ بِثُبُوْتِ النُّوْنِ: اعراب کی دوسری قسم یہ ہے کہ حالت رفع میں نون کا اثبات ہو اور حالت نصبی و جزمی میں نون محذوف ہو اور اعراب کی یہ قسم مضارع کے سات صیغوں کے لیے مخصوص ہے چاروں تثنیہ کے صیغے دو مذکر و مؤنث غائب اور دو مذکر و مؤنث حاضر اور دو جمع مذکر غائب و حاضر اور ایک واحد مؤنث حاضر پھر مضارع کے یہ ساتوں صیغے صحیح ہوں یا غیر صحیح یعنی معتل وغیرہ ہوں ہر حال میں یہی اعراب رہے گا، جیسے حالت رفعی میں آپ کہیں: هُمَا یَفْعَلَانِ وَیَرْمِیَانِ وَهُمْ یَفْعَلُوْنَ وَیَرْمُوْنَ وَاَنْتِ تَفْعَلِیْنَ وَتَرْمِیْنَ اور حالت نصبی و جزمی میں یوں کہیں: وَلَنْ یَفْعَلَا وَیَرْمِیَا وَلَنْ یَّفْعَلُوْا وَیَرْمُوْا وَلَنْ تَّفْعَلِیْ وَ تَرْمِیْ وَلَمْ یَفْعَلَا وَیَرْمِیَا وَلَمْ یَفْعَلُوْا وَیَرْمُوْا وَلَمْ تَفْعَلِیْ وَتَرْمِیْ.

فائدہ: اس قسم ثانی میں حالت رفعی میں نون کیوں باقی رہتا ہے؟ الجواب: چونکہ محل اعراب لام کلمہ ہے اور لام کلمہ کے ساتھ جب حرف علت واقع ہو گیا (تثنیہ میں الف جمع مذکر میں واؤ اور واحد مؤنث حاضر میں یاء) تو اس کو حرف علت کے مناسب حرکت دے دی گئی، اس لیے اب اس پر کوئی دوسری حرکت نہیں آ سکتی اور رہا حرف علت تو وہ خود ساکن رہتا ہے اس لیے اس پر بھی حرکت ممکن نہیں اور مبنی ہونے کی بھی کوئی وجہ نہیں اس لیے حالت رفعی میں رفع کے عوض میں نون کو لائے (اور اسی وجہ سے اس نون کو نون اعرابی بھی کہتے ہیں) اور حالت جزم میں نون اس وجہ سے ساقط ہوا کہ وہ بمنزلۂ حرکت فی المفرد کے ہے تو جیسے مفرد (لم یفعل) میں حالت جزم میں حرکت حذف کر دی جاتی ہے ایسے ہی حالت جزم میں نون بھی ساقط ہو جاتا ہے اور حالت نصبی میں نون اس لیے حذف ہوتا ہے کہ افعال میں جب کہ فعل تثنیہ و جمع ہو نصب جزم کے تابع ہوتا ہے جیسا کہ اسماء کے اندر جب کہ وہ تثنیہ و جمع مذکر سالم ہو نصب حالت جری کے تابع ہوتا ہے۔

وَالثَّالِثُ اَنْ یَّکُوْنَ الرَّفْعُ بِتَقْدِیْرِ الضَّمَّةِ الخ: اعراب کی قسم ثالث یہ ہے کہ حالت رفعی میں ضمہ مقدر ہو، اور حالت نصبی میں فتحہ لفظاً موجود ہو اور حالت جری میں لام کلمہ محذوف ہو اور اعراب کی یہ قسم مخصوص ہوتی ہے اس مضارع کے ساتھ جس کا لام کلمہ واؤ ہو یا یاء ہو اور وہ مضارع صیغۂ تثنیہ و جمع مذکر اور واحد مؤنث حاضر نہ ہو اس لیے کہ ان کے اعراب کا بیان قسم ثانی میں آ چکا ہے جیسے هُوَ یَدْعُوْ وَیَرْمِیْ وَلَنْ یَدْعُوَ وَیَرْمِیَ وَلَمْ یَدْعُ وَلَمْ یَرْمِ۔ اس قسم ثالث میں حالت رفعی میں ضمہ اس لیے مقدر ہوتا ہے کہ واؤ اور یاء پر ضمہ ثقیل ہوتا ہے برخلاف حالت نصبی کے کیونکہ فتحہ اخف الحرکات ہے اس لیے فتحہ لفظی میں کوئی دشواری نہیں اور حالت جزم میں لام کلمہ اس لیے محذوف ہوتا ہے کہ جب عامل جازم نے حرف اخیر پر کوئی حرکت نہ پائی بلکہ حرف اخیر کو ساکن پایا تو اب عامل

جازم کے عمل کرنے کی صرف یہ صورت رہ گئی کہ اس حرکت کے مناسب اخیر میں جو حرف ہے اور وہ حرف علت ہے اسی کو حذف کر دیا جائے اس لیے لام کرکلمہ کو حذف کر دیا گیا۔

فائدہ: حالت رفعی میں اس قسم ثالث میں ضمہ کبھی کبھی ضرورت کی وجہ سے ظاہر بھی ہو جاتا ہے جیسے اس شعر میں:

فَعَوَّضَنِیُ عَنُهَا غنایَ وَلَمُ تکُنُ تُسَاوِی عَنُزِیُ غَیُر خَمُسِ دَرَاهِمَ

اِذَا قُلُتُ عَلَّ الُقَلبُ لَیسلُوُ قُیِّضَتُ هَوَا حِبسُ لَا تُنُفَکُّ تُغُرِیُهِ بِالوَجُد

شعر مذکور میں تُسَاوِیُ یاء کے ضمہ لفظی اور ایسے ہی یَسْلُوُ واؤ کے ضمہ لفظی کے ساتھ ہے۔

ترجمہ شعر اول: بدلہ میں دیا اس نے مجھ کو اس کے بجائے میرے غناء کو اور وہ میرے نیزے کے برابر نہیں ہے، سوائے پانچ درہم کے (خمس دراہم قلت مال کی طرف اشارہ ہے)۔

ترجمہ شعر دوم: جب میں بات کرتا ہوں تو دل کو تشفی و تسلی حاصل ہوتی ہے دل کے خیالات کے لیے یہ بات مقدر ہو چکی ہے کہ یہ خیالات اس کو (دل) برابر عشق پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔

اور ایسی ہی حالت نصبی میں بجائے فتحہ لفظی کے ضرورت شعری کی وجہ سے ساکن بھی رہتا ہے جیسے مندرجہ ذیل شعر میں:

مَا اَقُدَرَ اللّٰہُ اَنُ یُدُنِیُ عَلٰی سَخطٍ مَنُ دَارُہٗ الحزنُ مَنُ دَارُہ صُوُلٌ

فَمَا سَوَّدَتُنِیُ عَامِرٌ عَنُ دِرَایَةٍ بِاللّٰہِ اَنُ اَسُمُوُ بِأُمٍّ وَلا ابٍ

اس میں ان یدنی اور ان اسمو حالت نصب میں سکون کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ مقدر نہ کرے کہ ناراضگی سے مجھ کو قریب کر دے، ان لوگوں کے جو سخت گیر اور ظالم ہیں۔

قبیلہ بنو عامر نے مجھے تعلیم و تربیت کے ذریعہ سردار نہیں بنایا خدا کی پناہ کہ میں بلند ہو جاؤں ماں باپ سے یعنی میری بڑائی اپنے ہاتھوں ہے اور ایسے ہی ضرورت شعری کی وجہ سے لام کلمہ حالت جزم میں بجائے حذف ہونے کے ثابت رہتا ہے جیسے اس شعر میں:

هَجَوُتُ زبّان ثُمَّ جِئُتُ مُعُتذِرًا مِنُ هَجُوِ زُبَّان لَمُ تَهُجُوُ ولَمُ تَدعُو

اَلَمُ یَاتِیُکَ وَالأَنُبَاءُ تَنمِیُ بِمَا لَاقَتُ لَبُوُنُ بَنِیُ زِیَاد

اس میں حالت جزم میں لم یاتیك اور لم تهجو واؤ اور یاء کے اثبات کے ساتھ ہے۔

ترجمہ شعر اول: میں نے زبّان کی برائی بیان کی پھر میں زُبّان کی ہجو (برائی) کے متعلق معذرت کرتے ہوئے آیا تو اس نے کہا کہ نہ تو نے برائی بیان کی اور نہ بددعاء دی۔

ترجمہ شعر دوم: کیا وہ تیرے پاس نہیں آیا حالانکہ بیٹے پھل پھول رہے ہیں اس چیز کی وجہ سے جو بنو زیاد کی اونٹنیوں کو لاحق ہوئی۔

وَالرَّابِعُ اَنْ يَكُوْنَ الرَّفْعُ الخ: اور قسم چہارم اعراب کی یہ ہے کہ حالت رفعی میں ضمہ مقدر اور نصبی میں فتحہ مقدر اور جزمی میں لام کلمہ محذوف ہو اور اعراب کی یہ قسم ناقص الفی کے ساتھ مخصوص ہے یعنی جس مضارع کے اخیر میں حرف علت الف ہو اور وہ مضارع تثنیہ وجمع مذکر اور واحد مؤنث حاضر کے صیغوں سے خالی ہو جیسے هُوَ يَسْعٰى وَلَنْ يَسْعٰى وَلَمْ يَسْعَ اس قسم میں حالت رفعی ونصبی میں اعراب اس لیے مقدر ہوتا ہے کہ الف حرکت کو قبول نہیں کرتا اور حالت جزم میں لام کلمہ اس لیے محذوف ہوتا ہے کہ اس پر حرکت ہی موجود نہیں ہے۔

فائدہ: حالت جزم میں ضرورت کی وجہ سے الف باقی بھی رہ جاتا ہے جیسے شاعر کے اس شعر میں اِذَا الْعَجُوْزُ عَصَتْ فَطَلِّقَتْ وَلَا تَرْضٰهَا وَلَا تَمَلَّقَ اس میں لَا تَرْضٰهَا ابقائے الف کے ساتھ ہے جب کہ بوڑھیا نے نافرمانی کی تو طلاق دے دی گئی اور نہ اس کو راضی کیا اور نہ چاپلوسی کی۔

تمرین:

(۱) مضارع کے اعراب کی کتنی قسمیں ہیں۔

(۲) جب مضارع مفرد صحیح ہو شرط یہ ہے کہ وہ واحد مؤنث حاضر کا صیغہ نہ ہو تو اسکا کیا اعراب ہوگا۔

(۳) مضارع کی وہ کونسی قسم ہے جہاں حالت رفعی میں نون باقی رہتا ہے اور نصبی وجزمی میں ساقط ہو جاتا ہے۔ مع وجہ کے بیان کیجئے۔

(۴) مضارع کی وہ کونسی قسم ہے جس میں حالت رفعی میں ضمہ تقدیری اور نصبی میں فتحہ لفظی اور حالت جزمی میں لام کلمہ محذوف ہو جاتا ہے، مع علت کے بیان کیجئے۔

نیز حالت رفعی میں اس قسم کے اندر کبھی کبھی ضمہ ظاہر بھی ہو جاتا ہے اس کی وجہ مع مثال بیان کیجئے اور حالت نصبی میں بجائے فتحہ لفظی کے جزم بھی آ جاتا ہے اس کی وجہ مع مثال کے واضح کیجئے. نیز حالت جزی میں بجائے لام کلمہ کے حذف ہونے کے باقی رہتا ہے اس کی وجہ مع مثال بیان کیجئے۔

(۵) اگر لام کلمہ میں حرف علت الف ہو اور وہ مضارع تثنیہ وجمع مذکر اور واحد مونث حاضر کے صیغوں سے خالی ہو تو اس کا کیا اعراب ہوگا نیز بتلائیے کہ اذا العجوز عصت فطلقت ولا ترضا ھا ولا تملق کا کیا مطلب ہے اور اس کو کس چیز کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

فصل المرفوعُ عاملُهُ معنويٌّ وَهُوَ تجرُّدُهُ عن الناصِبِ وَالجازِمِ نحو هُوَ يَضْرِبُ وَيَغْزُوْ وَيرمِىْ وَيَسْعٰى.

ترجمہ: یہ فصل ہے مضارع مرفوع کے بیان میں اس کا عامل معنوی ہوتا ہے اور وہ اس کا خالی ہونا ہے ناصب اور جازم سے جیسے هُوَ يَضْرِبُ وَيَغْزُوْ وَيرمِيْ وَيَسْعٰى.

تشریح: المرفُوْعُ الخ: جب مصنفؒ اعراب فعل مضارع کے اقسام کے بیان سے فارغ ہوگئے اب یہاں سے اس کے عوامل کے بیان کے سلسلہ کو شروع فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضارع مرفوع اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا عامل معنوی ہو اور عامل معنوی کا مطلب یہ ہے کہ وہ مضارع عامل ناصب اور جازم دونوں سے خالی ہو جیسے هُوَ يَضْرِبُ وغیرہ اس میں مضارع اس لیے مرفوع ہے کہ نہ یہاں عامل ناصب موجود ہے اور نہ عامل جازم۔

وَهٰذَا مَذْهَبُ اَكْثَرِ الْكُوْفِيِّيْنَ: اس سلسلے میں حضرات بصریین کا مذہب جداگانہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ مضارع مرفوع ہوتا ہے اس وجہ سے کہ وہ موقع اسم میں واقع ہوتا ہے اور جب وہ اسم کی جگہ میں واقع ہوتا ہے تو اس کے مانند ہوگیا اور اسم کا سب سے عمدہ اعراب رفع ہے اس لیے مضارع کو بھی رفع دیا گیا جیسے زَيْدٌ يَضْرِبُ زَيْدٌ ضَارِبٌ کی جگہ میں واقع ہے ایسے ہی مَرَرْتُ بِرَجُلٍ يَضْرِبُ مَرَرْتُ بِرَجُلٍ ضَارِبٌ کی جگہ میں واقع ہے۔

فصل المنصوب عامله خمسةُ اَحْرُفٍ اَنْ ولَنْ وَكَيْ وَاِذَنْ وَاَن المقدَّرةُ نَحو اُرِيْدُ اَنْ تُحْسِنَ اِلَيَّ وَاَنَا لَنْ اَضْرِبَكَ وَاَسلَمْتُ كَيْ ادخُلَ الجنةَ واِذَنْ يَغفِرَ اللّٰهُ لَكَ وتُقَدَّر اَنْ فى سبعةِ مَواضِعَ بعد حتّٰى نحو اسلَمْتُ حَتّٰى اَدْخُلَ الجنَّةَ ولامِ كَيْ نحو قامَ زيدٌ ليذهَبَ ولام الجَحْدِ نحو ما كان اللّٰهُ لِيُعذِّبَهُم والفاءِ الواقعةِ فِي جَوابِ الامرِ وَالنهيِ والاستفهامِ والنفِي والتمَنّي وَالعرضِ نحو اَسْلِمْ فَتَسْلَم ولا تَعْصِ فَتُعَذَّبَ وهل تَعلمُ فتنجو وما تزُورُنا فنُكرِمَكَ وَليتَ لِي مالاً فأُنفقهُ وَالا تنزلُ بنا فتُصِيبَ خيرًا.

ترجمہ: یہ فعل ہے مضارع منصوب کے بیان میں اس کے عامل پانچ حرف ہیں (۱) اَنْ (۲) لَنْ (۳) كَيْ (۴) اِذَنْ (۵) اَنْ مقدرہ (امثلہ) جیسے اُرِيْدُ اَنْ تُحْسِنَ اِلَيَّ۔ میں چاہتا ہوں۔ یہ کہ تو میرے اوپر احسان کرے وَاَنَا لَنْ اَضْرِبَكَ میں تجھے ہرگز نہیں ماروں گا وَاَسْلَمْتُ كَيْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ میں نے اسلام قبول کیا تا کہ جنت میں داخل ہو جاؤں۔ وَاِذَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَكَ تب تو تجھے خدائے تعالیٰ بخش دے گا، اور ان مقدر ہوتا ہے (از روئے قیاس کے) سات جگہ میں اول حتی کے بعد جیسے اَسْلَمْتُ حَتّٰى اَدْخُلَ الْجَنَّةَ دوم لام كَيْ کے بعد جیسے قَامَ زَيْدٌ لِيَذْهَبَ سوم لام جحد کے بعد جیسے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی شان یہ کہ اپنے بندوں کو عذاب دے اور مقدر ہوتا ہے اس فاء کے بعد جو کہ امر و نہی و استفہام و نفی اور تمنی و عرض میں سے کسی

ایک کے جواب میں واقع ہو جیسے اَسلِمْ فَتسلَمَ اسلام لا تا کہ سلامت رہے اور جیسے لاتعص فَتُعَذَّبَ تو اللہ کی نافرمانی مت کر، جس کی وجہ سے تجھے عذاب دیا جائے وَھلُ تَعلَمُ فَتَنجُو کیا تو جانتا ہے تا کہ نجات پائے، وَمَا تَزُورُ نا فَنُکرِمَكَ اور تو ہماری زیارت نہیں کرتا تا کہ ہم تیرا اکرام و اعزاز کریں، وَلَیتَ لِیُ مَالًا فَانُفِقَهُ کاش کہ میرے پاس مال ہوتا پس میں اس کو خرچ کر لیتا۔ وَالَا تنزل بنا فَتُصِیبَ خَیرًا آپ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے تا کہ خیر و خوبی کو پہنچیں۔

تشریح: المنصوبُ الخ ۔ یہاں سے مصنف مضارع منصوب کے عامل کو بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضارع منصوب ہوتا ہے پانچ حرفوں میں سے کسی ایک کی وجہ سے اوّل اَن لفظی کی وجہ سے جیسے اُرِیدُ اَنُ تُحسِنَ اِلَیَّ اور وجہ ان کے بعد مضارع کے منصوب ہونے کی یہ ہے کہ یہ ان مشابہت رکھتا ہے مصدر ہونے میں لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ان مخففة مِنَ المثقلة کے ساتھ اور اَنُ مخففه مِنَ المثقلة حقیقت میں اَنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے اور اس کا معمول منصوب ہوتا ہے لہٰذا اس کا معمول بھی منصوب ہوگا اور رہے باقی دیگر حروف ناصبہ سو ان کو عمل کرنے میں ان پر محمول کر لیا گیا، چونکہ وہ سب بھی استقبال کے لیے آتے ہیں ان پانچ میں سے دوسرا حرف ناصب لَنُ ہے جیسے لَنُ یَضرِبَكَ۔

فائدہ: لن کی اصل کے متعلق علماء نحو کا اختلاف پایا جاتا ہے چنانچہ امام خلیل فرماتے ہیں کہ اس کی اصل لَا اَنُ تھی لا کے الف اور ان کے ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا لن ہو گیا امام فرّ اء فرماتے ہیں کہ اس کی اصل لا تھی الف کو نون سے بدل دیا گیا لَنُ ہو گیا البتہ امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ لن مستقل کلمہ ہے کسی سے بدلا ہوا نہیں ہے یہ یاد رہے کہ لَنُ آتا ہے مستقبل منفی کی تاکید کے لیے۔

سوم: ان میں سے کَیُ ہے کَی آتا ہے اپنے ماقبل کی اپنے مابعد کے واسطے سببیت بیان کرنے کے لیے جیسے اَسلَمتُ کَیُ اَدخُلَ الجَنَّةَ اس میں اسلام سبب ہے دخول جنت کا۔

چہارم: اِذَنُ ہے اِذَنُ اصل میں اِذ أنُ تھا تخفیف کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اور بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ دراصل یہ اِذَا ظرفیہ ہے اس کے مضاف کو حذف کر کے تنوین کو اس کے عوض میں لایا گیا اور امام سیبویہ اس میں بھی یہی فرماتے ہیں کہ یہ مستقل کلمہ ہے کسی سے بدلا ہوا نہیں ہے، اِذَنُ جواب جزاء کے واسطے استعمال ہوتا ہے اسی لیے ابتداء کلام میں واقع نہیں ہوتا ہے جیسے آپ کہیں اِذَنُ یَغفِرَ اللّٰهُ لَكَ اس شخص کے جواب میں جو کہ کہتا ہے اَسلَمتُ ۔ ہاں یہ یاد رہے کہ اِذَن کے عمل کرنے کے لیے دو شرطیں ہیں اول یہ کہ مضارع اپنے ماقبل کا معمول واقع نہ ہو، اگر اپنے ماقبل کا معمول واقع ہوگا تو اس وقت اذن عمل نہ کرے گا چونکہ اِذَن حرف ناصب ہے اور حرف عامل ضعیف ہوتا ہے لہٰذا یہ ضعف کے باعث اس قابل نہیں کہ اپنے ماقبل میں عمل کر سکے، جیسے

انا اِذَنْ اُحسِن اليك ،اس میں اَنَا مبتداء ہے مضارع اس کا معمول ہے اس میں جس طرح انا لفظ اذن سے مقدم ہے ایسے ہی احسن بھی انا کا معمول ہونے کی وجہ سے حکماً مقدم ہے اس لیے فعل مضارع بجائے منصوب کے مرفوع ہوگا شرط دوم یہ ہے کہ وہ مضارع متعین طور پر زمانہ مستقبل سے متعلق ہو، اگر زمانہ مستقبل کے لیے متعین نہ ہو تو فعل مضارع منصوب نہ ہوگا، جیسے کوئی شخص تم سے گفتگو کر رہا ہو اور تم کو اس کی گفتگو جھوٹی معلوم ہو رہی ہو اس وقت اس سے تم یہ کہو اِذَنْ اظُنُّكَ كَاذِبًا اس میں اظُنُّكَ کا تعلق زمانہ حال سے ہے کیونکہ ہم نے اس کو اس حال میں جھوٹا گمان کیا ہے۔

وَيُقَدَّرُ اَنْ فِىْ سَبْعَةِ مَوَاضِعَ الخ: یہاں سے ان مقدرہ کے مواضع کو بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں، کہ ان سات مواضع میں مقدر ہوتا ہے اول حتی کے بعد جیسے اَسْلَمْتُ حَتّى اَدْخُلَ الْجَنَّةَ دوم لام کی کے بعد جیسے قَامَ زَيْدٌ لِيَذْهَبَ سوم لام جحد کے بعد جیسے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ ان تینوں کے بعد ان کے مقدر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں حروف جارہ ہیں اور حروف جارہ کا دخول اسم پر ہوا کرتا ہے فعل پر ان کا داخلہ ممنوع ہوتا ہے تو جب ان کے بعد ان مقدر ہوگا تو فعل مصدر کے معنی میں ہو کر اسم تاویلی ہو جائے گا اس طور پر ان کا داخلہ فعل پر صحیح ہو جائے گا۔

فائدہ: لام کی لام سببیت کو کہتے ہیں جیسے لفظِ کی سببیت کے لیے استعمال ہوتا ہے ویسے ہی یہ بھی سببیت کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے اس کو لام کی کہتے ہیں۔

لامُ الجحد جحد کے معنی لغت میں انکار کرنے کے آتے ہیں اور اصطلاح میں لام جحد کہتے ہیں اس لام کو جو کان منفی کی خبر پر داخل ہوتا ہے کان منفی کی تاکید کے لیے اسی سے اس کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ چونکہ یہ لام نفی کو لازم ہوتا ہے اس لیے اس کو لام جحد کہتے ہیں۔

فائدہ: اچھا تو استاد محترم یہ بتلائیے کہ لام کی ولام جحد کے درمیان کیا فرق ہے؟

الجواب: ان دونوں میں لفظاً ومعنیً دونوں اعتبار سے فرق ہے لفظی فرق تو یہ ہوتا ہے کہ لام جحد ہمیشہ نفی کے بعد آتا ہے بخلاف لامِ کَی کے اور معنوی فرق یہ ہے کہ لامِ کَیْ علت کے لیے آتا ہے اگر اس کو نہ لائیں تو معنی میں خلل واقع ہو جاتا ہے برخلاف لام جحد کے کہ اس کے حذف سے کلام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے نیز یہ بھی یاد رہے کہ لفظ امر اور لفظ ارادۃ کے مشتقات کے بعد جو لام زائد کر دیتے ہیں اس کے بعد ان مقدر ہوتا ہے جیسے اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اور اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ کے اندر لَاَعْدِلَ اور لِيذْهِبَ اسی اَنْ مقدّرہ کی وجہ سے منصوب ہیں۔

وَالْفَاءِ الْوَاقِعَةِ فِى جَوَابِ الْاَمْرِ الخ: اور فاء کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جو اشیاء ستہ میں سے کسی ایک کے جواب میں واقع ہو وہ اشیاء ستہ امر، نہی، نفی، استفہام، تمنی، عرض ہیں اس صورت میں فاء کے مقدر ہو

وجہ یہ ہے کہ وہ اشیاء ستہ از قبیل انشاء ہیں اور فاء آتا ہے عطف کے لیے اور فاء سے قبل جملہ انشائیہ ہے اور مابعد جملہ خبریہ اور قاعدہ یہ ہے کہ خبر کا عطف انشائیہ پر جائز نہیں چونکہ عطف کے لیے ضروری ہے کہ معطوف و معطوف علیہ میں باہمی مناسبت ہو اور یہ بات ظاہر ہے کہ جملہ انشائیہ اور جملہ خبریہ میں کوئی مناسبت نہیں بلکہ مکمل طور پر انقطاع ہے اس لیے فاء کے بعد فعل مضارع پر ان کو مقدر مانیں گے جس کی وجہ سے مضارع ان مصدریہ کی وجہ سے حکم میں اسم مفرد کے ہو جائے گا، اور جملہ انشائیہ کو بھی کسی ترکیب سے حکم میں مفرد کے کر لیا جائے گا تو اب مفرد کا عطف مفرد پر ہو جائے گا اب مصنف کی دی ہوئی امثلہ پر غور کیجئے اول ہے اَسلِمْ فَتَسْلَمَ اس کی اصل عبارت ہوگی لیکن مِنْكَ الِاسْلَام۔

فَالسَّلَامَةُ مِنَ اللّٰهِ وَلا تَعْصِ فَتُعَذَّبَ کی عبارت ہوگی لَایَكُنْ مِنْكَ عِصْيَانٌ فَعَذَابٌ مِنَ اللّٰهِ اور هَلْ تَعْلَمُ فَتَنْجُوَ کی عبارت ہوگی هَلْ يَكُوْنَ مِنْكَ الْعِلْمُ فَالنَّجَاةُ مِنَ اللّٰهِ اور مَاتَزُوْرُنَا فنكرِمَكَ کی عبارت ہوگی لَا يَكُنْ مِنْكَ زِيَارَةٌ فَاكْرَام مِنَّا اور لَيْتَ لِیْ مَالًا فَانْفِقَهٗ کی عبارت ہوگی لَيْتَ لِیْ ثُبُوْتُ مَالٍ فَانْفَاقٌ مِنِّیْ اور اَلَا تَنْزِلُ فَتُصِيْبَ خَيْرًا کی عبارت ہوگی اَلَا يَكُوْنُ مِنْكَ نُزُوْلٌ فَاِصَابَةُ خَيْرُ مِنَّا۔

فائدہ: اَنْ کے فاء کے بعد مقدر ہونے کی اشیاء ستہ کے ساتھ ساتھ ایک شرط اور ہے اور وہ ہے کہ فاء کا ماقبل مابعد کے واسطے سبب ہوتا کہ تغیر لفظ تغیر معنی پر دلالت کرے، ان تمام امثلہ مذکورہ میں جو جملے فاء سے ماقبل واقع ہوئے ہیں، ہ سبب ہیں اور مابعد کے جملے مسبب ہیں اور جو مصدر فاء کے ماقبل جملہ سے مفہوم ہوتا ہے وہ معطوف علیہ ہے اور جو فاء کے مابعد جملہ سے مفہوم ہے وہ معطوف ہے۔

وبعدَ الواوِ الواقِعةِ فِی جَوَاب هٰذه المواضِعِ كذٰلِكَ نحو اَسْلِمْ وَتَسلِم اِلٰی آخِره وبعد او بمعنٰی اِلٰی اَنْ او اِلّا اَنْ نحو لاَحبسنّكَ اَوْ تُعْطِينی حَقِّیْ و وَاوِ العطفِ اِذَا كان المعطُوفُ عَلَيه اِسماً صَرِيحًا نحو اَعجَبَنِی قيامُكَ وتخرجَ ويجوزُ اِظهارُ اَنْ مَعْ لامَ كَیْ نحو اَسْلَمْتُ لِاَنْ ادخُلَ الْجنّةَ وَمَعَ وَاو العَطفِ نحو اعْجَبَنِی قيامُكَ وَاَنْ تخرجَ وَيَجب اظهارُ اَنْ فِی لامِ كَیْ اِذَا اتصلَتْ بلا النافيةِ نحو لِئَلّا يَعلَمَ واعلم اَنَّ اَن الوَاقعةَ بعدَ العلمِ ليسَتْ هِیَ الناصبة لِلفعلِ المضارع وانّما هِیَ المخفَّفَة مِن المثقلةِ نحو عَلِمْتُ اَنْ سيَقُوْمُ قَال اللّٰهُ تَعالٰی عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنكُم مَّرْضٰی وَاَن الواقِعَة بعدَ الظّنّ جَاز فيه الوَجْهَانِ النصبُ بها وان تجعلهَا كالواقعةِ بعد العلم نحو ظننْتُ اَنْ سَيقُوْمُ.

ترجمہ: اور مقدر ہوتا ہے ان اس واؤ کے بعد جو ماقبل والی اشیاء ستہ کے بعد واقع ہو جیسے اَسلِمْ وَتَسلَمَ

مثال کے آخر تک جو امثلہ ہم نے فاء کے بیان میں ذکر کی ہیں، اور مقدر ہوتا ہے او کے بعد جو الیٰ اَنْ یا اِلّا اَنْ کے معنی میں ہو جیسے لَا حبسنَّكَ اَوْ تُعطِیَنِیْ حَقِّیْ میں تجھے قید کر کے رکھوں گا مگر یہ کہ تو مجھ کو میرا حق دے دے اور مقدر ہوتا ہے واؤ عطف کے بعد جب کہ معطوف علیہ اسم صریح ہو جیسے اَعْجَبَنِیْ قِیَامُكَ وَتَخْرُجَ ۔اور جائز ہے ان کا اظہار کرنا لام کی کے ساتھ جیسے اَسْلَمْتُ لِاَنْ اَدْخُلَ الجَنَّةَ اور واؤ عطف کے ساتھ جیسے اَعْجَبَنِیْ قِیَامُكَ وَتَخْرُجَ اور ان کا ظاہر کرنا واجب ہے جب کہ وہ لائے نافیہ سے متصل ہو جیسے لِئَلَّا یَعْلَمَ اور جان تو کہ وہ ان جو یقین کے معنی پر دلالت کرنے والے لفظ کے بعد واقع ہو فعل مضارع کو نصب نہیں دیتا ہے، چونکہ وہ ان مخففة من المثقلة ہوتا ہے جیسے عَلِمْتُ اَنْ سَیَقُوْمُ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے عَلِمَ اَنْ سَیَکُوْنُ مِنْکُمْ مَرْضٰی اور وہ ان جو ظن کے بعد واقع ہو اس میں دو وجہیں جائز ہیں اول نصب اس بناء پر کہ مصدر یہ ہے اور دوسرے یہ کہ مان لے تو اس کو ایسا جیسا کہ وہ واقع ہے علم کے بعد (یعنی غلبۂ وقوع پر دلالت کرنے کی وجہ سے وہ ان مخففه من المثقله ہے اس لیے مرفوع پڑھیں) جیسے ظَنَنْتُ اَنْ سَیَقُوْمُ۔

تشریح: وبعد الواو الخ: اور واؤ کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جو مذکورہ چھ چیزوں میں سے کسی ایک کے جواب میں واقع ہو اس کے بعد تقدیر ان کی وجہ بھی وہی ہے جو فاء کے بعد کی ہے کہ یہ بھی اصل کے اعتبار سے عطف کے لیے آتا ہے اور جملہ خبریہ کا عطف جملہ انشائیہ پر ناجائز ہے اس لیے اَنْ کو مقدر مان کر مفرد کی تاویل میں ہو جائے گا جس سے مفرد کا عطف مفرد پر صحیح ہو جائے گا۔

فائدہ : اس واؤ کو واؤ جمع اور واؤ صرف بھی کہتے ہیں یہیں سے واؤ صرف کی تعریف اور وجہ تسمیہ بھی یاد رکھیں، واؤ صرف اس واؤ کو کہتے ہیں کہ جس کا مدخول (معطوف) اس چیز کے اعادہ کی صلاحیت نہ رکھتا ہو جو معطوف علیہ کے شروع میں ہے جیسے لَاتَاکُلِ السَّمَكَ وَتَشْرَبَ اللَّبَن میں تَشْرَبَ اللَّبَنَ لائے نہی کے آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا معنی مرادی میں خلل واقع ہونے کی وجہ سے چونکہ اگر اس پر بھی معطوف علیہ کی طرح لائے نہی داخل ہو گیا تو عدم اکل عدم شرب کے ساتھ جمع ہو جائے گا، یعنی یہ مطلب ہوگا کہ نہ مچھلی کھا اور نہ دودھ پی، حالانکہ متکلم کا مقصد شرب لبن کے ساتھ عدم اکل کا اجتماع ہے یعنی ایسا نہ ہونا چاہئے کہ جب تو مچھلی کھائے اس وقت دودھ پی لے اسی تعریف سے اس کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ میں آ جائے گی، چونکہ صرف کے معنی لغت میں باز رکھنے اور روکنے کے ہیں تو یہ واؤ بھی معطوف کو اس چیز سے روک کر رکھتا ہے جو معطوف علیہ کے شروع میں ہے اسی روکنے کی وجہ سے اس کو واؤ صرف کہتے ہیں نیز یہ بھی یاد رہے کہ واؤ کے بعد ان کے مقدر ہونے کے لیے دوسری شرط یہ بھی ہے کہ واؤ کا مابعد اس کے ماقبل کے ساتھ زمانہ کے لحاظ سے مصاحبت کا تعلق رکھتا ہو۔

اس کی مثالیں بعینہ فاء کی مثالیں ہیں واؤ کے فرق کے ساتھ جیسے اَسلِمْ وَتَسْلَم وغیرہ وَبعدَ اَو الخ: اَو

کے بعد بھی اَنْ مقدر ہو کر فعل مضارع کو نصب دیتا ہے جب کہ وہ او معنی میں الیٰ حرف جار یا الاحرف استثناء کے ہو
جیسے لَاَحْبِسَنَّكَ اَوْ تُعْطِيَنِی حَقِّی اس کو جب الا کے معنی میں لیا جائے تو اس کی اصل عبارت ہوگی
لَاَحْبِسَنَّكَ اِلَّا وَقتَ اَنْ تُعْطِیَنِی حَقِّی فعل فاعل دونوں مفعولوں سے مل کر مضاف الیہ اور مضاف مضاف
الیہ سے مل کر مستثنیٰ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ سے مل کر مجرور جار مجرور سے مل کر متعلق لاحبسنك فعل کے اور یہ اپنے فاعل
مفعول و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ۔ اور جب الی کے معنی میں ہو تو اصل عبارت یہ ہوگی، لاحُبسَنَّكَ اِلٰی
إعْطَائك حقی واو العطف الخ، مسئلہ سے قبل یہ یاد رکھیں کہ اسم کی دو قسمیں ہیں (۱) صریحی (۲) غیر صریحی،
صریحی کہتے ہیں اس اسم کو جو حقیقتاً اسم ہو اور غیر صریحی کہتے ہیں جو تاویلاً اسم بنایا گیا ہو۔

واوِ عطف کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جب کہ معطوف علیہ اسم صریح ہو اور وجہ تقدیر ان کی یہ ہے تاکہ جملہ کا
عطف مفرد پر لازم نہ آئے بلکہ مفرد کا عطف مفرد پر ہو جائے، جیسے اَعْجَبَنِیْ قِیَامُكَ وَتَخرُجَ میں قیام مصدر اسم
صریحی ہے جو کہ مفرد ہے اور تخرج فعل ہے جو جملہ ہے تو واو کے بعد ان کی تقدیر کی وجہ سے یہ مصدر تاویلی ہو کر حکم میں
مفرد کے ہو جائے گا۔

وَیَجُوزُ اِظْهَارُ اَنْ الخ: اور لام کی کے ساتھ ان کا ظاہر کرنا بھی جائز ہے تاکہ لام کَیْ اور لام جحد
میں فرق ہو جائے مگر اس کے برعکس نہ ہوگا چونکہ لام جحد زائدہ ہے صرف تاکید کے لیے ہے اور لام کَیْ غیر
زائد ہے کما مر فی بیانه۔

اس کی مثال جیسے اَسْلَمْتُ لِاَنْ اَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَمَعَ وَاوِ الْعَطْف اور واوِ عطف کے ساتھ بھی ان کا
اظہار جائز ہے جیسے اَعْجَبَنِیْ قِیَامُكَ وَاَنْ تَخرُجَ اور وجہ اظہار ان کی یہ ہے کہ حروف عاطفہ اسم صریح پر داخل ہوا
کرتے ہیں اور جب ان کو ظاہر کر دیں گے تو فعل مضارع حکم میں اسم صریحی کے ہو جائے گا۔

وَیَجِبُ اِظْهَارُ اَنْ الخ :جب لامِ کَیْ کے ساتھ لائے نافیہ متصل ہو رہا ہو تو اس لام کی کے بعد ان کا
ظاہر کرنا واجب ہوگا تاکہ دو متحرک لاموں کا اجتماع لازم نہ آئے چونکہ کلام عرب میں یہ اجتماع ثقیل ہونے کی وجہ سے
مکروہ ہے جیسے لِئَلَّا یَعْلَمَ اس میں لفظ لِاَنْ لَایَعْلَمَ ہے چونکہ لام اور نون دونوں قریب المخارج ہیں، اس لیے نون
کو لام سے بدل کر لام کا لام میں ادغام کر دیا گیا مگر اس پر یہ سوال واقع ہوتا ہے کہ جب نون مصدریہ کو لام سے بدلا گیا
تو پھر اجتماع لَامَیْن پایا گیا جو اصل منشاء تھا، اظہار کا وہ فوت ہو گیا۔

الجواب دو لام کا اجتماع اس وقت مکروہ ہے جب کہ دونوں متحرک ہوں اور یہاں دونوں متحرک نہیں بلکہ
اول ساکن ہے اس لیے اجتماع ایسے دو لام کا مکروہ نہ ہوگا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ اَن الْوَاقِعَةَ الخ: عبارت کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان جو اس لفظ کے بعد واقع ہو جو یقین

دلالت کرتا ہے خواہ وہ لفظ علم ہو یا لفظ تحقیق ہو یا تبیین ہو یا لفظ انکشاف وغیرہ ہو وہ فعل مضارع کے لیے ناصب نہ ہوگا، بلکہ وہ مخففہ من المثقلہ ہوگا، اس لیے کہ ان مخففہ من المثقلہ تحقیق پر دلالت کرتا ہے اوران ناصبہ یعنی مصدریہ طمع اورامید پر دلالت کرتا ہے تو یقین کے مناسب ان مخففہ من المثقلہ ہوگا نہ کہ ناصبہ اس لیے مضارع مرفوع ہوگا مگر مرفوع ہونے کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ اس مضارع پر سین یا سوف یا لائے نافیہ داخل ہو جیسے عَلِمْتُ اَنْ سَيَقُوْم اور جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰى (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کون عنقریب بیمار ہوگا)۔

وَاَنْ الْوَاقِعَةَ بَعْدَ الظَّنّ الخ: اوروہ ان جو ظن کے معنی پر دلالت کرنے والے لفظ کے بعد واقع ہو خواہ وہ لفظ ظن ہو یا رَجَا وطَمَع وخشية وخَوْف وشكّ ووَهم واعجابٌ ہوایسی صورت میں دو وجہیں جائز ہیں اول یہ کہ مضارع منصوب پڑھیں اس بنا پر کہ ان مصدریہ ہو چونکہ ظن کی حقیقت یقین کا نہ ہونا ہے لہٰذا ظن کے مناسب ان مصدریہ ہے جو کہ طمع اور رجا کے وقوع کو بیان کرتا ہے اور مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں اس بناء پر کہ وہ مخففہ من المثقلہ ہو چونکہ اگر چہ یقین کے معنی پر تو دلالت نہیں کرتا مگر غلبۂ وقوع پر تو دلالت کرتا ہی ہے اور ظاہر ہے کہ غلبہ وقوع اور گمان غالب یقین کے قریب تر ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان کو ظن کے بعد مخففہ من المثقلہ قرار دیا جائے جیسے ظَنَنْتُ اَنْ سَيَقُوْمُ۔

تمرین:

(۱) مضارع کو نصب دینے والے کتنے حروف ہیں اورکون کونسے ہیں مع امثلہ بیان کیجئے۔

(۲) ان کتنے مواضع میں مقدر ہوتا ہے مع امثلہ بیان کیجئے۔

(۳) لام کی اور لام جحد میں کیا فرق ہے۔

(۴) فا اور واؤ کے بعد اَن کے مقدر ہونے کے لیے کیا شرط ہے بیان فرمائیے۔

(۵) واؤ عطف کے بعد اَن کے مقدر ہونے کے لیے کیا شرط ہے، بیان فرمائیے۔

(۶) وہ ان جو علم اور اس کے مشتقات کے بعد آتا ہے اس کا کیا نام ہے اور وہ کیا عمل کرتا ہے۔

(۷) جو ان لفظ ظن اور اس کے مشتقات کے بعد آتا ہے اس کو آپ کیا نام دینا پسند کریں گے۔ (أن ناصبہ یا ان مخففہ من المثقلہ)

فصل المجزُومُ عاملهُ لم ولمّا ولام الامر ولا فی النهی وكَلِم المجازاتِ وهِی اِنْ ومهْما وَاِذ مَا وحيثُما واينَ ومتٰى ومَا ومَن واَىّ واَنّٰى واِن المقدرةُ نحو لم يَضرِب ولمّا يَضربُ وليَضْرِب ولاتَضْرِب واِن تَضرِبْ اَضرِبْ واعلم اَنَّ لَم تَقلبُ المضارِع

ما ضِيًا منفيًّا ولمّا كذٰلك الا اَن فيها توقعًا بعدَهٗ ودواماً قبلَهٗ نحو قامَ الاميرُ لمّا يركبُ وايضًا يجوزُ حذفُ الفِعلِ بعدَ لمّا خاصّةً تقولُ نَدِمَ زيدٌ ولمّا اى ولما ينفعهُ النَّدَمُ ولا تقول نَدِمَ زيدٌ ولم.

ترجمہ: یہ فصل ہے مضارع مجزوم کے بیان میں اس کا عامل لَمْ وَلَمَّا ولام امر اور لائے نہی اور کلمہ مجازات ہیں اور کلمہ مجازات یہ ہیں اِنْ ومَهْمَا واِذْ مَا وحَيْثما واَيْنَ ومَتٰى ومَا ومَنْ واَىُّ واَنّٰى واِنْ مقدرۃ جیسے لَمْ يَضْرِبْ ولَمَّا يَضْرِبْ، ولِيَضْرِب ولَا تَضْرِب واِنْ تَضْرِب اَضْرِبْ ۔اور جان تو کہ بے شک لفظ لم بدل دیتا ہے مضارع کو ماضی منفی سے اور لَمَّا کا بھی یہی حال ہے مگر یہ کہ لمّا میں زمانہ تکلم کے بعد ثبوت منفی کی توقع ہوتی ہے اور زمانہ تکلم سے قبل ثبوت منفی کے اندر دوام (استغراق ہوتا ہے جیسے قَامَ الامِيْرُ لَمَّا يَرْكَبُ امیر کھڑا تو ہو گیا لیکن ابھی تک سوار نہیں ہوا، اور دوسرا فرق یہ ہے کہ لما کے بعد بطور خاص فعل کو حذف کرنا جائز ہے آپ کہیں گے تو نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمَّا اَىْ ولمَّا يَنْفَعُهُ النَّدم اور نہیں کہیں گے آپ نَدِمَ زَيْدٌ وَلَمْ۔

تشریح: یہاں سے مصنف مضارع مجزوم کے عامل کے بیان کو شروع فرما رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضارع مجزوم کے عامل یہ کلمات ہیں لَم ولمّا ولام امر ولائے نہی اور کلمات مجازات ان میں سے شروع کے چار بلا واسطہ صرف ایک فعل کو جزم دیتے ہیں اور بواسطہ حرفِ عطف بہت سے افعال کو جزم دیتے ہیں اور رہا آخری سو وہ دو فعل کو جزم دیتے ہیں جیسا کہ عنقریب بیان کیا جائے گا۔ ولَا فِىْ النّهى لائے، نہی کی قید سے احتراز مقصود ہے لانفی سے جیسے لَايَضْرِبُ اور لائے زائدہ سے جیسے لَا اُقْسِمُ کہ اس میں لا زائدہ ہے صرف تحسین کلام کے لیے ہے۔ کلم المجازات، کلمات مجازات کہتے ہیں ان کلمات کو جو جملہ اولی کے سبب (شرط) اور جملہ ثانیہ کے جزاء (مسبب) ہونے پر دلالت کریں انہی کو کلمات شرط اور جزاء بھی کہتے ہیں، ساتھ ہی اس موقع پر یہ بھی یاد رہے کہ مصنف نے اسمائے شرطیہ یا حروف شرطیہ نہیں استعمال کیا لفظ کلم استعمال کیا تا کہ لفظ کلم دونوں کو شامل ہو جائے اور کلمات شرط و جزاء گیارہ ہیں (۱) اِنْ لفظیہ (۲) مَهْمَا (۳) إذْمَا (۴) حَيْثُمَا (۵) اَيْنَ (۶) مَتٰى (۷) مَا (۸) مَنْ (۹) اَىُّ (۱۰) اَنّٰى (۱۱) اِنْ مقدرہ۔

امثلہ برطریق لف و نشر مرتب: لَمْ يَضْرِبْ نہیں مارا، اس ایک مرد نے لما يضرب اس نے ابھی تک نہیں مارا، لِيَضْرِبْ چاہئے کہ مارے وہ ایک شخص لَاتَضْرِبْ مت مار تو اِنْ تَضْرِب اَضْرِب اگر تو مارے گا تو میں بھی ماروں گا مَهْمَا تَقُمْ اَقُمْ جب تو کھڑا ہو گا میں بھی کھڑا ہوں گا اِذَا مَا تُسَافِرْ اُسَافِرْ جب تو سفر کرے گا میں بھی اسی وقت سفر کروں گا حَيْثُمَا تَقْعُدْ اَقْعُدْ جس جگہ تو بیٹھے گا میں بھی بیٹھوں گا اَيْنَ تَذْهَب اَذْهَبْ جہاں تو جائے گا میں بھی وہیں جاؤں گا۔ مَتٰى تَصُمْ اَصُمْ جب تو روزہ رکھے گا میں بھی جب ہی روزہ

لکھوں گا مَا تاکُل اَکُل جو چیز تو کھائے گا میں بھی وہی کھاؤں گا مَنْ تصربُہٗ اَضرِب جس کو تو مارے گا میں بھی اس کو ماروں گا اَیُّ شَیءٍ تَکْتُبْ اَکْتُبْ جو چیز تو لکھے گا میں بھی وہی لکھوں گا اَنی تَجلِسْ اَجلِسْ جہاں تو بیٹھے گا میں بھی وہیں بیٹھوں گا۔

فائدہ: کبھی کبھی فعل مضارع لَمْ کے بعد بجائے مجزوم کے مرفوع ہی رہتا ہے جیسے مندرجہ ذیل شعر میں:

لَوْ لَا فَوَارِسُ مِنْ ذُهْلٍ وأسرتُهُم يَومَ الصُّليفاءِ لَمْ يَوُفُوْنَ بِالْجَارِ

اس میں یُوفُوْن نون کے اثبات کے ساتھ ہے مگر ایسا قلیل ہوتا ہے۔**ترجمہ**: اگر نہ ہوتے قبیلہ ذہل کے شہسوار اور ان کا خاندان صلیفاء جنگ کے دن تو وہ پڑوس والوں کے ساتھ وفا نہ کرتے۔

وَاَعْلَمْ اَن لَمْ تَقْلِبُ المضارِعَ الخ: جوازم کی تعداد اور ان کی امثلہ سے فارغ ہو کر اب ان کے معنی کے بیان کو شروع فرمار ہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ لفظ لَـمْ جمہور کے مذہب کے مطابق مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے لَمْ یَضْرِبْ زَیْدٌ اَی مَا ضَرَبَ زَیْدٌ۔

وَلَـمَّا كَذٰلِكَ ،اور لما بھی لم کی طرح مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے مگر ان دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ لما میں تو جس فعل کی نفی کی جارہی ہے تکلم کے بعد بھی اس فعل منفی کے ثبوت کی توقع رہتی ہے جیسے اس طالب علم سے جو استاذ کے حج کرنے کی توقع رکھتا ہو اس سے کہا جائے لَمَّا یَحُج اب تک تو نے حج کیا نہیں، البتہ آئندہ امید ہے ہاں البتہ کبھی کبھی لما کا استعمال غیر متوقع فعل کے اندر بھی ہو جاتا ہے جیسے نَـدِمَ زَیْـدٌ وَلَمَّا یَنْفَعهُ النَّدم ظاہر ہے کہ ندامت کبھی بھی نفع نہیں دیتی۔ ودوامًا قبله دوسرا فرق یہ ہے کہ لما اس بات کو بتلاتا ہے کہ جس وقت سے فعل کی نفی ہوئی ہے اس وقت سے برابر زمانہ تکلم تک نفی رہی ہے، جیسے نَدِمَ زَیْدٌ وَلَمَّا یَـنْـفَـعـهُ الـنَّدم مطلب یہ ہے کہ زید نادم ہوا مگر ندامت کے وقت سے اب تک اس کو ندامت نے فائدہ نہیں دیا اور اگر لَمْ یَنْفَعَهُ النَّدم کہا جائے تو مطلب صرف اتنا ہوگا کہ ندامت نے اس کو فائدہ نہیں دیا۔

وَاَیْضًا یَجُوْزُ حَذْفُ الْفِعْلِ الخ: تیسرا فرق یہ ہے کہ لما کے بعد فعل کو حذف کرنا جائز ہے اگر حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو اور لم کے بعد حذف فعل جائز نہیں لہٰذا نَدِمَ زَیْدٌ ولَمَّا یعنی لَمَّا یَنْفَعُهُ النَّدَم کہا جا سکتا ہے نَدِمَ زَیْدٌ ولَم نہیں کہا جا سکتا۔

فائدہ: لما کی دو قسمیں ہیں (۱) اسمی (۲) حرفی۔ جس وقت حرف کے معنی میں ہوگا تو یہ مضارع کے ساتھ خاص ہوگا جیسا کہ بیان مذکور میں اور جب یہ اسمی ہوگا تو بمعنی ظرف ہوگا اور اس وقت اس کے بعد ماضی کا ہونا ضروری ہے خواہ ماضی لفظاً ہو یا معنیً اور اس کا جواب بھی ایسا ہی ہوگا خواہ جملہ اسمیہ اِذَا مـفـاجـاتيه کے ساتھ ملا ہوا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان، فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ یا جملہ اسمیہ فاء کے ساتھ مقرون ہو۔

وامّا کَلِمُ المجازات حرفًا کَانَتْ او اسماً فَهِی تَدْخُلُ عَلَی الجملتین لِتَدُلَّ علی اَنَّ الأولی سببٌ للثانیَۃِ وتُسمی الاولٰی شرطًا والثانیۃُ جزاءً ثم ان کانَ الشرطُ والجزاءُ مُضارعَین یجبُ الْجزمُ فِیهما لفظًا نحو اِنْ تُکْرِمْنِی اُکرِمْکَ وانْ کَانا مَاضِیَین لم تَعْمل فیها لفظًا نحو ان ضربْتَ ضربْتُ وانْ کان الجزاءُ وحدَہٗ مَاضیًا یجب الجزمُ فِی الشرطِ نَحو اِنْ تضربْنی ضربتُکَ وان کانَ الشرطُ وحَدَہٗ مَاضیًا جاز فِی الجزاءِ الوَجهَان نحو اِنْ جِئتَنِی اُکْرِمُکَ.

ترجمہ: اور بہرحال کلم مجازات حرف ہوں یا اسم ان میں سے ہر ایک دو جملہ پر داخل ہوتے ہیں تاکہ دلالت کریں اس بات پر کہ پہلا جملہ سبب ہے جملہ ثانیہ کے لیے اور جملہ اولیٰ کا نام رکھا جاتا ہے شرط اور جملہ ثانیہ کا جزاء پھر اگر شرط اور جزاء دونوں مضارع ہوں تو ان دونوں میں لفظا جزم کا ہونا لازم ہے جیسے اِنْ تکرِمنیْ اکرِمكَ اور اگر دونوں ماضی ہوں تو کلمات شرط ان دونوں میں لفظاً عمل نہ کریں گے جیسے اِنْ ضَربْتَ ضَربْتُ اور اگر صرف جزاء ماضی ہو تو شرط میں جزم کا ہونا واجب ہے جیسے اِنْ تَضْرِبْنِیْ ضَرَبْتُكَ اور اگر صرف شرط ماضی ہو تو جزاء میں دونوں وجہیں جائز ہیں (رفع بھی اور جزم بھی) جیسے اِنْ جِئْتَنِیْ اُکْرِمْكَ۔

تشریح: وَاَمَّا کَلِمُ المجازات الخ :کلمات شرط وجزاء خواہ وہ حرف ہوں جیسے ان یا اسم ہوں جیسے مَهْمَا وغیرہ یہ سب دو فعل پر داخل ہو کر ان کو مجزوم کرتے ہیں اور علت ان کے داخل ہونے کی یہ ہے کہ تاکہ فعل اول کو سبب قرار دیا جائے، اور فعل ثانی کو مسبب ان دو فعلوں میں سے فعل اول کو شرط اور فعل ثانی کو جزاء کہتے ہیں جیسے اِنْ تُکْرِمْنِیْ اُکْرِمْكَ اس میں مخاطب کا اکرام کرنا سبب ہے متکلم کے اکرام کرنے کا یعنی میں اس وقت اکرام کروں گا جب کہ تو میرا اکرام کرے گا۔

فائدہ: سبب سے مراد عام ہے خواہ سبب حقیقی ہو خواہ اعتباری ہو سبب حقیقی کہتے ہیں کسی شئ کو نفس الامر کے مطابق سبب بنایا جائے جیسے مثال مذکور میں اور سبب اعتباری کہتے ہیں اس کو کہ کسی نے کسی شئ کو نفس الامر کے خلاف سبب مان لیا ہو اگرچہ وہ حقیقت میں سبب نہ ہو جیسے ان تَشْتِمْنِیْ اُکْرِمْكَ کے اندر گالی دینا واقعہ اور نفس الامر کے لحاظ سے نہ تو اکرام کا سبب عقلاً ہے اور نہ عرفاً چونکہ حقیقت کے اعتبار سے تو گالی دینا اہانت اور سزا کا سبب ہے لیکن متکلم نے اپنے عمدہ اخلاق کی وجہ سے گالی کو بھی اکرام کا سبب مان لیا۔

ثُمَّ اِنْ کَانَ الشَّرْطُ الخ: شرط اور جزاء اگر دونوں مضارع کے صیغے ہوں تو دونوں کا لفظی اعتبار سے مجزوم ہونا واجب ہے اور وجہ وجوب جزم کی یہ ہے کہ عامل جازم موجود ہے ساتھ ہی معمول میں بھی جزم قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے جیسے اِنْ تُکْرِمْنِیْ اُکْرِمْكَ اس کے بالمقابل اگر شرط وجزاء دونوں ہی ماضی ہوں تو د

صورت عامل جازم ان دونوں کے اندر مبنی ہونے کی وجہ سے عمل نہ کرے گا جیسے اِنْ ضَرَبْتَ ضَرَبْتُ۔

وَاِنْ كَانَ الْجَزَاءُ وَحدَهٗ: اگر صرف جزاء صیغۂ ماضی ہونہ کہ شرط تو شرط میں جزم کا آنا واجب ہوگا چونکہ عامل شرط کے قریب ہے ساتھ ہی شرط میں صلاحیت جزم بھی موجود ہے، جیسے ان تَضرِبْنِیْ ضَرَبتُكَ اور اگر مسئلہ اس کے برعکس ہو یعنی صرف شرط ماضی ہونہ کہ جزاء تو اس صورت میں جزاء میں دو وجہیں جائز ہیں اول جزم عامل کے موجود ہونے اور جزاء کے جزم کی صلاحیت رکھنے کی وجہ سے دوم رفع اس وجہ سے کہ عامل کے قریب شرط ہے اور اس میں صلاحیت نہیں اور جزاء میں اگر صلاحیت موجود ہے، مگر وہ عامل سے دور ہے اس لیے شرط کی مشابہت کی وجہ سے عامل اس میں بھی عمل نہ کرے گا جیسے اِنْ جِئْتَنِیْ اُکْرِمكَ بِالرَّفْعِ والجَزْمِ۔

واعلم انّہ اذا کان الجزاءُ ماضياً بغير قدْ لَمْ يَجُز الفاءُ فيه نحو اِنْ اَكرمتنیْ اَكرمتُكَ قال اللہ تعالىٰ وَمَنْ دَخلَهٗ كَان آمِنًا وان كان مضارعاً مثبتاً او منفيًا بلا جاز فيه الوَجْهَان نحو اِنْ تَضْرِبْنی اَضْرِبْكَ او فَاَضربُكَ وانْ تَشْتِمْنِیْ لا اَضرِبْكَ او فلا اَضربكَ وانْ لم يكن الجزاءُ احدَ القِسمَينِ المَذكورَين فيجبُ الفاءُ فيه وذٰلك فِی اربع صُوَرِ الاوْلٰی اَنْ يكونَ الجزاءُ ماضيًا مَع قد كقوله تعالىٰ اِنْ يّسرِقْ فَقَد سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبلُ والثانيةُ اَن يكونَ مضارعًا منفيًّا بغيرِ لا كقوله تعالىٰ وَمْنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الاِسْلامِ دِيْنًا فَلَن يُّقبَلَ مِنهُ والثّالثةُ ان يكونَ جملةً اسميةً كقوله تعالىٰ مَنْ جَآءَ بِالحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشرُ اَمثَالِهَا والرَّابعةُ اَنَّ يكونَ جملةً اِنشَائيةً اما امرًا كقوله تعالىٰ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ وامَّا نهياً كقوله تعالىٰ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُوْمِنٰتٍ فَلا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ وَقد يقعُ اِذَا مَعَ الْجملةِ الاسمية موضِعَ الفاءِ كقوله تعالىٰ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ.

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ جب جزاء ماضی بغیر قد کے ہو تو اس میں فاء کا لانا جائز نہیں ہے جیسے اِنْ اَكْرَمْتَنِیْ اَكْرَمْتُكَ اسی قاعدہ کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا (اور جو شخص حرم شریف میں داخل ہوجائے وہ مامون ہوجائے گا) اور اگر جزاء مضارع مثبت یا منفی بلا ہو تو اس میں دونوں وجہیں جائز ہیں یعنی فاء کا لانا اور نہ لانا جیسے اِنْ تَضْرِبْنِیْ اَضْرِبكَ یا فَاَضْرِبكَ اور ایسے ہی اِنْ تَشْتِمْنِیْ لَا اَضْرِبْكَ یا فَلَا اَضْرِبْكَ۔ اور اگر جزاء مذکورہ دونوں قسموں میں سے ایک بھی نہ ہو اس میں فاء کا لانا واجب ہوگا اور یہ وجوب فاء چار صورتوں میں ہے صورت اولیٰ یہ ہے کہ جزاء ماضی قد کے ساتھ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول اِنْ یَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ۔ اگر اس شخص نے چوری کی ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ اس سے قبل اس کا بھائی چور

چکا ہے۔اوردوسری صورت یہ ہے کہ جزاء مضارع منفی بغیر لا کے ہو جیسے وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الاسْلَامِ دِيْنًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ (اور جو شخص بھی اسلام کے علاوہ کوئی اور دین اختیار کرے گا، تو اس کا دین ہرگز قبول نہ کیا جائے)، (اور تیسری صورت یہ ہے کہ جزاء جملہ اسمیہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (جو شخص کوئی نیکی کرے گا تو اس کو اس نیکی کا دس گنا ملے گا) اور شکل چہارم یہ ہے کہ جزاء جملہ انشائیہ ہو پھر انشائیہ میں سے یا تو امر ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ (آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ کی محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو)۔ یا جملہ انشائیہ نہی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ (پس اگر تم ان عورتوں کو مسلمان جانو تو ان کو کفار کے پاس واپس مت بھیجو) اور کبھی جملہ اسمیہ کے ساتھ بجائے فاء کے اذا واقع ہو جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنَطُوْنَ (اور اگر ان کو ان کے اعمال بد کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچ جائے تو وہ ایک دم مایوس ہو جاتے ہیں)۔

تشریح: وَاعْلَمْ اَنَّه اِذَا كان الجَزَاءُ الخ : یہاں سے مصنفؒ فاء جزائیہ کے مواقع کو ذکر فرما رہے ہیں کہ کہاں کہاں لانا جائز ہوگا، اور کہاں کہاں واجب ہوگا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر جزاء فعل ماضی بغیر قد کے واقع ہووے پھر خواہ وہ ماضی لفظ اور معنی دونوں اعتبار سے ہو جیسے اِنْ خَرَجْتَ خَرَجْتُ یا صرف معنی کے لحاظ سے ہو جیسے اِنْ خَرَجْت لَمْ اَخْرُجْ تو ایسی صورت میں جزاء پر فاء جزائیہ کا لانا جائز نہ ہوگا، اور وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ فاء جزائیہ شرط اور جزاء کے درمیان ربط پیدا کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو جہاں پر پہلے ہی سے قوی ربط موجود ہوگا، تو وہاں پر فاء کا لانا جائز نہ ہوگا تو اب آپ دیکھئے کہ کلمات شرط نے ماضی بِلَا قَدْ میں ایسا قوی اثر ڈالا کہ اس کو زمانہ ماضی سے زمانہ مستقبل کی طرف پھیر دیا گو لفظوں میں کچھ اثر نہ کیا، لہٰذا اس رابطہ معنویہ کی وجہ سے فاء کے لانے کی حاجت نہ رہی اس لیے فاء کا لانا ناجائز ہوا، ہمارے اس مسئلہ کی تائید اللہ کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا ،اس میں جزاء ماضی بلا قد ہے اس لیے فاء جزائیہ کا استعمال نہ کیا گیا، وَاِنْ كَانَ مُضَارِعًا مُثْبَتاً الخ ،اور اگر جزاء مضارع مثبت یا منفی بلا ہو تو ایسی صورت میں جزاء پر فاء کا لانا اور نہ لانا دونوں جائز ہے۔ فاء کا لانا تو اس لیے جائز ہے کہ حرف شرط نے معنی کے تغیر میں اتنا قوی اثر نہیں کیا جتنا کہ ماضی میں کیا تھا کیونکہ ماضی میں تو زمانہ ماضی سے مستقبل کے معنی پیدا ہو گئے تھے، اور مضارع میں پہلے ہی سے حال واستقبال کے معنی موجود ہیں، تو حرف شرط نے قوی تاثیر پیدا نہیں کی اس لیے فاء جزائیہ کا لانا جائز ہوا اور نہ لانا اس لیے جائز ہے کہ حرف شرط نے فی الجملہ تو معنی میں اثر پیدا کیا ہے چونکہ مضارع کو مستقبل کے ساتھ خاص کر دیا، اگرچہ تاثیر قوی نہیں پائی گئی اس لیے فاء جزائیہ کی حاجت نہیں رہی جیسے اِنْ تَضْرِبْنِیْ اَضْرِبْكَ بغیر الفاء وَفَا ضربُكَ (بالفاء) اور ایسے ہی منفی بلا

ان تشتمتنی لا اضربکَ (بغیرالفاء) فَلَا اَضْرِبُکَ (بالفاء)۔

وَاِنْ لَمْ یَکُنْ الْجَزَاءُ اَحَدَ الْقسمین الخ :اوراگر جزاء مذکورہ دونوں قسموں کے علاوہ ہوتو جزاء پر فا کالانا واجب ہوگااوراس کی چار صورتیں ہیں،الاولیٰ اَنْ یَکُوْنَ الْجَزَاءُ الخ صورت اولیٰ یہ ہے کہ جزاء ماضی مع قد کے واقع ہو جیسے فرمان باری تعالیٰ میں اِنْ یَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَهٗ من قبل دوسری صورت یہ ہے کہ جزاء مضارع منفی بغیر لا کے واقع ہو یعنی ما اور لن کے ساتھ ہو جیسے اللہ کے اس فرمان میں وَمَنْ یَبْتَغِ غَیْرَ الاسْلَامِ دَیْنًا فَلَنْ یُقْبَلَ مِنْهُ ۔تیسری صورت یہ ہے کہ جزاء جملہ اسمیہ ہووے جیسے اس ارشاد خداوندی میں مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ جزاء جملہ انشائیہ ہوخواہ امر ہو جیسے قول باری تعالیٰ میں قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِی یا وہ جملہ انشائیہ صیغہ نہی ہو جیسے رب ذوالجلال کے اس قول میں فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مؤمنتٍ فلاَ ترجعُوْهُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ یہ یاد رہے کہ جو حکم جملہ انشائیہ کا ہے وہی حکم دعا اور استفہام، تمنی، عرض، افعال مقاربہ، اورافعال مدح وذم کا ہے جزاء جب کہ دعا ہو اس کی مثال جیسے اِنْ کَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَامطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَآءِ ۔اور جملہ استفہامیہ کی مثال جیسے اِنْ نَجَّیْنَا کُمْ اِلَی البرّ فَهَلْ اَنْتُمْ شَاکِرُوْن اورتمنی کی مثال جیسے اِنْ اَکْرَمْتَنِیْ فَلَیْتَ الاَمِیْرَ اَکْرَمَكَ اورعرض کی مثال جیسے اَلَا تَنْزِلِ بِنَا فَتُصِیْبُ خَیْرًا ۔مصنفؒ کی بیان کردہ چار صورتوں میں فاء جزائیہ کالانا اس لیے واجب ہے کہ حرف شرط نے نہ تو لفظی تاثیر پیدا کی جو کہ جزم ہے اور نہ معنوی یعنی زمانہ مستقبل کے معنی پیدا نہ کئے چونکہ ان سب میں زمانہ استقبال کے معنی پہلے ہی سے موجود تھے اس لیے شرط وجزاء دونوں جملوں کے درمیان فاء جزائیہ کے ذریعہ ربط پیدا کیا گیا۔

فائدہ: فاء جزائیہ کے لیے ضابطہ یہ ہے کہ اگر حرف شرط جزاء میں مؤثر ہوتو فاء کالانا جائز نہ ہوگا اور اگر بالکل مؤثر نہ ہوتو فاء کالانا واجب ہوگا، اور اگر تاثیر وعدم تاثیر دونوں کا احتمال ہوتو فاء کالانا اور نہ لانا دونوں جائز ہوگا دوسری بات یہ ہے کہ مصنفؒ نے فاء کے واجب ہونے کی جو چار صورتیں بیان کی ہیں ان کے مشہور ہونے کی وجہ سے ورنہ تو علاوہ ازیں بھی بہت سے مقام ایسے ہیں جہاں فاء کالانا واجب ہے جیسا کہ جزاء مضارع مثبت ہو اور اس پر سین یا سوف داخل ہو جیسے اِنْ جَاءَ زَیْدٌ فَسَاُکْرِمهٗ یا فَسَوْفَ اُکْرِمُهٗ اور ایسے ہی جب کہ جزاء ماضی بغیر قد کے ہو مگر مفعول اس پر مقدم واقع ہو رہا ہو جیسے فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْهَا اس میں اساء ماضی بغیر قد کے جزاء واقع ہو رہی ہے مگر اس کا مفعول من اس پر مقدم ہو رہا ہے اس لیے فاء کالانا واجب ہے۔

وَقَدْ یَقَعُ اِذَا الخ: جملہ اسمیہ کے اندر کبھی کبھی بجائے فاء کے اذا مفاجاتیہ بھی استعمال ہو جاتا ہے چونکہ دونوں کے معنی قریب قریب ہیں اس لیے کہ فاء تعقیب کے لیے آتا ہے اور تعقیب کہتے ہیں ایک شئ کا دوسری شئ

بعد بلا مہلت اور بلا تاخیر کے واقع ہونا اور یہی معنی ہیں اذا مفاجاتیہ کے چونکہ اس میں بھی اچانک بلا کسی مہلت کے ایک شئ کا دوسری شئ کے بعد وقوع ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ اِذَا هُمْ يَقْنُطُوْنَ۔

فائدہ: یہ یاد رہے کہ اذا اور فاء دونوں ایک جگہ جمع نہ ہوں گے۔

وانّما تُقدّرُ اِنْ بعد الافعال الخمسة التی هِی الامرُ نحو تَعَلَّم تَنجُ والنهیُ نحو لا تکْذِب یَکُن خیراً لَکَ والاستفهامُ نحو هَلْ تَزُورُنا نُکرِمکَ والتمنی نحو لَیْتَکَ عِنْدِی اَخْدِمکَ والعرضُ نحو الا تَنْزِلُ بِنَا تُصِبْ خیرًا وبعدَ النفی فی بعضِ المواضِع نحو لا تفْعَلْ شرًّا یَکُنْ خیراً لَکَ وذٰلِک اذا قَصَدَ اَنَّ الاوّلَ سببٌ للثّانی کَمَا رَأیتَ فی الامثلَةِ فَانَّ مَعنٰی قولِنَا تعلَّم تنجُ هُوَ اِنْ تتعلّم تنجُ وکذٰلِکَ البواقِی فلذٰلِکَ امتَنعَ قولُکَ لا تکفُر تدخُلِ النّارَ لامتناعِ السببیَّة اذلا یصحُّ ان یقال ان لا تکفر تدخل النار.

ترجمہ: اور بے شک مقدر ہوتا ہے ان شرطیہ پانچ چیزوں کے بعد جو کہ وہ امر ہے جیسے تَعَلَّم تَنْجُ دوم نہی جیسے لَاتَكْذِب يَكُنْ خَيْرًا لَكَ سوم استفہام جیسے هَلْ تَزُوْرُنَا نُكْرِمْكَ چہارم تمنی جیسے لَيْتَكَ عِنْدِیْ اَخْدِمَكَ پنجم عرض جیسے اَلَا تَنْزِلُ بِنَا تُصِبْ خَيْرًا اور بعض نسخوں میں بعد النفی لکھا ہوا ہے یعنی نفی کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جیسے لَاتَفْعَلْ شَرًّا يَكُنْ خَيْرًا لَكَ اور یہ تقدیر ان اس وقت ہے جب کہ مقصود یہ ہو کہ فعل اول سبب ہے ثانی کے لیے جیسا کہ آپ نے امثلہ مذکورہ میں دیکھا پس بے شک ہمارے قول تعلم تنج کے معنی ہیں، اِنْ تَتَعَلَّمْ تَنْجُ اگر تو علم حاصل کرے گا تو تو نجات پا جائے گا، اور ایسے ہی باقی امثلہ کو قیاس کر لیجئے، اسی وجہ سے ممتنع ہے تیرا یہ قول لَاتَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارِ سببیت کے ممتنع ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ (معنی کے اعتبار سے) نہیں صحیح ہے یہ کہ کہا جائے اِنْ لَاتَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارِ (اگر تو کفر نہیں کرے گا تو جہنم میں داخل ہو جائے گا)۔

تشریح: وَاِنَّمَا تُقَدَّرُ اِنْ الخ: عبارت میں بعد الافعال کا جو لفظ آیا ہے یہ غالبا کاتب وغیرہ سے سہواً لکھا گیا ہے چونکہ بجائے افعال کے اگر بَعْدَ الْاَشْيَاءِ الْخَمْسَةِ ہو تو زیادہ بہتر ہے۔

بہر حال یہاں سے مصنفؒ ان کے مقدر ہونے کے مقامات کو بیان فرما رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اِنْ مع فعل مضارع کے پانچ چیزوں کے بعد مقدر ہوتا ہے اول امر کے بعد جیسے تعلم تنج تو اس کی اصل عبارت ہے ان تتعلم تنج دوم نہی کے بعد مقدر ہوتا ہے جیسے لَا تَكْذِبْ يَكُنْ خَيْرًا لَكَ۔ اس کی عبارت ہوگی اِنْ لَا تَكْذِبْ يَكُنْ خَيْرًا لَكَ (اگر تو دروغ گوئی نہیں کرے گا تو تیرے لیے بہتر ہوگا)۔

سوم بعد الاستفہام جیسے هَلْ تَزُوْرُنَا نُكْرِمْكَ اس کی عبارت ہوگی اِنْ تَزُوْرُنَا نُكْرِمْكَ اگر تو ہماری ملاقات کرے گا تو ہم تیرا اکرام کریں گے۔ چہارم ان مقدر ہوتا ہے نہی کے بعد جیسے لَيْتَكَ عِنْدِيْ اَخْدِمُكَ اَيْ اِنْ تَكُنْ عِنْدِيْ اَخْدِمُكَ کاش اگر تو میرے پاس ہوتا تو میں تیری خدمت کرتا۔ پنجم اِن مقدر ہوتا ہے عرض کے بعد جیسے اَلَا تَنْزِلُ بِنَا تُصِبْ خَيْرًا اَيْ اِنْ تَنْزِلْ بِنَا تُصِبْ خَيْرًا۔ یہ یاد رہے کہ کلمہ عرض ہمزہ استفہام ہے جو حرف نفی پر داخل ہو رہا ہے یہ کلمہ عرض فائدہ دیتا ہے اثبات کا لہٰذا شرط کو بھی مع ان کے مثبت مقدر مانیں گے وبعد النفي الخ اور بعض نسخوں میں عرض کی مثال کے بعد یہ آیا ہے کہ نفی کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جیسے لَا تَفْعَلُ شَرًّا يَكُنْ خَيْرًا لَكَ یہ کاتب سے سہو لکھا گیا اس لیے کہ تقدیر ان نفی کے بعد مطلقاً صحیح نہیں چونکہ وہ خبر محض ہے جو سببیت پر دلالت نہیں کرسکتا۔

وَذٰلِكَ اِذَا قَصَدَ الخ ، مذکورہ پانچ اشیاء کے بعد فعل مضارع کو مع ان کے اس وقت مقدر مانیں گے جب کہ فعل اول (اشیاء خمسہ) سے سببیت مقصود ہو اور فعل ثانی کو اس کا مسبب بنایا گیا ہو، جیسے مصنفؒ کی بیان کردہ مثالوں میں فعل اول سبب ہے ثانی کے لیے جیسے تعلم تنج اس میں صیغہ امر تعلم سبب ہے نجات کے لیے اس لیے اس کی عبارت ہوگی ان تعلم تنج اس میں یہ یاد رہے کہ جب ان شرطیہ مقدر مانیں گے تو اس کے ساتھ ساتھ ایک فعل مضارع بھی مقدر مانیں گے جو شرط ہوگا اور ان اس کو جزم دے گا، اس کے بعد فعل کو بھی جزم دے گا، اور یہی حال ہے تمام امثلہ کا کہ کل مثالوں میں اول سبب ہے ثانی کے لیے۔

فَلِذٰلِكَ الخ : اسی قاعدہ کے پیش نظر کہ اول فعل کے لیے ضروری ہے کہ وہ ثانی کے لیے سبب ہو، یہ مثال لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ ممتنع ہے چونکہ فعل اول کا ثانی کے لیے سبب بننا ممتنع ہے اس لیے کہ اگر اول فعل لا تکفر کو سبب بنایا جائے گا تو معنی فاسد ہو جائیں گے چونکہ تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْ لَا تَكْفُرْ تَدْخُلِ النَّارَ اور اس کا ظاہر الفساد ہونا اظہر من الشمس ہے۔ مذکورہ ترکیب کو امام کسائی جائز قرار دیتے ہیں چونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کے معنی عرف کے اعتبار سے ان تکفر تدخل النار کے ہیں عرف ان مواضع میں شرط مثبت کا قرینہ ہے اور عرف قرینہ قویہ ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ جمہور حضرات کے نزدیک فعل نہی فعل منفی کا قرینہ ہوتا ہے نہ کہ مثبت کا اس لیے مذکورہ عبارت ان کے یہاں ممتنع ہے۔

فائدہ : اگر سببیت مقصود نہ ہو تو ان مقدر ہو کر فعل مضارع مجزوم نہ ہوگا، بلکہ اس مضارع کو مرفوع پڑھنا واجب ہے اور اس مضارع کو ماقبل کی صفت قرار دیا جائے گا، اگر صفت بننے کی صلاحیت ہو یا حال قرار دیا جائے گا اگر حال کی اہلیت موجود ہے۔ ورنہ جملہ مستانفہ قرار دیا جائے گا صفت کی مثال جیسے ارشاد باری ہے: فَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرِثُنِيْ اس میں مضارع یرث ھب امر کے بعد واقع ہے مگر چونکہ سببیت مقصود نہیں ہے اس

مضارع کو مرفوع پڑھا گیا یہ مضارع صفت ہے ولیاً کی ای وارثا منی ۔اے اللہ عطا فرما مجھے کو اپنے پاس سے ایک بیٹا، جو میرا وارث بنے۔اور حال کی مثال جیسے فَذَرْهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ اس مثال میں یعمهون مضارع ذر فعل امر کے بعد واقع ہے سببیت کے مقصود نہ ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا گیا نہ کہ مجزوم ورنہ نون اعرابی ساقط ہوجاتا اور ترکیب میں یہ حال ہے ذرهم کی ضمیر منصوب سے اصل عبارت ہوگی فَذَرْهُمْ فِى طُغْيَانِهِمْ عَمِهِيْنَ ۔اے محمد ﷺ چھوڑ دیجئے ان کو سرکشی میں بھٹکتے ہوئے جملہ مستانفہ کی مثال جیسے قُمْ يدعوك الامير، اس میں یدعوک فعل مضارع قُم امر کے بعد واقع ہے مرفوع ہے، اور جملہ مستانفہ کی وجہ سے اور جملہ مستانفہ کہتے ہیں اس جملہ کو جس کا ماقبل سے ترکیبی اعتبار سے کوئی تعلق نہ ہو مگر وہ سوال مقدر کے جواب میں واقع ہو تو یہاں مخاطب نے قم کے ذریعہ سے قیام کے سبب کا سوال کیا تو اس کے جواب میں کہا گیا يَدْعُوْكَ الامِيْرُ۔

تمرین:

(۱) مضارع کو جزم دینے والے عامل کتنے ہیں، اور کون کون سے ہیں، مع امثلہ بیان فرمائیے۔

(۲) لولا فوارس من ذهل واسرتهم ، يوم الصليفاء لم يوفون بالجار شعر میں لم عامل جازم کے باوجود کیوں نون حذف نہیں ہوا۔

(۳) لم اور لما میں کیا فرق ہے وضاحت فرمائیے۔

(۴) لما کی کتنی قسمیں ہیں مع مثال بیان فرمائیے۔

(۵) کلمات شرط کس پر داخل ہوتے ہیں اور کیا عمل کرتے ہیں۔

(۶) اگر کلمات شرط و جزاء دونوں مضارع ہوں تو ان کا کیا اعراب ہوگا، اور دونوں ماضی ہوں تو کلمات شرط پھر کیا عمل کریں گے اور اگر صرف جزاء ماضی ہو تو جزم کہاں لازم ہوگا، اور اگر صرف شرط ہی ماضی ہو تو جزاء پر کیا اعراب آئے گا۔

(۷) کلمات شرط کی جزاء پر فا کب آتی ہے اور کب نہیں آتی ہے مع امثلہ بیان کیجئے، اور ساتھ ہی فاء جزائیہ کے آنے اور نہ آنے کی وجہ بھی بیان فرمائیں، نیز فاء جزائیہ کے لانے اور نہ لانے کے لیے اگر کوئی ضابطہ ہو وہ بھی بیان فرمائیے۔

(۸) اذا مفاجاتیہ اور فاء جزائیہ کیا دونوں ایک ساتھ جمع ہوسکتے ہیں ہاں یا نہیں میں جواب دیجئے۔

(۹) انْ شرطیہ کتنی چیزوں کے بعد مقدر رہتا ہے مع امثلہ بیان فرمائیے، نیز اشیاء خمسہ کے بعد فعل مضارع کو مع اِن مقدر ماننے کے لیے کیا شرط ہے۔

(۱۰) لاتکفر تدخل النار مثال کیوں ممتنع ہے نیز امام کسائی اس ترکیب کو کیوں جائز قرار دیتے ہیں۔

(۱۱) اگر سببیت مقصود نہ ہو تو فعل مضارع کو مرفوع پڑھنا واجب ہوگا تو ایسی صورت میں مضارع کا ما قبل سے ترکیبی کیا تعلق ہوگا۔

والثالث الامر وهو صيغةٌ يطلبُ بها الفعلُ من الفاعِل المخاطبِ بأن تَحذِفَ من المضارِعِ ثم تنظر فان كان ما بعدَ حرفِ المضارعةِ سَاكناً زدتَّ همزة الوَصل مضمومةً ان انضَمَّ ثالثُهُ نحو اُنصُرُ ومكسورةً اِن انفتَحَ اَو انكسرَ كَاِعْلَمْ واِضْرِب واستَخْرِج وان كان متحرّكًا فَلاحاجةَ اِلى الهمزةِ نحو عِدْ و حاسِبْ والامر من باب الافعال من القسم الثانى وهو مَبْنِيٌّ علٰى علامةِ الجَزمِ كَاِضْرِب وارمِ واسْعَ واضرِبَا واضرِبُوْا واضرِبِى.

ترجمہ: فعل کی تیسری قسم امر ہے امر وہ صیغہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے فاعل مخاطب سے فعل طلب کیا جائے بایں طور کہ مضارع سے آپ حرف مضارع کو حذف کر دیں، پھر نظر کرے تو اس بات کی طرف کہ اگر حرف مضارع کا مابعد ساکن ہے تو ہمزۂ وصل مضموم کو زیادہ کر دیجئے اگر مضارع کا حرف ثالث مضموم ہو جیسے انصر اور اگر اس کا حرف ثالث مفتوح یا مکسور ہو تو ہمزۂ وصلی مکسور زیادہ کر دیجئے جیسے اِعْلَمْ اور اِضْرِبْ وَاسْتَخرِجْ اور اگر حرف مضارع کا مابعد متحرک ہو تو زیادتی ہمزہ کی حاجت نہیں جیسے (تعد سے) عد اور (تُحَاسِبُ سے) حَاسِبْ اور باب افعال سے امر کا صیغہ قسم ثانی سے تعلق رکھتا ہے تو امر مبنی ہوتا ہے علامت جزم پر۔ جیسے اِضْرِبْ وَاُغْزُ وَارْمِ وَاسْعَ وَاضْرِبَا وَاضْرِبُوْا وَاضْرِبِیْ۔

تشریح: فعل کی قسم سوم امر ہے امر کے معنی لغت میں آتے ہیں حکم کرنا اور اصطلاحی تعریف خود مصنفؒ بیان فرماتے ہیں امر وہ صیغہ ہے کہ جس کے ذریعہ فاعل مخاطب سے فعل کو طلب کیا جائے، جیسے کُلُوْا میں مخاطبین سے اکل کو طلب کیا جارہا ہے۔

فوائد قیود: تعریف میں فعل بمنزلہ جنس کے ہے جو مقصود اور غیر مقصود سب کو شامل ہے اور مصنفؒ کا قول یُطْلَبُ بمنزلۂ فصل اول کے ہے اس سے ماضی اور مضارع دونوں فعل خارج ہو گئے، اور یُطْلَبُ کے بعد لفظ الفعل فصل ثانی ہے اس قید سے فعل نہی خارج ہو گیا اور لفظ فاعل فصل ثالث ہے اس سے احتراز ہو گیا اس فعل سے کہ جس کے ذریعہ طلب کیا جائے فعل کے قبول ہونے کو مفعول مَالَمْ یُسَمَّ فَاعِلُہٗ سے اور مخاطب کی قید سے احتراز ہو گیا امر غائب اور متکلم سے چونکہ یہ دونوں حرف مضارع کے باقی رہنے کی وجہ سے فعل مضارع میں داخل ہیں، اگرچہ ان پر جازم داخل ہو رہا ہے۔

بأن تَحْذِفَ مِنَ المضارع الخ: یہاں سے امر کے مشتق ہونے کی کیفیت کو بیان فرما رہے ہیں کہ

بنتا ہے مضارع سے حرف مضارع کو حذف کر کے اور حذف اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ وہ مضارع کی علامت ہے جس کا زائل کرنا ضروری ہے ورنہ دونوں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

ثُمَّ تَنْظُر الخ: مضارع مخاطب سے حرف مضارع کو حذف کرنے کے بعد دیکھئے کہ ساکن رہتا ہے یا متحرک اگر ساکن رہتا ہے پھر ایک نظر اور ڈالئے وہ یہ کہ تیسرا حرف یعنی عین کلمہ مضموم ہے یا نہیں اگر مضموم ہے تو ہمزہ وصلی مضموم اس کے شروع میں زیادہ کر دیجئے ہمزہ کی زیادتی تو اس لیے ہے تا کہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے اور مضموم اس وجہ سے تا کہ فتح کی صورت میں مضارع متکلم کے ساتھ اس کا التباس لازم نہ آئے جیسے اُنْصُرْ کا اَنْصُرُ واحد متکلم کے ساتھ اور ہمزہ وصلی مکسور اس صورت میں اس لیے نہ لائے تا کہ کلمہ ثقیل نہ ہو جائے، چونکہ کسرہ کا ضمہ کی طرف انتقال ثقیل ہوتا ہے۔

وَمَكْسُوْرَةً الخ: اور اگر عین کلمہ جو کہ مضارع کا حرف ثالث ہے بجائے مضموم کے مفتوح یا مکسور ہے تو دونوں صورتوں میں ہمزۂ وصلی مکسور اس کے شروع میں لے آ جیسے تَضْرِبُ سے اِضْرِبْ اور تَسْمَعُ سے اِسْمَعْ اور تَسْتَخْرِجُ سے اِسْتَخْرِجْ صورت مذکورہ میں ہمزہ کو مکسور لانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہمزہ کو مضموم لاتے مثلاً اِضْرِب کو اُضْرِب پڑھتے تو باب افعال کے مصدر اِضْرَاب کی ماضی مجہول کے ساتھ التباس لازم آ تا اسی طرح اِسْمَع کو اگر بضمہ ہمزہ اُسْمَع پڑھتے تو اسی باب سمع کے مضارع مجہول کے صیغہ واحد متکلم کے ساتھ التباس لازم آتا ایسے ہی اگر ہمزہ کو مفتوح پڑھتے مثلاً اِضْرِب کو اَضْرِب پڑھتے تو باب افعال کے مصدر اِضْرَاب سے جو صیغہ امر اَضْرِب بروزن اَكْرِمْ بنتا ہے اس کے ساتھ التباس لازم آتا اسی طرح اگر باب سمع کے امر اِسْمَع کو اَسْمَع بفتحہ ہمزہ پڑھا جاتا تو باب افعال کی ماضی مطلق کے صیغہ واحد غائب اسمع کے ساتھ التباس لازم آتا اس مصیبت عظمی کے پیش نظر ہمزۂ وصلی مکسور لایا گیا۔

وَاِنْ كَانَ مُتَحَرِّكًا الخ: اور اگر علامت مضارع کو حذف کرنے کے بعد متحرک رہتا ہے ہمزہ وصلی کی حاجت نہیں صرف اس کے آخر کو ساکن کر دو، جیسے تَعِدُ سے عِدْ اور تُحَاسِبُ سے حَاسِبْ۔

وَالْاَمْرُ مِنْ باب الْاِفْعَال الخ: یہاں سے مصنفؒ ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ ماقبل میں آپ نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر حرف مضارع کو حذف کرنے کے بعد اس کا مابعد ساکن رہتا ہو اور مضارع کا عین کلمہ مضموم نہ ہو تو آپ ہمزہ وصلی مکسور لاتے ہیں حالانکہ آپ کا یہ قاعدہ باب افعال کے امر اَكْرِمْ سے ٹوٹ جاتا ہے چونکہ اَكْرِمْ تُكْرِمُ سے ماخوذ ہے اس میں حرف مضارع کا مابعد کاف ساکن ہے اور مضارع کا عین کلمہ جو کہ راء ہے وہ مضموم بھی نہیں ہے لہٰذا اس کو مذکورہ قاعدہ کے مطابق اِكْرِمْ بکسر الہمزہ پڑھنا چاہئے تھا۔

الجواب: ہمارا قاعدہ اپنی جگہ درست ہے چونکہ تکرم میں حرف مضارع کا مابعد ساکن نہیں ہے، علامت

مضارع تا کو حذف کرنے کے بعد ایک ہمزہ مفتوحہ محذوف ہے اس لیے کہ تُـکْـرِمُ کی اصل تاءکرم تھی چونکہ اس کی ماضی اَکْـرَمَ کے اندر بھی ہمزہ مفتوحہ موجود ہے، مگر مضارع کے واحد متکلم میں چونکہ اجتماع ہمزتین پایا جارہا تھا جیسے اُاَکْــرِم تو ہمزہ مفتوحہ کو حذف کر دیا، اور واحد متکلم کے علاوہ باقی صیغوں میں اگر چہ اجتماع ہمزتین موجود نہیں تھا مگر باب کا حکم ایک کرنے کے لیے تمام صیغوں سے ساقط کر دیا گیا جب باب افعال سے امر بنایا تو حرف مضارع کو تو حذف کر دیا اور ہمزہ مفتوحہ اصلیہ کو لوٹا کر اس کو باقی رکھا تو اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ باب افعال کا ہمزہ وصلی نہیں جس کو لے کر اعتراض کیا جائے بلکہ قطعی ہے۔

وَهُـوَ مَبْـنِـیٌّ عـلٰی علامَةِ الجَزْمِ الخ :اور یہ امر حاضر معروف مبنی علی السکون ہوتا ہے یہی مذہب ہے بصریین کا علت مبنی ہونے کی یہ ہے کہ معرب ہونے کا جو سبب تھا وہ اب باقی نہ رہا، یعنی فعل کی اصل تو یہ ہے کہ وہ مبنی ہو مگر علامت مضارع لگانے کی وجہ سے اس کو اسم کے ساتھ مشابہت حاصل ہوگئی تھی، (جیسا کہ مضارع کی بحث میں گذرا) تو جب علامت مضارع کو حذف کر دیا تو معرب ہونے کا جو سبب تھا وہ منتفی ہو گیا تو مسبب بھی منتفی ہو گیا، اور حضرات کوفیین کی رائے اس مسئلہ میں جداگانہ ہے اور وہ یہ کہ امر مبنی نہیں ہوتا بلکہ لام طَـلَـبْ کی وجہ سے مجزوم ہوتا ہے اس لیے کہ مثلاً اُقْم واُقْعُدْ ہے تو ان کی اصل لِتَقُمْ ولِتَقْعُدْ ہے لام طلب کو برائے تخفیف حذف کر دیا اور حرف مضارع کو لام کی اتباع کی وجہ سے حذف کیا گیا۔

کَـاِضْـرِبْ الخ، اِضْرِبْ مفرد صحیح ہے اس کے آخر کو ساکن کیا گیا اور اُغْزُ اِرْمِ واِسْعَ اول ناقص واوی دوم ناقص یائی سوم ناقص الفی ان میں حرف علت کو حذف کیا گیا اور اضـربـا و اضربوا ان دونوں میں نون اعرابی کو ساقط کیا گیا۔

تمرین:

(۱) فعل امر کی تعریف بیان کیجئے۔اور امر بنانے کا قاعدہ بھی بیان کیجئے۔

(۲) والأمر من باب الإفعال سے مصنف کیا کہنا چاہتے ہیں۔

(۳) امر حاضر معروف مبنی علی السکون کیوں ہوتا ہے۔

فـصل فعلُ مَالم يُسَمَّ فاعله هُو فِعلٌ حُذِفَ فَاعِلُه وَاُقِيْمَ المفعُوْلُ مقامَهٗ ويُخْتَصُّ بـالـمُتَعَدِیْ وعَلامتهٗ فی الماضی اَنْ يَكُوْنَ اولُهٗ مَضمُوْماً فقط وما قبلَ آخرِهٖ مكسوراً فـی الابْـوَاب الّتِـی لَيْـسَـتْ فِـی اوائِلِها هَمزةُ وصلٍ ولاتاءٌ زائدةٌ نحو ضُربَ ودُحرِجَ واُكـرِمَ واَنْ يـكُوْن اوّلُه وثانيهِ مضمُوماً ومَا قبل آخرِهٖ كذٰلِکَ فِيمَا فی اَوَّلِهٖ تَاءٌ زائدة نحو تُفضِّل وتُضُورِبَ واَنْ يكون اوّله وثالثهٗ مَضمُوماً وما قبل آخرِهٖ كذٰلِکَ فيما فِی

اوّلہ همزةُ وَصلٍ نحو اُستُخرِجَ واُقتدِرَ والهمزةُ تبتعُ المَضمُومَ ان لم تُدرَج وفِی المضارع ان یکونَ حرفُ المضارِعَةِ مضمومًا ومَا قبل آخِره مَفتوحًا نحو یُضرَبُ ویُستَخرَج الا فی باب المفاعلة والافعالِ والتفعیل والفعلَلَة ومُلحقاتِهَا الثمانیةِ فانَّ العلامةَ فِیهَا فتحُ ما قبل الاخِر نحو یُحَاسَبُ ویُدَحرَجُ وفی الاَجوفِ ماضیهِ قیل وبیع وبالاِشمَامِ قیل وبیع وبالواو وقُولَ وبُوعَ وکذٰلکَ بابُ اُختِیرو اُنقیددون اُستُخِیر واُقِیم لفقد فُعِلَ فِیهِمَا وفی مُضارِعِهٖ تُقلبُ العَین الفاً نحو یُقالُ ویُبَاع کما عَرفتَ فی التصریف مُستَقصیً.

ترجمہ: فعل مَالَم یُسَمَّ فَاعِلُهٗ: وہ فعل ہے کہ جس کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہو اور خاص ہوتا ہے یہ متعدی کے ساتھ اور اس کی علامت ماضی میں یہ ہے کہ صرف اس کا اول حرف مضموم ہو اور اس کے آخر کا ماقبل مکسور ان بابوں میں کہ جن کے اول میں ہمزہ وصلی نہیں ہے اور نہ تائے زائدہ ہے جیسے ضُرِبَ وَدُحرِجَ وَاُکرِمَ اور جن ابواب کے شروع میں تائے زائدہ ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کا اول اور ثانی حرف مضموم اور اس کے آخر کا ماقبل مکسور ہو جیسے تُقُبِّلَ وَتُضُورِبَ اور جن بابوں کے اول میں ہمزہ وصلی ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ اس کا اول اور ثالث حرف مضموم اور اس کے آخر کا ماقبل مکسور ہو جیسے اُستُخرِجَ واُقتُدِرَ اور ماضی مجہول میں ہمزہ مضموم کے تابع ہوتی ہے اگر ساقط نہ ہو اور مضارع میں اس کی علامت یہ ہے کہ حرف مضارع مضموم اور اس کے آخر کا ماقبل مفتوح ہو جیسے یضرب ویستخرج مگر باب مفاعلت اور افعال وتفعل اور فَعلَلَة اور اس کے آٹھوں ملحقات میں چونکہ ان سب میں علامت آخر کے ماقبل کا مفتوح ہونا ہے جیسے یُحَاسَبُ ویُدَحرَجُ اور اجوف میں اس کی ماضی قِیلَ وبِیعَ آتی ہے اور اشمام کے ساتھ بھی قِیلَ وبِیعَ اور واؤ کے ساتھ بھی قُولَ وبُوعِ اور ایسے ہی باب اُختِیرَ واُنقِیدَ نہ کہ اُستُخِیرَ واُقِیمَ ان دونوں میں فُعِلَ کے مفقود ہونے کی وجہ سے اور اجوف کے مضارع مجہول میں پلٹ دیا جائے گا عین کلمہ کو الف سے جیسے یُقَالُ ویُبَاعُ جیسا کہ مکمل تفصیل کے ساتھ آپ نے اس بحث کو علم صرف میں پہچان لیا ہے۔

تشریح: جب مصنف فعل معروف کے بیان سے فارغ ہو گئے اب یہاں سے فعل مجہول کو بیان فرماتے ہیں اسی فعل مجہول کا دوسرا نام فعل مالم یسم فاعله بھی ہے بحیثیت علم فعل مالم یسم فاعله کا ترجمہ کرنا مناسب نہیں اور قطع نظر علیت کے ترجمہ کر سکتے ہیں چنانچہ ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اس مفعول کا فعل کہ جس کا فاعل ذکر نہ کیا گیا ہو ضمیر فاعله میں ما موصولہ کی طرف راجع ہے جس سے مراد مفعول ہے مگر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ فاعل تو فعل کا ہوتا ہے نہ کہ مفعول کا۔

الجواب: فاعل کی اضافت مفعول کی طرف ادنی ملابست (تعلق) کی وجہ سے کر دی گئی ہے کیونکہ فاعل کا تعلق مختصر سا مفعول کے ساتھ بھی ہے اس اعتبار سے کہ فاعل کا فعل مفعول پر واقع ہوتا ہے اب اس وضاحت کے بعد اس کی تعریف ملاحظہ فرمائیں فعل مالم یسم فاعله وہ فعل ہے کہ جس کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس فاعل کے قائم مقام کر دیا گیا ہو مقصد اس تعریف کا یہ ہے کہ جیسے فاعل فعل معروف کا ہوتا ہے ویسے ہی فعل مجہول کا بھی ہوتا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ فعل معروف کا فاعل تو لفظاً یا تقدیراً مذکور ہوتا ہے اور فعل مجہول کے فاعل کو عمداً حذف کیا جاتا ہے پھر فعل کی اسناد کے لیے مفعول کو اس کے قائم مقام بناتے ہیں جیسے ضرب زید اس میں ضرب فعل کی اسناد فاعل کو حذف کر کے زید مفعول کی طرف کی گئی ہے۔

وَيُخْتَصُّ بِالْمتعَدِّی الخ:

فعل مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُه صرف فعل متعدی سے بن سکتا ہے نہ کہ لازم سے اس لیے کہ فعل لازم کا مفعول ہی نہیں ہوتا ہے اگر اس سے فعل مجہول بنایا گیا تو فاعل کو نسیا منسیا کرنا ہوگا جس سے اب کوئی چیز ایسی باقی نہ رہے گی کہ جس کی طرف فعل کی اسناد کی جائے حالانکہ یہ ناجائز ہے۔

وعَلَامَتُهٗ فِی المَاضِی الخ: تعریف سے فارغ ہو کر اب اس کی علامات کا آغاز فرماتے ہیں ماضی میں فعل مجہول کی علامت یہ ہے کہ جن ابواب کے شروع میں ہمزہ وصلی اور تائے زائدہ نہیں ہے اس کا اول حرف مضموم اور آخر کا ماقبل مکسور ہوگا جیسے ضُرِبَ و دُحْرِجَ و اُكْرِمَ یاد رہے کہ یہ قاعدہ ثلاثی مجرد کے تمام بابوں میں جاری ہوگا اور رباعی مجرد کے باب فعللة میں اور ثلاثی مزید کے باب افعال میں۔

فائدہ: ماضی مجہول میں یہ جو تغیر کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ ماضی مجہول کا صیغہ ماضی معروف سے ممتاز ہو جائے، چونکہ ماضی معروف کا کوئی صیغہ ماضی مجہول کے وزن پر نہیں آتا دوسری بات یہ کہ جب تغیر ہی کرنا تھا تو اول حرف کو ضمہ اور آخر کے ماقبل کو کسرہ ہی کیوں دیا۔

الجواب: یہ وزن اس لیے تجویز کیا گیا کہ ماضی مجہول میں ندرت اور غرابت ہے چونکہ فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کے قائم مقام کیا گیا ہے جب کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ فعل کی اسناد فاعل کی طرف ہوتی ہے تو نادر کے لیے وزن بھی نادر ہی تجویز کیا گیا اب رہا یہ سوال کہ بجائے اول کے ضمہ اور آخر کے ماقبل کے کسرہ کے اول کا کسرہ اور آخر کے ماقبل کا ضمہ کیوں تجویز نہ کیا اس وزن میں بھی تو ندرت ہے۔

الجواب: اس وزن میں ندرت تو ضرور ہے مگر نہایت ثقیل ہے چونکہ کسرہ سے ضمہ کی طرف انتقال ہو رہا ہے جو کلام عرب میں شائع نہیں اور جب مقصد بغیر ثقیل کے پورا ہو سکتا ہو تو ثقیل وزن کو کیوں اختیار کیا جائے۔

وَاَنْ يَكُوْنَ اَوَّلُهٗ الخ: جن بابوں کے شروع میں تاء زائدہ ہے ان کی علامت یہ ہے کہ حرف اول اور ثانی

مضموم ہوں گے اور آخر کا ماقبل قسم اول کی طرح مکسور جیسے تُقُبِّلَ وتُضُورِبَ یعنی یہ علامت ہے باب تفعل اور تفاعل کی ان دونوں بابوں میں حرف اول کو ضمہ دینے کے ساتھ ساتھ ثانی کو بھی ضمہ دیا گیا اس لیے کہ اگر ثانی کو ضمہ نہ دیا جاتا تو باب تفعیل اور مفاعلت اور فعللة کے مضارع معروف، تُدحرِجُ کے ساتھ التباس لازم آ تا اس التباس سے بچنے کے لیے ثانی کو ضمہ دیا گیا۔

وانْ یَکُونَ اَوَّلُهُ الخ: جن بابوں کے شروع میں تاء زائدہ ہے ان کی علامت یہ ہے کہ حرف اول وثالث مضموم ہوگا اور آخر کا ماقبل مکسور ہی رہے گا جیسے اُسْتُخْرِجَ واُقْتُدِرَ ان بابوں میں بھی اگر ثالث کو ضمہ نہ دیا جاتا صرف اول کے ضمہ اور آخر کے ماقبل کے کسرہ پر اکتفا کیا جاتا تو ماضی مجہول حالت وقف میں درج کلام میں اسی باب کے امر حاضر معروف کے ساتھ ملتبس ہو جاتی جیسے ثُمَّ اسْتَخْرِجْ امر ہے اور ثُمَّ اسْتُخْرِجْ بالوقف ماضی مجہول ہے تو دونوں کا آپس میں التباس ہو جاتا ہے۔

وَالهَمْزَةُ تُتْبِعُ المضْمُوْمَ انْ لَمْ تُدْرَجْ تُدْرَجُ باب افعال سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے معنی میں ہے لم تسقط کے مطلب عبارت کا یہ ہے کہ اگر ہمزہ وصلی لفظ میں ساقط نہ ہو یعنی لفظ میں موجود ہو، تو یہ ہمزہ حرف مضموم کے تابع ہوتا ہے نہ کہ حرف مکسور کے اگر چہ ہمزۂ وصلی میں اصل کسرہ ہے اس لیے کہا گر حرف مکسور کے تابع ہوگا تو وہی کسرہ سے ضمہ کی طرف خروج لازم آئے گا جو کہ بہت ثقیل ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ خروج من الکسرة الی الضمة تو یہاں لازم نہیں آرہا ہے کیونکہ حرف ساکن درمیان میں موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حرف ساکن کا تو اعتبار ہی نہیں ہے کیونکہ وہ تو حکم میں مردہ کے ہے وہ اپنے مردہ ہونے کی وجہ سے اس ثقل کو نہیں روک سکتا۔

ان لم تدرج سے بطور مفہوم مخالف کے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر ہمزہ وصلی تلفظ میں ساقط ہو تو وہ بالکل کسی کے تابع نہیں ہوگا۔

وَفِیْ المُضَارِعِ اَنْ یَکُوْنَ الخ ،مضارع مجہول کی علامت یہ ہے کہ اس کا حرف اول مضموم اور آخر کا ماقبل مفتوح ہوتا ہے ماضی ومضارع میں قدرے تغیر کر دیا گیا ماضی میں آخر کا ماقبل مکسور تھا اور مضارع میں مفتوح اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مضارع حرف مضارع کی زیادتی کی وجہ سے ثقیل ہے اور حرکات میں فتحہ خفیف ہے تو ثقیل چونکہ خفت کا تقاضہ کرتا ہے اس لیے اخیر کے ماقبل فتحہ تجویز کیا گیا جیسے یُضْرَبُ وَیُسْتَخْرَجُ۔

اِلَّا فِی بَابِ الْمُفَاعَلَة: مضارع مجہول میں مذکورہ علامت تمام بابوں میں جاری رہے گی سوائے چار بابوں کے اور وہ چار یہ ہیں (۱) باب مفاعلت (۲) باب افعال (۳) تفعیل (۴) فَعْلَلَةٌ اور اس کے ساتھ سات باب ملحق ہوتے ہیں ان کی علامت صرف اخیر کے ماقبل کا فتحہ ہے اول کا ضمہ علامت نہیں ہے، چونکہ ضمہ ان ابواب میں معروف ومجہول دونوں کے درمیان مشترک ہے جیسے یُحَاسَبُ یُکْرَم ویُصَرَّفُ ویُدَحْرَج بہر حال علامت ا

یعنی صرف فتحہ ہے اور وہ اس وجہ سے تاکہ معروف ومجہول میں امتیاز پیدا ہو جائے وہ سات باب جو ملحق بہ فَعْلَلَ ہوتے ہیں یہ ہیں (۱) جَلْبَبَ (۲) قَلْنَسَ (۳) جَوْرَبَ (۴) سَرْوَلَ (۵) شَرْيَفَ (۶) خَيْعَلَ (۷) قَلْسیٰ۔ یہ یاد رہے کہ کتاب میں جو لفظ ثمانیہ لکھا ہوا ہے یہ کاتب وغیرہ کی غلطی سے ہے چونکہ ملحق کے آٹھ باب نہیں ہیں بلکہ سات ہیں جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا۔

وفی الاجوفِ الخ : اَجْوَف کہتے ہیں معتل عین کو اور وجہ تسمیہ معتل عین کو اَجْوَف کہنے کی یہ ہے کہ اس کا درمیانہ حرف صحیح سے خالی ہوتا ہے مصنف کی عبارت میں اَجْوَف سے مراد وہ ہے کہ جس کا عین کلمہ الف سے بدلا ہوا ہو، آمدم برسر مطلب معتل عین یائی میں ماقبل کی حرکت زائل کر کے یاء کی حرکت اس کی طرف نقل کر دی جائے گی، جیسے بِیْعَ کہ دراصل بیع تھا یا کی حرکت باء کو دے دی گئی، اس کی حرکت زائل کرنے کے بعد اور معتل عین واوی میں عین کلمہ کی حرکت نقل کر کے ماقبل کو دی جائے گی، پھر اس کی مناسبت سے واؤ کو یاء سے تبدیل کیا جائے گا جیسے قِيلَ کہ دراصل قُوِلَ تھا واؤ کی حرکت قاف کو دی گئی پھر کسرہ کی مناسبت کی وجہ سے واؤ کو یا سے تبدیل کیا گیا۔

وَبالإشمَامِ: اور معتل عین کی ماضی مجہول میں اشمام بھی منقول ہے اور اشمام کہتے ہیں کہ فاء فعل کے کسرہ کو ضمہ کی طرف مائل کر دیا جائے اور یاء ساکنہ کو واؤ کی طرف مائل کیا جائے لہٰذا قِيْلَ اور بِيْعَ کو اس طرح ادا کیا جائے کہ قاف کے کسرہ کو مائل بہ پیش کیا جائے اور یاء کو واؤ کی طرف مائل کیا جائے۔ اس اشمام سے درحقیقت یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ حقیقت میں ان حروف کے اول میں ضمہ تھا اور ایک لغت غیر فصیح میں معتل عین میں واؤ بھی منقول ہے لہٰذا اس لغت کے مطابق قُوْلَ وبُوْعَ پڑھیں گے اس میں صرف واؤ کو ساکن کیا گیا بلا واؤ کی حرکت نقل کئے ہوئے اس لیے قُوِلَ سے قُوْلَ ہوا اور معتل عین یائی میں بھی صرف یاء کو ساکن کیا گیا بلا نقل حرکت کے پھر یاء کے ماقبل ضمہ کی وجہ سے یاء کو واؤ سے تبدیل کر دیا بُوْعَ ہو گیا۔

وَكَذٰلِكَ بابُ اُخْتِيْرَ واُنْقِيْدَ الخ: اور باب قِيْلَ وبِيْعَ کی طرح اُخْتِيْرَ واُنْقِيْدَ میں بھی یہ تینوں لغات منقول ہیں یہ دونوں باب افتعال وانفعال کے صیغے ہیں ان دونوں مثالوں میں اسْتَخِيْرَ وانْقِيْدَ قِيْلَ وَبِيْعَ کے مثل ہیں اسی مماثلت کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اُسْتخِيْرَ واُقِيْمَ میں تینوں لغات جاری نہ ہوں گی چونکہ ثلاثی مجرد اور اُخْتِيرَ واُنْقِيدَ میں ضمہ اور اشمام کا سبب حرف علت کے ماقبل ضمہ کا ہونا تھا اور اُسْتُخِيْرَ واُقیم میں حرف علت کے ماقبل ضمہ مفقود ہے۔

وَفِی مُضَارِعِهٖ الخ: اور اجوف کے مضارع مجہول میں عین کلمہ کو الف سے بدل دیا جائے گا جیسے يُقَالُ ويُبَاعُ ان دونوں کی اصل يُبْيَعُ ويُقْوَلُ تھی واؤ اور یاء کو الف سے تبدیل کر دیا گیا چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ ہر وہ واؤ اور یاء جو کہ متحرک ہوں اور ان کا ماقبل ساکن ہو تو ان کی حرکت کو نقل کر کے ماقبل کو دے دیا جاتا ہے اسی قاعدہ کی

طرف اشارہ کیا مصنفؒ نے اپنے قول کَمَا عرفت فِی التَّصرِیفِ مُستقصًی سے مُستَقصی ترکیب میں حال واقع ہے ای کَمَا عَرَفتَ ذٰلِكَ فِی عِلمِ التصریفِ مُستَوفیًا یعنی اس کو آپ علم صرف میں مکمل تفصیل کے ساتھ پہچان چکے ہیں علم صرف ہی اس کا محل ہے نہ کہ علم نحو۔

تمرین:

(۱) فعل مالم یسم فاعلہ کی تعریف بیان کیجئے اور ساتھ ہی اس کے بنانے کا طریقہ بھی بیان کیجئے۔

(۲) معتل عین یائی اور واوی میں ماضی مجہول بنانے کا کیا طریقہ ہے بیان فرمائیے، اور معتل عین یائی یا واوی کے مضارع مجہول بنانے کا طریقہ بھی بیان فرمائیے۔

(۳) اشمام کی تعریف بیان کیجئے۔

(۴) وکذلك اختیر وانقید دون استخیر واقیم سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔

فصل الفعلُ امّا متعدٍّ وهو ما یَتوقفُ فهمُ معناه علٰی متعلق غَیر الفاعِلِ کضربَ وامّا لازِمٌ وهُو ما بخلافِه کقَعدَ وقَام والمتعدّی قد یکونَ اِلیٰ مفعُولٍ واحد کضربَ زیدٌ عمروًا والٰی مفعولیِن کاعطٰی زیدٌ عَمراً درْهَماً ویجوزُ فِیه الاقتصارُ علی احدِ مفعولیِهِ کاعطیتُ زیدًا او اعطیتُ دِرهمًا بخلافِ باب علِمتُ والٰی ثلٰثةِ مفاعیْل نحو اعلَم اللّٰهُ زیداً عمروًا فاضلًا ومِنه اری وانبأ ونبا واخبَرَ و خبرَ وحدّث وهذه السبعةُ مفعولُها الاوّل معَ الأخیرَیْن کمفعولَی اعطیْتُ فِی جواز الاقتصار علی احدهما تقول اعلَم اللّٰه زیدًا والثانی معَ الثالثِ کمفعولَیْ علِمتُ فِی عدم جواز الاقتصار علی احدهما فلا تقول اعلمت زیدًا خیرَ النّاس بل تقولُ اعلمتُ زیداً عمروًا خیر النّاس.

ترجمہ: فعل یا تو متعدی ہوگا اور متعدی وہ ہے کہ جس کے معنی کا سمجھنا فاعل کے علاوہ کسی متعلق پر موقوف ہو جیسے ضرب اور فعل یا لازم ہوگا اور لازم وہ ہے جو متعدی کے برعکس ہو (یعنی اس کے معنی کا سمجھنا صرف فاعل پر موقوف ہو) جیسے قعد اور قام اور فعل متعدی کبھی ایک مفعول کی طرف ہوتا ہے جیسے ضَرَبَ زَیدٌ عَمرًوا اور کبھی دو مفعول کی طرف ہوتا ہے ان میں سے دوسرا اول کا غیر ہو جیسے اَعطٰی زَیدٌ عَمرًوا دِرهَمًا اور جائز ہے۔ اس میں اقتصار کرنا اس کے دو مفعولوں میں سے ایک پر جیسے اَعطَیتُ زَیدًا یا اَعطَیتُ دِرهَمًا بخلاف باب عَلِمتُ کے (کہ اس میں اقتصار کرنا ایک مفعول پر جائز نہیں) اور متعدی کبھی ہوتا ہے تین مفاعیل کی طرف جیسے اَعلَمَ اللّٰہ زَیدًا عَمرًوا فَاضلاً اور اعلم ہی کی قسم سے ہے اَرٰی وَاَنبأ ونبّأ واَخبَرَ وخَبَّرَ وحَدَّثَ اور ان ساتوں افعال کا مفعول اول اخیر کے دو کے ساتھ ایسا تعلق رکھتا ہے جیسے اَعطَیتُ کے دونوں مفعول ان دونوں میں

ایک پر اکتفاء کے جائز ہونے میں کہے گا تو اَعلَمَ اللّٰہُ زَیدًا (یعنی مفعول اول پر اقتصار کرنے کے ساتھ) اور ان کا دوسرا مفعول تیسرے کے ساتھ ہوگا علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ان دونوں میں سے ایک پر اقتصار کے جائز نہ ہونے میں لہٰذا نہیں کہیں گے آپ اَعلَمتُ زَیدًا خَیرَ النَّاس بلکہ یہ کہیں گے (اگر ضرورت ہی ہے دونوں کو ذکر کرنے کی) اَعلَمتُ زیداً عمرًوا خَیرَ النّاسِ یقین کرادیا میں نے زید کو عمرو کے بارے میں کہ وہ لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔

تشریح: اَلْفِعْلُ اِمَّا متَعَدّ الخ :اس سے قبل مصنف فعل مجہول کو بیان فرمارہے تھے چونکہ فعل مجہول بنتا ہے متعدی سے اس لیے اب یہاں سے متعدی وغیرہ کے بیان کو شروع فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ فعل یا تو متعدی ہوگا یا لازم متعدی اس فعل کو کہتے ہیں کہ جس کے معنی تنہاء فاعل سے پورے نہ ہوں بلکہ فاعل کے علاوہ کسی متعلق پر موقوف ہوں اور وہ متعلق مفعول بہ ہے جیسا کہ ضَرَبَ کہ اس کے معنی بغیر مضرُوب کے تمام نہیں ہوتے۔

فائدہ: یہی حکم ہے متعدی بواسطہ حرف جر کا جیسے اَعرَضَ عَنہ ورَغِبَ اِلَیہِ ان میں اعراض اور رغبت کے معنی بغیر معروض عنہ (جس سے اعراض کیا جائے) اور بغیر مرغوب الیہ (جس سے رغبت ومحبت کی جائے) کے متصور نہیں ہوسکتے اس طرح کے مفعول کو متعدی بالواسطہ کہتے ہیں۔

وَامّا لازِمٌ الخ: اور فعل لازم اس کو کہتے ہیں کہ جس کے معنی کا سمجھنا فاعل کے علاوہ کسی اور چیز پر موقوف نہ ہو یعنی تنہا فاعل سے معنی تمام ہو جائیں، جیسے قَعَدَ اور قَامَ ان دونوں کے معنی کا سمجھنا کسی متعلق پر موقوف نہیں۔

فائدہ: اگر فعل لازم کو متعدی بنانا ہے تو اس کی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) ہمزۂ قطعی زیادہ کر کے باب افعال میں لے جاؤ جیسے ذَهَبَ سے اَذْهَبَ ، ذَهَبَ بمعنی گیا، اور أذهبَ بمعنی لے گیا (۲) عین کلمہ کو مشدد کر کے باب تفعیل میں لے جاؤ جیسے فَرِحْتُ (خوش ہوا) سے فَرّحتُ میں نے خوش کیا (۳) الف بڑھا کر باب مفاعلت کی طرف منتقل کردو جیسے مَشٰی (بمعنی چلا) سے مَاشَیْتُہٗ میں نے اس کو چلایا (۴) سین زیادہ کر کے باب استفعال میں لے جاؤ جیسے خَرَجَ بمعنی نکلا واِسْتَخْرَجْتُہٗ میں نے اس کو خارج کردیا (۵) فعل لازم کے متعلق پر حرف جر زیادہ کردیا جائے جیسے ذَهَبَ سے ذَهَبَ اللّٰہُ بِنُورِهِم ۔اللہ نے اس کی بینائی کو ختم کردیا۔اس کے علاوہ بھی اور طریقے ہیں جس کو ہم نے طوالت کے باعث چھوڑ دیا ہے۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ اگر فعل متعدی کو لازم کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس کا طریقہ یہ ہے (۱) باب انفعال میں لے جاؤ چونکہ اس کی خاصیت لازم ہونا ہے جیسے قطع بمعنی کاٹا اور اِنْقَطَعَ بمعنی کٹا (۲) باب تَفَعْلُل میں لے جاؤ جیسے دَحرَج بمعنی لڑھکانا سے تَدَحرَجَ بمعنی لڑھکنا۔

وَالمتعدّی قَدۡ یَکُوۡنُ الخ:

یہاں سے فعل متعدی کے اقسام واحوال کو بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ فعل متعدی کبھی متعدی بیک مفعول ہوتا ہے یعنی ایک مفعول ہی سے معنی تام ہو جاتے ہیں جیسے ضَرَبَ زَیۡدٌ عَمۡرًوا اور کبھی فعل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے چونکہ اس کے معنی دو کا تقاضا کرتے ہیں پھر اس کی دو قسمیں ہیں اول یہ کہ دوسرا مفعول اول کا غیر ہو یعنی دونوں کا مصداق الگ الگ ہو دوسرے یہ کہ دونوں مفعولوں کا مصداق ایک ہو یعنی دونوں ذات کے اعتبار سے متحد ہوں اول کی مثال جیسے اَعۡطٰی زَیۡدٌ عَمۡرًوا دِرۡهَمًا اور ثانی کی مثال جیسے عَلِمۡتُ عَمۡرًوا فَاضِلًا۔

وَیَجُوۡزُ فِیۡهِ الخ: اور باب اَعۡطَیۡتُ یعنی قسم اول میں تو دونوں مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار وا کتفاء کرنا جائز ہے خواہ اول پر کریں، جیسے اَعۡطَیۡتُ زَیۡدًا یا ثانی پر کریں، اول کو ترک کردیں جیسے اَعۡطَیۡتُ دِرۡهَمًا۔

بخلاف بابِ عَلِمۡتُ کے، باب عَلِمۡتُ سے مراد قسم ثانی ہے یعنی اس میں دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار جائز نہ ہوا گر ذکر کریں گے تو دونوں کو ذکر کرنا ضروری ہوگا اور اگر ترک کریں تو دونوں کو ترک کرنا واجب ہوگا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ آپس میں مبتداء اور خبر کی مانند ہوتے ہیں جیسے ان دونوں میں سے ایک پر اقتصار جائز نہیں ویسے ہی اس میں بھی جائز نہیں۔

وَاِلٰی ثَلٰثَةِ مَفَاعِیۡلَ: اور فعل کبھی تین مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے اَعۡلَمَ اللّٰهُ زَیۡدًا عَمۡرًوا فَاضِلًا وَمِنۡهُ الخ: اور متعدی بسہ مفعول میں سے اریٰ بھی ہے جو اَعۡلَمَ کے معنی میں ہے متعدی بسہ مفعول میں یہی دو اصل ہیں چونکہ ہمزہ کے داخل ہونے سے پہلے دو مفعول کی طرف متعدی تھے پھر ہمزہ کے داخل ہونے کے بعد ایک مفعول اور زیادہ ہو گیا اور متعدی بسہ مفعول میں سے باقی پانچ یہ ہیں اَنۡبَأَ ونَبَّأَ واَخۡبَرَ وخَبَّرَ وحَدَّثَ یہ متعدی بسہ مفعول ہونے میں اصل نہیں بلکہ فرع ہیں اعلم واری کی یعنی اَعۡلَمَ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے۔

وَهٰذِهِ السَّبۡعَةُ الخ: ان ساتوں افعال کا مفعول اول دوسرے دو کے ساتھ اعطیت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہے جیسے اَعۡطَیۡتُ کے دونوں مفعولوں میں سے مفعول اول پر بھی اقتصار کر سکتے ہیں اور ثانی پر بھی جیسے اَعۡطَیۡتُ زَیۡدًا وَاَعۡطَیۡتُ دِرۡهَمًا ایسے ہی ان ساتوں کے تینوں مفعولوں میں سے اول پر بھی اقتصار کر سکتے ہیں جیسے اَعۡلَمَ اللّٰهُ زَیۡدًا اور دوسرے دو پر بھی جیسے اَعۡلَمَ اللّٰهُ عَمۡرًوا فَاضِلًا ان میں یہ جائز نہیں کہ اخیر کے دو میں سے ایک کو ذکر کر دیا جائے ایک کو ترک کر دیا جائے چونکہ اخیر کے یہ دونوں مفعول باب علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہیں یعنی ان دونوں میں سے دوسرا اول کا عین ہوتا ہے جیسے مثال مذکور میں عمرو اور فاضل دونوں کی ذات متحد ہے لہٰذا دو میں سے ایک پر اقتصار کرتے ہوئے اَعۡلَمۡتُ زَیۡدًا خَیۡرَ النَّاسِ نہیں کہہ سکتے بلکہ دونوں کو ذکر کرتے ہوئے اَعۡلَمۡتُ زَیۡدًا عَمۡرًوا خَیۡرَ النَّاسِ کہیں گے۔

تمرین:

(۱) فعل متعدی اور فعل لازم کی تعریف کیجئے۔

(۲) فعل متعدی بیک مفعول، بدو مفعول، بسہ مفعول کی مصنفؒ کی بیان کردہ مثال کے علاوہ کم از کم ۳/۳، امثلہ بیان کیجئے۔

(۳) فعل متعدی بسہ مفعول کے مفعول اول اور ثانی وثالث کا کیا حکم ہے۔

(۴) فعل متعدی بواسطہ حرف جر کا کیا حکم ہے۔

(۵) اگر فعل لازم کو متعدی بنانا چاہیں تو اس کی کیا تفصیل ہے۔

(۶) اگر فعل متعدی کو لازم بنانا چاہیں تو کیا طریقہ ہے۔

فصل افعالُ القلوب عَلِمْتُ وظَنَنْتُ وحَسِبْتُ وَخِلتُ ورَأيتُ وَ وجدتُ وَزَعَمْتُ وهی افعالٌ تدخُلُ علی المبتدأ و الخبر فتنصبُهُمَا علی المفعُولیةِ نحو عَلِمتُ زَیداً عالِماً واعلم انَّ لهٰذه الافعالِ خَواصَّ مِنها اَنْ لا تُقتَصرَ عَلٰی اَحَد مفعولَیْها بخلاف باب اعطَیتُ فلا تقول عِلمتُ زَیداً ومنها جواز الالغاءِ اذا توسّطت نحو زیدٌ ظننت قائِمٌ اوتأخرتُ نحو زیدٌ قائمٌ ظَنَنتُ ومِنهَا اَنَّها تُعلّقُ اِذا وقَعتْ قبل الاستِفهام نحو عِلمتُ اَزَیدٌ عندکَ اَمْ عَمرو وقبلَ النفِی نحو عِلمتُ مَا زیدٌ فی الدَّار وقبلَ لامِ الابتداء نحو عِلمتُ لَزیدٌ مُنطلِقٌ ومنها اَنَها یجوزُ ان یکُوْن فاعِلُها ومفعولها ضمیرین لشیْءِ واحدٍ نحو عِلمتُنِی منطلِقًا وظَنَنتُکَ فاضلاً واعلَمْ انهُ قد یکونُ ظَننتُ بمعنٰی اِتَّهَمْتُ وعلِمتُ بمعنٰی عرفتُ ورأیتُ بمعنٰی ابصرتُ ووجدتُ بمعنٰی اَصبتُ الضَّالَّۃَ فتنصبُ مفعُولًا واحدًا فقط فَلَا تکون حینئذٍ من افعال القُلوب۔

ترجمہ: یہ فصل ہے افعال قلوب کے بیان مین اور وہ سات ہیں عَلِمْتُ وَظَنَنْتُ وَحَسِبْتُ وَخِلْتُ وَرَأَیْتُ وَوَجَدْتُ وَزَعَمْتُ۔ اور یہ افعال مبتداء اور خبر پر داخل ہوتے ہیں پس ان دونوں کو مفعولیت کی بنا پر نصب دیتے ہیں جیسے عَلِمْتُ زَیْدًا عَالِمًا اور جان تو کہ ان افعال کے کچھ خواص ہیں ان میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ ان کے دو مفعولوں میں سے ایک پر اقتصار نہ کیا جائے گا، برخلاف باب اعطیت کے پس نہ کہے گا تو عَلِمْتُ زَیْدًا اور ان میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ ان کے عمل کو (لفظاً ومحلاً) باطل کرنے کا جواز ہے جب کہ یہ دونوں مفعولوں کے درمیان میں آ جائیں جیسے زَیْدٌ ظَنَنْتُ قائم یا مؤخر ہو جائیں جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ ظَنَنْتُ اور ان ہی میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ ان کے عمل کو (لفظاً) معلق کر دیا جاتا ہے جب کہ واقع ہوں استفہام سے پہلے جیسے عَلِمْتُ اَزَیْدٌ

عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌوا اورنفی سے پہلے جیسے عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ فِي الدَّار اورلام ابتداء سے پہلے جیسے عَلِمْتُ لَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ اوران ہی میں سے ایک خاصہ یہ ہے کہ جائز ہے کہ ان کے فاعل اور مفعول دونوں ضمیر متصل واقع ہوں کسی ایک شئ کے لیے (یعنی دونوں ضمیر سے مراد ایک ہی ذات ہو) جیسے عَلِمْتِنِي مُنْطَلِقاً وظَنَنْتُكَ فَاضِلًا اور جاننا چاہئے کہ کبھی ظَنَنْتُ اتَّهَمْتُ کے معنی میں آتا ہے اور علمت عرفت کے معنی میں اور رأیت ابصرت کے معنی میں اور وَجَدْتُ اَصَبْتُ الضَّآلَّةَ کے معنی میں اس صورت میں یہ صرف مفعول واحد کو نصب دیتے ہیں پس اس وقت یہ افعال قلوب سے نہ ہوں گے۔

تشریح: اس سے قبل متعدی کی بحث میں ان افعال قلوب کا تذکرہ آیا ہے اس لیے اب یہاں سے ان کے مکمل حالات بالتفصیل بیان فرمارہے ہیں افعال قلوب ان افعال کو کہتے ہیں جن کا تعلق قلب سے ہوتا ہے اعضاء ظاہرہ سے نہیں ہوتا۔ افعال قلوب بطور حصر استقرائی کے سات ہیں (۱) عَلِمْتُ (۲) ظَنَنْتُ (۳) حَسِبْتُ (۴) خِلْتُ (۵) رَأَيْتُ (۶) وَجَدْتُ (۷) زَعَمْتُ۔ ان میں سے علمت اور رأیت اور وجدت یقین کے معنی کے واسطے ہیں اور ظَنَنْتُ حَسِبْتُ وَخِلْتُ ظن (غالب گمان) کے لیے ہیں اور زعمت دونوں کے درمیان مشترک ہے اسی وجہ سے ان افعال کو افعال شک (بمعنی ظن) اور افعال یقین بھی کہا جاتا ہے۔

فائدہ: یقین کہتے ہیں اس علم کو جو دلائل سے بے شک وشبہ حاصل ہو یا یوں کہہ لیجئے کہ دو طرف میں سے ایک کا رجحان ہو اور دوسری طرف بالکل بھی احتمال نہ ہو۔ اور لفظ شک دو چیزوں کے مقابلے میں آتا ہے ایک یقین کے دوم ظن کے شک بالمقابل یقین کہتے ہیں کہ دو جانبوں میں سے ایک کا رجحان اور غلبہ اس طور پر ہو کہ جانب مخالف کا بھی احتمال موجود ہو اور وہ شک جو ظن کی ضد ہے اس کی تعریف ہے تساوی الطرفین یعنی جس میں دو جانب برابر ہوں دوسری بات یہ ہے کہ افعال قلوب کو تعبیر کرتے وقت صیغۂ متکلم کیوں استعمال کیا جب کہ دوسرے افعال کو بیان کرتے وقت متکلم کا صیغہ استعمال نہیں کیا گیا۔

الجواب: اس میں نکتہ یہ ہے کہ اپنے دل کی بات کو ہر آدمی اپنے علاوہ کے دل کی بات سے زیادہ جانتا ہے۔ تحقیق خِلْتُ خِلْتُ خَيْلُوْلَةٌ سے مشتق ہے باب سمع یسمع سے ہے خلت اصل میں خَيِلْتُ بکسر الیاء تھا یاء کا کسرہ ماقبل کو دے دیا اس کی حرکت کو زائل کرنے کے بعد پھر یاء اور لام دو ساکن جمع ہو گئے اس لیے یاء کو گرادیا خِلْتُ ہو گیا۔

وَهِيَ اَفْعَالٌ تَدْخُلُ الخ: یہ افعال قلوب مبتداء وخبر پر داخل ہو کر ان کو نصب دیتے ہیں مفعولیت کی بناء پر چونکہ وہ دونوں ان کے مفعول بہ ہوتے ہیں جیسے عَلِمْتُ زَيْدًا عَالِماً۔

وَاعلَمْ اَنَّ لِهٰذِهِ الافعَالِ خواصّ: لفظ خواص جمع ہے خاصۃ کی اور خاصہ کہتے ہیں کہ جس کا وہ خاصہ

اس میں تو پایا جائے اس کے غیر میں نہ پایا جائے اور بعض نسخوں میں لفظ خصائص منقول ہے خصائص جمع ہے خصیصۃ کی اور خصیصۃ معنی میں ہے خاصہ کے، آمدم برسر مطلب۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ افعال قلوب کے بہت سے خاصہ ہیں۔

وَمِنْهَا اَنْ لَا تُقْتَصَرَ الخ: من جملہ ان خواص کے ایک خاصہ یہ ہے کہ اس کے دو مفعولوں میں سے ایک مفعول پر اقتصار کرنا جائز نہیں ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ دونوں مفعول بالکل نہ ذکر کئے جائیں، بلکہ محذوف رہیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ان کے دونوں مفعول بمنزلہ اسم واحد کے ہوتے ہیں چونکہ مبتداء اور خبر پر داخل ہوتے ہیں اور مبتداء وخبر علیحد علیحدہ مفعول نہیں ہوتے بلکہ ان کا مضمون جملہ حقیقتاً مفعول ہوتا ہے تو اس صورت میں ایک مفعول کو حذف کرنا ایسا ہے جیسا کہ کسی اسم کے بعض اجزاء کو حذف کر دیا جائے، برخلاف باب اَعْطَيْتُ کے کہ اس میں دو میں سے ایک کو ذکر کرسکتے ہیں کَمَا عرفت سابقاً لہٰذا لَا يَجُوْزُ ان تقول عَلِمْتُ زيدًا يا عَلِمْتُ فاضلًا، ومِنْهَا جوازُ الاِلْغاءِ الغاء کہتے ہیں، لفظاً اور معنیً عمل کو باطل کرنا۔ اب عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب افعال قلوب اپنے مفعولوں کے درمیان میں واقع ہوں یا دونوں سے موخر ہوں تو ان کے عمل کو باطل کرنا درست ہے جیسے زَيْدٌ ظَنَنْتُ قَائمٌ یا زَيدٌ قَائِمٌ ظَنَنْتُ اور وجہ ابطال عمل کے جواز کی یہ ہے کہ ان صورتوں میں افعال قلوب کا عمل ضعیف ہوجاتا ہے کیونکہ درمیان میں واقع ہونے کی صورت میں ایک مفعول مقدم ہوگیا اور مؤخر ہونے کی حالت میں دونوں مقدم ہوگئے، اور مفعول مقدم میں عامل کی تاثیر ضعیف ہوجاتی ہے نیز یہ یاد رہے کہ الغاء کی صورت میں یہ افعال مصدری معنی میں ہوکر ظرف واقع ہوتے ہیں جیسے زَيْدٌ ظَنَنْتُ قَائِمٌ کے معنی ہوگئے زَيْدٌ قَائِمٌ فِی ظَنِّی۔

وَمنها اَنَّهَا تُعلِّقُ الخ: تعلیق کہتے ہیں جس کا عمل لفظوں میں وجوبی طور سے باطل ہوجائے مگر معنوی لحاظ سے عمل بدستور قائم رہے اس جگہ دو متضاد عامل جمع ہوگئے، ایک افعال قلوب اور دوسرے یہ تینوں چیزیں کہ جن کی وجہ سے الغاء ہو رہا ہے افعال قلوب چاہتے ہیں کہ ہم نصب کا عمل کریں، اور یہ تینوں چیزیں عمل کے الغاء ہونے کی متقاضی ہیں۔ بہر حال ایک خاصیت ان کی یہ ہے کہ ان کو معلق کر دیا جاتا ہے جب کہ یہ حرف استفہام سے قبل واقع ہوں جیسے عَلِمْتُ اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمْرٌو ایسے ہی جب حرف نفی سے قبل واقع ہوں جیسے عَلِمْتُ مَا زَيْدٌ فِی الدَّارِ یا جب کہ لام ابتداء سے قبل واقع ہوں جیسے عَلِمْتُ لَزَيْدٌ مُنْطَلِقٌ ان تینوں صورتوں میں تعلیق کی وجہ یہ ہے کہ یہ تینوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں اس لیے ان کی صدارت کا تقاضا یہ ہے کہ جس جملہ پر داخل ہوں اس پر کسی دوسرے کا عمل نہ ہو، لہٰذا اب دونوں کی رعایت اس طور پر رکھی گئی کہ لفظوں میں تو ان تینوں کی رعایت کر دی گئی اس طور پر کہ افعال قلوب کا کوئی عمل لفظاً ظاہر نہ ہوا، اور معنوی لحاظ سے افعال قلوب کی رعایت کی گئی، اس طور پر کہ متع

اعتبار ان کے مفعول قرار دیئے گئے مثلاً عَلِمْتُ لَزَیدٌ قائِم ہے اس کے معنی ہیں عَلِمْتُ قِیَامَ زَیدٍ اگر علمت لفظاً بھی عمل کرتا تب بھی یہی معنی رہتے تو معلوم ہوا کہ ان کا عمل لفظاً تو ختم ہو گیا مگر معنی باقی رہا۔

وَمِنْهَا اَنَّهَا یَجُوزُ اَنْ یَّکُوْنَ فَاعِلُهَا الخ:

اور ایک خاصیت افعال قلوب کی یہ ہے کہ ان کے فاعل اور مفعول کی دونوں ایسی متصل ضمیریں ہوسکتی ہیں جن سے مراد ایک ذات ہو جیسے عَلِمتنِیْ مُنطلقًا وَظَنَنتكَ فَاضِلًا ان دونوں مثالوں میں آپ دیکھئے کہ اول مثال میں متصل ضمیر متکلم فاعل کی ہے اور دوسری ضمیر متصل متکلم مفعول بہ ہے اور مثال ثانی میں اول ضمیر متصل مخاطب فاعل کی ہے اور دوسری متصل مخاطب مفعول کی برخلاف ان کے علاوہ اور افعال کے ان میں یہ جائز نہیں جیسے ضَرَبْتُنِی وَشَتَمْتَكَ نہیں کہہ سکتے ہیں اب رہی یہ بات کہ افعال قلوب میں یہ کیوں جائز ہے اور باقی میں کیوں ناجائز، سو اس کی وجہ یہ ہے کہ افعال قلوب میں مفعول بہ حقیقت کے اعتبار سے مفعول دوم ہی ہوتا ہے اول مفعول تو ثانی کی تمہید کے لیے آیا کرتا ہے اول تو گویا کہ ایسا ہے جیسا کہ موجود ہی نہیں ہے جیسا کہ ظَنَنْتُ زَیْدًا قَائِمًا میں متکلم نے قیام کا گمان کیا ہے نہ کہ ذات زید کا زید کو تو صرف قیام کو اس کے ساتھ ثابت کرنے کے واسطے لایا گیا ہے، برخلاف غیر افعال قلوب میں کہ فعل کا تعلق دونوں ضمیروں کے ساتھ ہوتا ہے اس لیے ضربتنی نہیں کہہ سکتے اگر اسی معنی کو ادا کرنا ہے تو ضَرَبْتُ نَفْسِی کہیں گے۔

ضَمِیرَیْنِ لِشَیْءٍ: اگر دونوں ضمیریں متصل نہ ہوں بلکہ ایک متصل ہو اور ایک منفصل تو ایسی صورت میں ایک ذات کے لیے دونوں ضمیریں غیر افعال قلوب میں بھی استعمال کی جاسکتی ہیں جیسے اِیَّاكَ ضَرَبْتَ۔

وَاعْلَم اَنَّهٗ قَدْ یکونُ ظَنَنْتُ الخ: افعال قلوب میں سے ظَنَنْتُ کبھی اِتَّهَمْتُ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے اس وقت یہ ظنّة بکسر الظاء بمعنی تہمت سے مشتق ہوگا لہٰذا ظَنَنْتُ زَیْدًا کے معنی ہوں گے اِتهَمْتُه یعنی زید کو میں نے متہم کیا۔

اور عَلِمْتُ عَرَفْتُ کے معنی میں بھی استعمال ہوجاتا ہے یہ بھی دریں صورت متعدی بیک مفعول ہوتا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْکُمْ فِی السَّبْتِ تم نے پہچان لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہفتہ کے دن کے بارے میں تجاوز کیا، اور رأیت ابصرت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی دیکھ کیا دیکھتا ہے ووجدت بمعنی الخ اور وَجَدْتُ اَصَبْتُ الضَّاله کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی میں نے گمشدہ چیز کو پالیا۔

فتنصِبُ مفعولاً الخ: یہ سب افعال جب دوسرے معانی میں استعمال ہوں گے اس وقت ان کا تعلق افعال قلوب سے نہیں ہوتا اسی وجہ سے یہ صرف ایک مفعول کو نصب دیتے ہیں۔

تمرین:

(۱) افعال قلوب کی تعریف بیان کیجئے، ساتھ ہی یہ بھی بتلایئے کہ بطور حصر استقرائی کے افعال قلوب کتنے ہیں۔
(۲) یقین اور شک کی تعریف بیان کیجئے۔
(۳) افعال قلوب کے چار خواص ہیں ان کو مع امثلہ بیان کیجئے۔
(۴) جب افعال قلوب دوسرے معانی میں استعمال ہوویں تو کتنے مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں؟

فصل الافعالُ الناقصةُ هیَ افعالٌ وُضِعَت لتقرير الفاعلِ علىٰ صفةٍ غير صفةِ مصدرها وهی كان وصار وظل وبات الىٰ اٰخِرِها تدخل على الجملة الاسمية لافادة نسبتها حكمَ مَعْنَاها فترفعُ الاوّل و تَنصبُ الثانِي فتقول كانَ زيدٌ قائماً وكان على ثلاثة اقْسَام نَاقِصَة وهی تدُل على ثبوت خبرِها لفاعِلِها فی الماضی امّا دائمًا نحو كانَ اللهُ عليمًا حكيماً او مُنقطِعاً نحو كَانَ زيُدٌ شابًّا وتامّةٌ بمعنى ثَبَتَ وحَصَلَ نحو كان القتال ای حَصَلَ القتالُ وزائدة لا يتغير باسقاطِها معنَى الجملة كقوله الشاعر شعر جِيَادُ ابنی ابی بكرٍ تَسَامىٰ. علىٰ كَانَ المسَوَّمةِ العِرَابِ. ای على المسومة.

ترجمہ : افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو فاعل کو اپنے مصدر کی صفت کے علاوہ کسی صفت پر ثابت کرنے کے لیے وضع کئے گئے ہوں اور وہ کان صار ظل بات وغیرہ ہیں یہ سب جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں، اس کی نسبت کا فائدہ دینے کے لیے اپنے معنی کے حکم اور اثر کا پس یہ رفع دیتے ہیں اول کو اور نصب دیتے ہیں ثانی کو، لہٰذا کہے گا تو کَانَ زَیْدٌ قَائِماً اور کان کی تین قسمیں ہیں (۱) ناقصہ اور ناقصہ وہ ہے جو دلالت کرے اپنی خبر کے ثابت ہونے پر اپنے فاعل کے لیے ماضی میں یا تو یہ ثبوت خبر (باعتبار قرینہ کے) ہمیشہ ہو جیسے کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَکِیْماً اللہ تعالیٰ صاحب علم اور صاحب حکمت ہے یا وہ ثبوت منقطع ہو جیسے کَانَ زَیْد شَاباً اور دوسری قسم کان کی تامہ ہے ثبت اور حصل کے معنی میں ہوتا ہے جیسے کَانَ الْقِتَالُ ای حَصَلَ الْقِتَالُ اور تیسری قسم کان زائدہ ہے نہیں بدلتے جملہ کے معنی اس کے ساقط ہونے سے جیسے شاعر کا شعر ہے۔

جِیَاد ابنی ابی بکرٍ تَسَامیٰ　　　　علیٰ کَانَ المسَوَّمةِ العِرَابِ

اَی علیٰ المسَوَّمَةِ میرے لڑکے بوبکر کے اچھے اور تیز رفتار گھوڑے ہیں سوار ہوتا ہے وہ اپنے تازی گھوڑوں پر کہ جن پر تیز رفتاری اور خوبصورتی کے نشان لگے ہوئے ہیں۔

تشریح: الافعَالُ النَّاقِصَة الخ :تعریف افعال ناقصہ ان افعال کو کہتے ہیں جن کو واضع نے اس مقصد کے لیے وضع کیا ہو، کہ فاعل کے لیے کوئی صفت ثابت کردی جائے اور وہ صفت ایسی ہو جو ان افعال کے مصدر

صفت کے علاوہ ہو، جیسے کَانَ زیدٌ عَالِمًا، اس میں کَانَ اس غرض کے لیے استعمال ہوا ہے کہ زید جو معنی کے لحاظ سے کان کا فاعل ہے اس کے لیے علم کی صفت ثابت کردے ایسے ہی صَارَ زَیْدٌ قَارِیًا میں صار اس مقصد کو واضح کررہا ہے کہ صفت قرأۃ زید کے لیے (جو کہ صار کا فاعل ہے) ثابت ہے ان دونوں مثالوں سے آپ کو یہ معلوم ہوگیا کہ ان افعال کا مقصد صرف فاعل کے لیے صفت کو ثابت کرنا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے افعال ناقصہ ایک اسم اور ایک خبر کے محتاج ہوتے ہیں، اسم اصل کے لحاظ سے فاعل کو اور خبر معنی کے اعتبار سے صفت ہی کو کہتے ہیں اس بحث سے یہ بھی آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ یہ افعال فاعل کے لیے جو صفت ثابت کرتے ہیں یہ صفت ان کی خبر ہی ہوتی ہے خود ان افعال کے مصدر کی جو صفت ہے مثلاً کان کا مصدر کون اس کو فاعل کے لیے ثابت نہیں کرتے، جیسا کہ افعال تامہ اپنے مصدر کی صفت کو اپنے فاعل کے لیے ثابت کرتے ہیں جیسے نصر زید میں نصر فعل اپنے فاعل کے لیے صفت نصر کو ثابت کررہا ہے۔

فائدہ: وجہ تسمیہ ایں افعال: یہ افعال چونکہ افعال تامہ کی طرح تنہاء اپنے فاعل پر تام نہیں ہوتے بلکہ ایک خبر منصوب کے محتاج ہوتے ہیں، دوسرے دیگر افعال کی طرح معنی حدثی پر دلالت نہیں کرتے تو افعال ہوتے ہوئے چونکہ ان میں نقص آ گیا اسی وجہ سے ان کو ناقصہ کہتے ہیں۔

وَهِیَ کَانَ وصَارَ الخ: یہاں سے ان افعال کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں مگر یہ یاد رہے کہ مصنف نے ان کو حصر کرکے بیان نہیں کیا کہ ان کی تعداد اتنی ہے جیسا کہ صاحب نحو میر وغیرہ نے کہا کہ ان کی تعداد سترہ ہے اور وہ یہ ہیں (۱) کـان (۲) صـار (۳) ظـل (٤) بَـاتَ (٥) اَصبَحَ (٦) اَضحٰی (۷) اَمسٰی (۸) عَادَ (۹) آضَ (۱۰) غَـدَا (۱۱) رَاحَ (۱۲) مَـازَالَ (۱۳) مَـا انـفَكَّ (١٤) مَـا بَرِحَ (٥) مَا فَتِیَ (١٦) مَا دَامَ (۱۷) لَیسَ۔

بہرحال مصنفؒ ہدایۃ النحو نے جو ان کی تعداد بیان نہیں فرمائی اس کی وجہ یہ ہے کہ افعال ناقصہ سترہ ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی بہت سے افعال ہیں جیسا کہ وہ افعال تام جو کبھی کبھی فعل ناقص کے معنی میں استعمال ہوجاتے ہیں مثلاً صار کے معنی میں تم یتم استعمال ہوا ہے جیسے تَتِمُّ التِّسعَةُ بِهٰذا عَشَرَةً ای تَصِیرُ عَشَرَةً تَامَّةً یعنی اس ایک عدد کے ذریعہ سے پورے دس ہوگئے ایسے ہی کَمَلَ زَیْدٌ عَالِمًا ای صَارَ زَیْدٌ عَالِمًا تو اس میں کَمُلَ یَكمُلُ صَارَ کے معنی میں ہے وَمَا اِلٰی ذٰلِكَ۔

تَدْخُل عَلَى الْجُملَةِ الاسْمِیّةِ : یہ افعال جملہ اسمیہ یعنی مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں اور مقصد ان کا یہ ہوتا ہے کہ یہ افعال اپنے معنی کا اثر اور حکم اپنی خبر کو دے دیں، جیسے صَارَ زَیْدٌ غَنِیًّا میں صار جو کہ انتقال کے لیے آتا ہے اس نے اپنا حکم یعنی انتقال اپنی خبر کو عطا کردیا معنی اس جملہ کے یہ ہوگئے کہ زید جو کہ پہلے فقیر تھا اب مالدار

طرف منتقل ہوگیا۔ ایسے ہی مَازَالَ زیدٌ عَالِمًا مَازَالَ دوام وہمیشگی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس نے اپنا اسم عالم کو دے دیا معنی یہ ہوئے کہ زید جب سے عالم ہوا تھا اب تک ہمیشہ علم حاصل کرتا رہا۔

فَتَرفَعُ الاوَّلَ الخ: یہ جملہ اسمیہ کے جزء اول کو رفع دیتے ہیں فاعل ہونے کی بناء پر اور جزء ثانی کو نصب دیتے ہیں مشابہ مفعول ہونے کی بناء پر یعنی جیسا کہ فعل متعدی بغیر مفعول بہ کے تام نہیں ہوتا ہے ایسے ہی یہ افعال بھی بغیر جزء ثانی کے تام نہیں ہوتے جیسے کَانَ زیدٌ قَائِمًا میں کان نے زید کو رفع اور قائما کو نصب عطا کیا ہے۔

وَکَان علٰی ثلٰثۃِ اَقسَامٍ الخ: یہاں سے کان کی مختلف معنی کے اعتبار سے تفصیل بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کان کی تین قسمیں ہیں (۱) ناقصہ (۲) تامہ (۳) زائدہ کان ناقصہ وہ کہلاتا ہے جو اپنی خبر کو اپنے فاعل (اسم) کے لیے زمانہ ماضی میں ثابت کیا کرتا ہے خواہ وہ ثبوت تمام زمانہ ماضی میں دائمی ہو یعنی ہمیشہ رہا ہو یا دائمی نہ رہا ہو بلکہ منقطع ہوگیا ہو، اوّل کی مثال جیسے کَانَ اللّٰہُ عَلِیمًا حَکِیماً اس مثال میں ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت علم اور حکمت ہمیشہ رہی اس میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ اور دوسری صورت کی مثال جیسے کَانَ زَیدٌ شَابًّا اس میں کان کی خبر اس کے اسم سے منقطع اور جدا ہوگئی کہ زید پہلے جوان تھا اب بوڑھا ہوگیا۔

وتَامَّۃٌ دوسری قسم کان کی کان تامۃ ہے کان تامہ کہتے ہیں اس کو جو اپنے فاعل پر تمام ہو جائے خبر کی احتیاج واقع نہ ہو اس وقت یہ حصل اور ثبت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے کَانَ الْقتال ای حَصَلَ القِتال یعنی لڑائی ہوگئی وزائدۃٌ قسم ثالث کان کی کان زائدہ ہے۔ کان زائدہ اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ہونے اور نہ ہونے سے جملہ کے معنی میں کوئی خرابی واقع نہ ہو جیسے شاعر کے اس شعر میں:

جِیَاد ابنی ابی بکرٍ تَسَامٰی علٰی کَانَ المسَوَّمۃِ العِرَابِ

توضیح: جیاد جمع ہے جید کی اور جید کہتے ہیں اچھے اور تیز رفتار گھوڑے کو اور تَسَامٰی اصل میں تَتَسَامٰی تھا باب تفاعل سے مضارع کا واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے معنی ہیں بلندی اور رفعت کے یعنی سوار ہونا اور مسومۃ بفتح الواؤ ان گھوڑوں کو کہتے ہیں جن پر کچھ علامت اور نشانی لگا دی گئی ہو اور عراب بکسر العین عربی کو کہتے ہیں ترکیب عبارت یہ ہے کہ جیادُ مضاف ابنی مبدل منہ اور ابی بکر بدل دونوں مل کر مضاف الیہ جیاد کا پھر مرکب اضافی مبتداء، تسامی مبتداء کی خبر اور المسومۃ موصوف العراب صفت موصوف صفت سے مل کر مجرور جار مجرور متعلق تسامی فعل کے اور کان اس میں زائدہ ہے صرف تحسین کلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔

وصار للانتقالِ نحو صار زیدٌ غنیّا واصبحَ وامسٰی واضحٰی تَدُل علٰی اقترانِ مضمُون الجملۃ بتلک الاوقات نحو اَصْبَحَ زیدٌ ذاکِرا ای کان ذاکرافی وقت الصبح وبمعنٰی صار نحو اَصبَح زیدٌ غَنِیًّا وتَامَۃٌ بمعنٰی دَخَل فِی الصَّباحِ وَالضّحٰی

والمَساء وظَلّ وباتَ يدُلان علٰى اقتران مضمُون الجُملَة بوقتيهمَا نحو ظَلَّ زيدٌ كاتبًا وبـمَعنٰـى صارَ ومازالَ وما فتئ ومَابرِح ومَا انفَكَّ تَدُلُّ على استمرار ثبوت خبرها لفـاعِـلِها مذ قَبلَهٗ نحو مَا زَالَ زيدٌ امِيراً ويلزمُها حرف النفِي ومادامَ يدُلُّ علٰى توقبتِ اَمرٍ بـمـدة ثبـوتِ خبرها لفاعِلِها نحوا قُومُ مَادامَ الاميرُ جالسًا ولَيسَ يدل علٰى نفِي معنـى الـجُـمـلة حـالًا وقِيـل مـطـلقاً وقد عرفتَ بقية احكامِهَا فِي القسمِ الاوّل فلا نعِيدُهَا.

ترجمه: اورلفظ صارَ انتقال کے لیے ہے جیسے صَارَ زَیْدٌ غَنِیًّا اور اَصْبَحَ وَاَمْسٰی وَاَضْحٰی یہ تینوں دلالت کرتے ہیں جملہ کے مضمون کو ملانے پر اپنے اوقات کے ساتھ جیسے اَصْبَحَ زَیْدٌ ذَاکِراً اَیْ کَانَ ذَاکراً فِی وَقْتِ الصُّبْحِ یعنی زید بوقت صبح ذاکر ہوا، اور یہ صار کے معنی میں بھی آتے ہیں جیسے اَصْبَحَ زَیْدٌ غَنِیّاً اَیْ صَارَ زَیْدٌ غَنِیًّا اور یہ تامہ بھی ہوتے ہیں معنی میں ہوتے ہیں، دَخَلَ فِی الصَّبَاحِ یا فِی الضّحٰی یا فِی المَسَاءِ کے اور ظل وبات یہ دونوں دلالت کرتے ہیں جملہ کے مضمون کو ملانے پر اپنے اوقات کے ساتھ (جو کہ وہ دن اور رات ہیں) ظَلَّ زَیْدٌ کَاتِبًا یعنی کتابت زید کو دن میں حاصل ہوئی اور بمعنی صار بھی استعمال ہوتے ہیں، اور مَازَالَ وَمَافَتِیَٔ وَمَابَرِحَ وَمَا انْفَکَّ یہ چاروں دلالت کرتے ہیں اپنی خبر کے ثابت ہونے کے استمرار وہمیشگی پر اپنے فاعل کے لیے جب سے کہ فاعل نے خبر کو قبول کیا ہے جیسے مَا زَالَ زَیْدٌ اَمِیْرًا زید ہمیشہ مال دار رہا۔ اور لازم ہے ان چاروں کو حرف نفی، اور مادام دلالت کرتا ہے اپنی خبر کے اپنے فاعل کے لیے ثابت ہونے کی مدت کے امر کے موقت ہونے پر جیسے اَقُوْمُ مَا دَامَ زَیْدٌ جَالِساً میں کھڑا رہوں گا جب تک کہ زید بیٹھا رہے گا۔

اور لیس دلالت کرتا ہے جملہ کے معنی کی نفی پر زمانہ حال میں اور کہا گیا کہ مطلق زمانہ میں اور ان افعال کے باقی احکام کو آپ قسم اول (بحث اسم) میں پہچان چکے ہیں لہٰذا اب ہم ان احکام کا اعادہ نہ کریں گے۔

تشریح: وَصَارَ الخ: افعال ناقصہ میں سے صار انتقال کے لیے آتا ہے خواہ وہ انتقال ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف ہو اور خواہ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف ہو اول کی مثال جیسے صَارَ زَیْدٌ عَالِمًا اور ثانی کی مثال جیسے صَارَ الطِّیْنُ خَزَفًا مٹی ٹھیکرا بن گئی۔

وَاَصْبَحَ وَاَمْسٰی وَاَضْحٰی الخ: مضمون جملہ کی تعریف۔ جملہ اسمیہ میں خبر کا مصدر بنا کر مبتداء کی جانب مضاف کر دینا جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ سے قِیَامُ زَیْدٍ اور جملہ فعلیہ میں فعل کے مصدر کو فاعل کی طرف مضاف کر دینا جیسے قَامَ زَیْدٌ سے قیام زید۔ آمدم برسر مطلب یہ تینوں افعال مضمون جملہ کو اپنے اوقات کے ساتھ متصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ ان کے اپنے اوقات سے مراد یہ ہے کہ جن زمانوں پر یہ فعل مادہ کے اعتبار سے دلالت کرتے ہیں

امثلہ: اَصۡبَحَ زَیۡدٌ ذَاکِرًا اس میں مضمون جملہ ذکر زید ہے اس کا تعلق اصبح فعل نے اپنے وقت یعنی صبح سے کردیا کہ زید صبح کے وقت ذاکر تھا یہی حال ہے اَضۡحٰی وَاَمۡسٰی کا جیسے اَضۡحٰی خَالِدٌ مُصَلِّیًا وَاَمۡسٰی بَکۡرٌ بَاکِیًا ان میں اَضۡحٰی وَاَمۡسٰی نے مضمون کو اپنے چاشت اور شام کے وقت کے ساتھ متصل کردیا۔ و بمعنی صار اور یہ تینوں صار کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں، اس وقت ان کا تعلق اپنے اوقات کے ساتھ نہیں ہوتا جیسے اَصۡبَحَ وَاَضۡحٰی زَیۡدٌ غَنِیًّا زَید غنی ہوگیا۔ وتامة الخ: تیسرے یہ افعال تامہ بھی ہوتے ہیں اس صورت میں دخل کے معنی میں ہوتے ہیں اپنے فاعل کا دخول اپنے اوقات میں بیان کرتے ہیں جیسے اَصۡبَحَ زَیۡدٌ زید صبح کے وقت داخل ہوا، وَاَمۡسٰی زَیۡدٌ زید شام کے وقت داخل ہوا، وَاَضۡحٰی زَیۡدٌ زید چاشت کے وقت داخل ہوا، وَظَلَّ وبَاتَ الخ، ظل اور بات بھی اپنے وقت کے ساتھ مضمون جملہ کے اتصال پر دلالت کرتے ہیں جیسے ظَلَّ زَیۡدٌ کَاتِبًا زید دن بھر لکھتا رہا وَبَاتَ بَکر نَائِمًا بکر رات بھر سوتا رہا، بمعنی صار یہ دونوں بھی صار کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے ظَلَّ زَیۡدٌ غَنِیًّا وبَاتَ بَکر فَقِیۡرًا۔ وَمَا زَالَ وَمَا فَتِیَ مَا بَرِحَ مَا اَنۡفَکَّ مَا زَالَ الخ: مشتق ہے زَالَ یَزُوۡلُ، باب نصر سے چونکہ نصر سے یہ ناقص نہیں ہوتا بلکہ تام ہوتا ہے۔ بمعنی زائل ہونا، مَا بَرِحَ بَرِحَ سے مشتق ہے زائل ہونا، مَا فَتِیَ بھی بمعنی زائل ہونے کے ہیں اور مَا انۡفَکَّ مَا انفصل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بہر حال افعال ناقصہ میں سے یہ چاروں افعال اپنے فاعل کے لیے اپنی خبروں کے استمرار و دوام کے ساتھ ثابت کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں، مگر مطلقاً نہیں بلکہ جس وقت سے ان کے فاعل نے خبر کو قبول کیا ہے جیسے مَا زَالَ زَیۡدٌ اَمِیۡرًا زید ہمیشہ امیر رہا، جب سے اس نے امارت کو قبول کیا تھا بقیہ تینوں کو بھی اس پر قیاس کیجئے۔

وَیَلۡزَمُهَا حَرۡفُ النَّفۡیِ: ان افعال کے شروع میں حرف نفی کا ہونا لازم ہے اسی نفی کی وجہ سے تو یہ اپنے فاعل کے لیے خبر کے استمرار و دوام پر دلالت کرتے ہیں چونکہ ان افعال کے معنی میں خود نفی موجود ہے مثلاً زال کے معنی زائل ہوجانا یعنی کسی چیز کا نہ ہونا پھر ان پر جب حرف نفی کو داخل کردیا گیا تو نفی کی بھی نفی ہوگئی، یعنی اثبات کے معنی ہوگئے اور قاعدہ یہ ہے کہ نفی کی نفی سے جب اثبات کے معنی حاصل ہوتے ہیں تو اس اثبات میں دوام و استمرار پیدا ہوجاتا ہے ہاں یہ یاد رہے کہ یہ نفی کبھی مقدر ہوتی ہے جیسے فرمان باری میں تَاللّٰهِ تَفۡتَؤُ تَذۡکُرُ یُوۡسُفَ اَیۡ لَا تَفۡتَؤُ یعنی آپ ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے۔

وَمَا دَامَ یَدُلُّ: مادام، اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جب تک اس کی خبر فاعل کے لیے ثابت ہے اس وقت تک یہ مدت اس امر مذکور کے لیے ہے جو کہ مادام سے پہلے مذکور ہے جیسے اَقُوۡمُ مَا دَامَ زَیۡدٌ جَالِسًا اس کے معنی ہوں گے اَقُوۡمُ مُدَّةَ دَوَامِ جُلُوۡسِ زَیۡدٍ اس مثال میں جب تک زید کے لیے بیٹھنا ثابت ہے اسی وقت

کہ مادام سے قبل متکلم کے لیے کھڑا ہونا ثابت ہے۔

وَلَیْسَ تَدُلُّ الخ : لیس افعال ناقصہ میں سے زمانہ حال میں جملہ کے معنی کی نفی کے لیے وضع کیا گیا ہے اہل عرب اس کو حال ہی کی نفی کے لیے استعمال کرتے ہیں جیسے لَیْسَ زَیْدٌ قَائِمًا اَلاٰن ۔وقیل مطلقاً ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا کہ جملہ کے معنی کی نفی تو کرتا ہے مگر زمانہ حال وغیرہ کی کوئی قید نہیں جیسا کہ آپ ماضی کی نفی کے لیے کہیں لَیْسَ خَلَقَ اللّٰہ مِثْلَه ظاہر ہے کہ اللہ کا اس کے مثل پیدا نہ کرنا زمانہ ماضی میں ہے۔اور مستقبل کی مثال جیسے اَلَا یَوْمَ یَاتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُم یادرکھو وہ عذاب جس روز ان پر آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا۔ظاہر ہے کہ یہ عذاب قیامت کے دن سے متعلق ہے جو مستقبل میں واقع ہے اس قول مطلق کے قائل امام سیبویہ ہیں اس سلسلے میں امام اندلسی نے بہت اچھی فیصلہ کن بات کہی ہے وہ یہ کہ مذکورہ دونوں قولوں میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لیے کہ لیس کی خبر جب کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہ ہو لیس کی نفی حال پر محمول ہوگی اور جب ازمنة ثلثة میں سے کسی ایک کے ساتھ مقید ہو تو جس کے ساتھ مقید ہوگی اسی زمانہ پر محمول ہوگی۔

وَقَدْ عَرَفْتَ الخ :افعال ناقصہ کے باقی احکام یعنی ان کی خبروں کا ان کے کل اسماء پر مقدم ہونا ایسے ہی خود ان افعال پر مقدم ہونا افعال ناقصہ میں سے شروع کے دس میں اور جن کے شروع میں مَا ہے ان میں خود ان کی ذات پر تقدیم کا ناجائز ہونا اور لیس میں اختلاف کا ہونا یہ تمام احکام ہم بحث اسم میں بیان کر چکے ہیں لہٰذا شایقین حضرات وہیں پر رجوع فرمائیں۔

تمرین:

(۱) افعال ناقصہ کی تعریف مع وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

(۲) یہ افعال ناقصہ کس پر داخل ہوتے ہیں۔

(۳) افعال ناقصہ کون کون سے ہیں مع مثال بیان کیجئے۔

(۴) یہ کیا عمل کرتے ہیں۔

(۵) کان کی کتنی قسمیں ہیں ہر ایک کو مع تعریف بیان کیجئے۔

(۶) صار کے کیا معنی ہیں؟

(۷) اصبح، امسی ، اضحی ، تینوں کس معنی کے لیے آتے ہیں، نیز یہ تینوں صار کے معنی میں کب ہوتے ہیں،اور جب یہ ناقصہ ہوتے ہیں تو کیا معنی ہوتے ہیں۔

(۸) ظل وبات کس معنی کے لیے آتے ہیں۔

(۹) مازال ، مابرح، مافتی ، ما انفك کس معنی کے لیے آتے ہیں اور یہ بھی بیان کیجئے کہ ان

لیے حرف نفی کیوں لازم ہے۔
(۱۰) مادام کے معنی مع مثال بیان کیجئے۔
(۱۱) یہ بتلائیے کہ لیس جو جملہ کے معنی کی نفی کے لیے آتا ہے یہ زمانہ حال میں یا مطلقاً کسی بھی زمانہ میں۔

فصل افعالُ المقاربَةِ هی افعالٌ وُضِعَتْ للدَّلالةِ عَلٰی دُنُوّ الْخبر لِفاعِلِها وهِیَ ثلٰثة اقْسامٍ الاوّل للرَجاء وهو عَسٰی وَهُوَ فعلٌ جامدٌ لا یستَعْملُ منه غیرُ الماضی وهو فی العمل مثل کَادَ اِلا اَنَّ خَبَرَهٗ فِعلٌ مضارع مَعَ اَنْ نحو عَسٰی زیدٌ اَنْ یَّقُومَ ویجوزُ تقدیمُ الخبرِ علی اسمِهٖ نحو عَسٰی اَنْ یقُومَ زَید وقد یُحذف اَنْ نحو عَسیٰ اَن یقُومَ زَیدٌ وقد یحذف ان نحو عسی زَیدٌ یقُوم والثّانی للحُصُول وهو کَادَ وخبرُه مضارعٌ دُون اَن نحو کادَ زیدٌ یقومُ وقد تدخل ان نحو کاد زید ان یقوم والثالث للاخذ والشروعِ فی الفعلِ وهُوَ طَفِقَ وجعل وکرب واخذ واِستعمالُها مثل کاد نحو طفق زیدٌ یکتُب واوشَکَ واستعمالها مثل عسٰی وکاد.

ترجمہ: افعال مقاربہ وہ افعال ہیں جو اپنے فاعل کے لیے خبر کے قریب ہونے پر دلالت کرنے کے لیے وضع کئے گئے ہوں، اور افعال مقاربہ کی تین قسمیں ہیں، قسم اول یہ ہے کہ خبر کا قریب ہونا بطور امید کے ہو اور اس معنی کے لیے عسی ہے اور یہ فعل جامد ہے اس سے صرف ماضی کا صیغہ ہی استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ اس کی خبر فعل مضارع ہوتی ہے مع ان کے جیسے عَسٰی زَیدٌ اَنْ یَقُوْمَ امید ہے کہ زید قریب ہی کھڑا ہوگا اور جائز ہے خبر کا اس کے اسم پر مقدم ہونا جیسے عَسٰی اَنْ یَقُوْمَ زیدٌ اور کبھی ان کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے عَسٰی زَیدٌ یَقُوْم اور قسم ثانی ہے (خبر کا فاعل کے قریب ہونا) بطور حصول اور یقین کے اور وہ کاد ہے اور اس کی خبر فعل مضارع ہوتی ہے بغیر ان کے جیسے کَادَ زَیدٌ یَقُوْمُ اور کبھی اس کی خبر پر ان بھی داخل ہو جاتا ہے جیسے کَادَ زَیدٌ اَنْ یَقُوْم زید عنقریب کھڑا ہو رہا ہے اور تیسری قسم وہ افعال ہیں جو خبر کے قریب ہونے کو فاعل کے لیے بطور شروع فی الفعل کے بیان کرتے ہیں اور وہ طفق (بمعنی اَخَذَ) اور جعل اور کَرَبَ وَاَخَذَ اور ان کا استعمال کاد کے مثل ہے جیسے طَفِقَ زَیدٌ یکتُبُ (زید نے لکھنا شروع کر دیا) اور کَلَمَۃ اَوشك (بمعنی اَسْرَعَ) اور اس کا استعمال عسی اور کاد دونوں کے مثل ہے۔

تشریح: افعال ناقصہ کے بعد افعال مقاربہ کے بیان کو شروع فرما رہے ہیں دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ دونوں ہی خبر کو چاہتے ہیں تنہا فاعل پر تمام نہیں ہوتے ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ ان کی خبر فعل مضارع ہوتی ہے۔

هِیَ اَفْعَالٌ وُضِعَتْ الخ :ان افعال کولانے کی غرض یہ ہے کہ یہ خبر کو اپنے فاعل کے نزدیک کر دیتے ہیں، تعریف کی مزید وضاحت اس کے اقسام کے ضمن میں سمجھ میں آئے گی انشاءاللہ۔ چنانچہ افعال مقاربہ کی تین قسمیں ہیں۔

اَلْاَوَّلُ لِلرَّجَاءِ :قسم اول یہ ہے کہ متکلم کو خبر کے فاعل کے قریب ونزدیک ہونے کی امید ہوتی ہے یعنی یہ توقع ہوتی ہے کہ خبر عنقریب ہی واقع ہو جائے گی، اس وقوع کا یقین نہیں ہوتا اور افعال مقاربہ میں اس معنی کو ادا کرنے کے لیے کلمہ عسی کو وضع کیا گیا ہے اور یہ عسی فعل جامد یعنی غیر متصرف ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس سے علاوہ ماضی معروف کے ماضی مجہول ومضارع اور امر ونہی وغیرہ کے صیغے نہیں بنتے اور وجہ جامد ہونے کی یہ ہے کہ یہ انشاء رجَاءَ وَطَمَعَ کے معنی کو متضمن ہے جیسا کہ لعل حرف مشبہ بالفعل میں انشاء رجاء کے معنی پائے جاتے ہیں، لہٰذا لعل کے مشابہ ہوا اور لعل حرف ہے اور حرف میں تصرف نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس میں بھی بوجہ مشابہت کے تصرف نہیں ہوگا۔

وَهُوَ فِي العَمل مثلُ كادَ :مطلب یہ ہے کہ افعال مقاربہ میں سے کاد اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر اس کی فعل مضارع ہوتی ہے محل نصب میں ایسے ہی عسی بھی اسم کو رفع دیتا ہے اور خبر اس کی فعل مضارع ہوتی ہے صرف اتنا سا فرق ہے کہ کاد کی خبر فعل مضارع بغیر ان کے ہوتی ہے اور اس کی خبر فعل مضارع مع ان کے ہوتی ہے جیسے عَسٰی زَیْدٌ اَنْ یَقُوْمَ اَیْ قَارَبَ زَیْدٌ نِ الْقِیَام اس میں زید مرفوع ہے عسی کا اسم ہونے کی وجہ سے اور اَنْ یَقُوْمَ محل نصب میں ہے خبر ہونے کی وجہ سے وَهٰذَا مَذْهَبُ اَكْثَر النحاة، اور بعض نحویین نے فرمایا کہ فعل مضارع مع اَنْ کے مرفوع ہے محل کے اعتبار سے چونکہ عسی کا فاعل ہے اور زید یقوم کا فاعل ہے اور کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ فعل مضارع مرفوع المحل ہے اس بناء پر کہ ماقبل سے بدل الاشتمال ہے۔

فائدہ: اس کی خبر جو فعل مضارع ان کے ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مضارع ان کی وجہ سے مستقبل کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے جس سے رجاء کے معنی میں تقویت پیدا ہو جاتی ہے چونکہ رجاء اور امید زمانہ مستقبل ہی میں ہوتی ہے۔

وَيَجُوْزُ تَقْدِيْمُ الْخَبَرِ الخ: عَسٰی کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم بھی کر سکتے ہیں اس صورت میں عسی تامہ ہوگا خبر کی احتیاج واقع نہیں ہوگی جیسے عَسٰی اَنْ یَقُوْمَ زَیْدٌ۔

وَقَدْ يُحْذَفُ اَنْ: کبھی اَنْ کو فعل مضارع سے حذف کر دیا جاتا ہے اس کے استعمال میں کَادَ کے مشابہ ہونے کی وجہ سے جیسے عَسٰی زَیْدٌ یَقُوْمُ اسی قبیل سے شاعر کا یہ شعر بھی مذکور ہے۔

عَسَى الْكُرْبُ الَّذِىْ اَمْسَيْتُ فِيْهِ يَكُوْنُ وَرَاءَهٗ فَرَجٌ قَرِيْبٌ

جس مصیبت میں میں نے شام کی ہے امید ہے کہ اس کے بعد قریب ہی کشادگی اور وسعت بھی آئے گی۔

وَالثَّانِي لِلْحُصُوْلِ الخ: دوسری قسم یہ ہے کہ متکلم کو فاعل کے لیے خبر کے حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے

قرب اس معنی کے لیے کاد ہے اس کی خبر بھی فعل مضارع ہوتی ہے لیکن بغیر ان کے جیسے کَادَ زَیْدٌ یَقُوْمُ اس میں کاد اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ زید عنقریب کھڑا ہونے والا ہے۔

فائدہ: کاد پر جب حرف نفی داخل ہوتا ہے تو اس میں علماء کے تین مذہب ہیں (۱) ایک یہ ہے کہ حرف نفی نفی کے معنی دیتا ہے جیسا کہ دیگر افعال میں حرف نفی، نفی کے معنی دیتا ہے کاد خواہ بمعنی ماضی ہو جیسے وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ نہیں قریب تھے وہ کرنے کے یا مضارع کے معنی میں ہو، جیسے اِذَا اَخْرَجَ یَدَہٗ لَمْ یَکَدْیَرَاھَا اَیْ لَمْ یُقَارِبْ رُؤْیَتَھَا۔

مذہب دوم یہ ہے کہ حرف نفی، نفی کے معنی نہیں دیتا خواہ ماضی پر داخل ہو یا مضارع پر۔

مذہب سوم یہ ہے کہ ماضی میں تو حرف نفی نفی کے معنی نہیں دیتا ہے صرف مثبت کے معنی دیتا ہے۔ ہاں اگر مستقبل پر داخل ہو تو نفی کے معنی دیتا ہے۔

وَالثَّالِثُ لِلْاَخْذِ الخ: افعال مقاربہ کی تیسری قسم یہ ہے کہ یہ افعال اس بات کو بتلاتے ہیں کہ متکلم کو اس بات کا یقین ہے کہ فاعل نے خبر کے حاصل کرنے کو شروع کر دیا ہے اس مقصد کو ادا کرنے کے لیے پانچ افعال ہیں (۱) طَفِقَ (۲) جَعَلَ (۳) کَرَبَ (٤) اَخَذَ (٥) اَوْشَكَ، ان میں سے شرع کے چار تو استعمال میں کاد کی طرح ہیں یعنی ان کی خبر بھی فعل مضارع بلا ان کے ہوتی ہے جیسے طَفِقَ زَیْدٌ یَکْتُبُ زید نے لکھنا شروع کر دیا وَجَعَلَ زَیْدٌ یَقْرَأُ زید نے پڑھنا شروع کر دیا اَخَذَ بَکْرٌ یَصُوْمُ بکر نے روزہ رکھنا شروع کر دیا کَرَب (بفتح الراء) خَالِدٌ یَجْتَھِدُ خالد نے محنت کرنی شروع کر دی، ان میں سے اوشك استعمال میں عَسٰی وَکَادَ دونوں کی طرح ہے جیسے عسی میں دو صورتیں ہیں اول یہ کہ وہ ناقصہ ہووے جیسے اَوْشَكَ زَیْدُ اَنْ یَقُوْمَ دوم یہ کہ تامہ ہووے جیسے اَوْشَكَ اَنْ یقوْمَ زَید اور کبھی کاد کی طرح ہوتا ہے جیسے اَوْشَكَ زَیْدٌ یقوْمُ اَوْشَكَ الْقِطَارُ اَنْ یَجِیْءَ ٹرین عنقریب آ رہی ہے۔

تمرین:

(۱) افعال مقاربہ کی تعریف بیان کیجئے، ساتھ ہی تعداد بھی بیان فرمایئے۔

(۲) عسی کس معنی کے لیے آتا ہے اور حکم کیا ہے مع مثال بیان کیجئے۔

(۳) کاد کس معنی کے لیے آتا ہے اور حکم کیا ہے، مع مثال بیان کیجئے، جب کاد پر حرف نفی داخل ہو جائے تو اس کے بارے میں علماء کا کیا اختلاف ہے۔

(۴) وہ افعال کون سے ہیں جو خبر کے فاعل کے قریب ہونے کو بطور شروع فی الفعل کے بیان کرتے ہیں مع حکم کے بیان کیجئے۔

فصل فعلا التعجب ما وُضِع لانشاءِ التعجّب ولهٗ صیغتان ما افعلہٗ نحو ما اَحْسَنَ زَیْدًا ای ایُّ شَیْءٍ اَحسَنَ زیداً وفی اَحسن ضمیر وهُو فاعِله واَفعِل به نحو اَحْسِنْ بزَیدٍ ولا یُبْنیَانِ اِلَّا مِما یُبنٰی منه افعلُ التفضیل ویُتوصَّلُ فی المتنع بمثلِ ما اَشَدَّ استخرجاً فی الاولِ واَشدِد بِاستِخْراجِه فی الثانی کما عرفتَ فی اسم التفضیل ولا یَجُوز التصرُّفُ فیهما بتقدیم ولا تاخیر ولا فصل والمازنیّ اجاز الفصل بالظرف نحو مَا اَحْسَنَ الْیَوْمَ زَیْداً.

ترجمہ: فعل تعجب وہ فعل ہے جو انشاء تعجب کے لیے وضع کیا گیا ہو اور اس کے دو صیغے ہیں ایک مَا اَفْعَلَهٗ جیسے مَا اَحْسَنَ زَیْدًا اَیْ اَیّ شَیْءٍ اَحْسَن زَیْدًا اور احسن میں ایک ضمیر ہے وہ ضمیر اس کا فاعل ہے اور دوسرا صیغہ ہے افعل به جیسے اَحْسِن بِزَیْدٍ اور یہ دونوں صیغے نہیں بنائے جاتے مگر اس سے جس سے کہ صیغہ اسم تفضیل بنتا ہے۔

اور ملایا جائے گا ممتنع کے اندر (یعنی جس سے یہ صیغے بنانے ناجائز ہیں) اول صیغے میں مَا اَشَدَّ اِسْتَخْرَاجاً کے مثل کو اور صیغہ ثانیہ میں اَشْدِدْ بِاسْتِخْرَاجِهٖ کے مثل کو جیسا کہ پہچان لیا ہے، آپ نے اسم تفضیل میں اور ان دونوں صیغوں میں تقدیم اور تاخیر کے ساتھ تصرف کرنا جائز نہیں، اور نہ عامل معمول کے درمیان فصل کرنا جائز ہے، البتہ امام مازنی نے ظرف کے ساتھ فصل کو جائز قرار دیا ہے جیسے مَا اَحْسَنَ الْیَوْمَ زَیْداً۔

تشریح: فعلا التّعجُب: تعجب کہتے ہیں اِنْفِعَال النَّفْسِ عِند ادرَاكِ مَا خَفِی سبَبه کو یعنی نفس کا منفعل و متاثر ہونا کسی سبب خفی کے ظاہر ہونے کے وقت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ فعل تعجب کہتے ہیں کہ اس فعل کو کہ جس کو انشاء تعجب کے لیے وضع کیا گیا ہو یعنی جس فعل سے تعجب کا اظہار کیا جائے۔

فوائد قیود: انشاء کی قید سے عَجِبْتُ وتَعَجَّبْتُ خارج ہو گئے اس لیے کہ یہ انشاء تعجب کے لیے نہیں ہیں بلکہ یہ خبر تعجب کے لیے ہیں یعنی تعجب کرنے کی خبر دی جاتی ہے۔

اسی طرح وَلِلّٰهِ دَرُّه قَارِئًا (کیا ہی بہترین قاری ہے) اور سبحان اللہ سے بھی احتراز ہو گیا کیونکہ یہ فعل نہیں ہیں۔

فائدہ: بعض نسخوں میں بجائے فعلا التَّعجُب صیغۂ تثنیہ کے فعل التَّجب ہے جن نسخوں میں صیغۂ واحد کے ساتھ فعل التعجب ہے وہ تو بہت ہی موزوں ہے چونکہ قاعدہ یہ ہے کہ تعریف کسی چیز کی ماہیت اور جنس کی ہوتی ہے اور جب جنس کی تعریف ہوتی ہے تو اس کو صیغہ واحد کے ساتھ لایا جاتا ہے۔ اور جن نسخوں میں صیغہ تثنیہ کے ساتھ لایا گیا جیسا کہ موجودہ نسخہ میں جو آپ کے زیر نظر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ تعجب کے دو ہی صیغے ہوتے ہیں

ان دوصیغوں کی طرف نظر کرتے ہوئے صیغہ تثنیہ لایا گیا اور جہاں افعال التعجب بصیغہ جمع ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دوصیغوں کے افراد کثیر ہیں، تو کثرت افراد پر نظر کرتے ہوئے صیغہ تثنیہ لایا گیا ان دونوں صورتوں میں بھی تعریف جنس ہی کی ہورہی ہے جو کہ تثنیہ وجمع کے ضمن میں مفہوم ہورہی ہے۔ وَلَهُ صِيغَتَان یہاں سے فرماتے ہیں کہ تعجب کے دوصیغے ہوتے ہیں (۱) مَا اَفْعَلَه (۲) اَفْعِل بِه ۔ یہ دونوں صیغے بھی متصرف نہیں ہوتے یعنی ان سے مضارع امر نہی تثنیہ جمع کے صیغے نہیں بنتے، چونکہ یہ دونوں بھی انشاء کی وجہ سے حروف کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔

نحو مَا اَحْسَنَ زَيْدًا مَا اَفْعَلَه کے وزن پر جیسے مَا اَحْسَنَ زَيْدًا کیا ہی حسین ہے زید یعنی کیا ہی اچھی ہے وہ چیز جس نے زید کو حسین بنادیا۔ اس میں ما بمعنی ای شی ء مبتداء ہے اور احسن میں ضمیر ہو اس کا فاعل ہے زید مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ خبر یہ ہے مَا بِمعنٰى اَیُّ شَیْءٍ مبتداء ہے، یہی مذہب ہے امام سیبویہؒ کا۔ امام اخفشؒ فرماتے ہیں ما موصولہ بمعنی الذی اور جملہ مابعد اس کا صلہ ہے موصول صلہ سے مل کر مبتداء اور خبر اس کی وجوباً حذف کردی گئی ہے اب اس کی اصل عبارت ہوگئی، اَلَّذِیْ اَحْسَنَ زَیْداً شَیْءٌ عَظِیْمٌ تیسرا قول اس میں امام فراء وابن درستویہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ما استفہامیہ ہے اور اس کا مابعد اس کی خبر ہے اسی قول کے مطابق صراحت کرتے ہوئے علامہ رضی نے کہا ہے کہ گویا متکلم زید کے سبب حسن سے ناواقف ہے مخاطب سے اس کے بارے میں استفہام کررہا ہے اور استفہام سے تعجب کے معنی مفہوم ہوتے ہیں جیسے قول باری تعالیٰ وَمَا اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ہے اس میں مَا استفہامیہ ہے جس سے تعجب کے معنی مستفاد ہورہے ہیں، کیا معلوم ہے آپ کو کہ قیامت کا دن کتنا ہولناک ہے افعل بہ دوسرا صیغہ افعل بہ ہے جیسے احسن بزید اس کی ترکیب مطابق مذہب سیبویہ یہ ہے کہ ضمیر مجرور (ہ) فاعل ہے احسن کا اور احسن صیغہ امر ہے معنی میں ہے احسن صیغہ ماضی کے اور ہمزہ صیرورۃ کے لیے ہے نہ کہ متعدی بنانے کے لیے صیرورۃ کہتے ہیں صاحب ماخذ ہونے کو جیسے لبن سے البن البقر گائے دودھ والی ہوگئی اور باء اس میں زائدہ ہے جیسے اللہ کے فرمان وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْداً میں اللہ کفی کا فاعل ہے اور باء زائدہ ہے اب اس کے معنی ہوں گے، صَارَ زَيْدٌ ذاحسن ۔ اور امام اخفش فرماتے ہیں کہ احسن صیغہ امر ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے اور ضمیر مجرور اس کا مفعول بہ ہے اور باء یا تو تعدیہ کے لیے ہے یا زائدہ ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ میں باء زائدہ ہے۔ بہر حال معنی ہوں گے اس کے کہ زید حسن کے کس مرتبہ پر واقع ہے یعنی زید بہت ہی حسین ہے۔

وَلا يُبْنَيَانِ الخ : یہاں سے بیان فرماتے ہیں کہ فعل تعجب کے یہ دونوں صیغے صرف انہی افعال سے بنتے ہیں جن جن سے اسم تفضیل بنتا ہے اور یہ بات آپ کو پہلے معلوم ہوچکی ہے اسم تفضیل صرف ثلاثی مجرد سے بنتا ہے جس میں لون اور عیب کے معنی نہ ہوں اور فعل تعجب کو اسم تفضیل کے ساتھ مشابہت حاصل ہے اس اعتبار سے کہ

دونوں مبالغہ اور تاکید کے معنی پر دلالت کرتے ہیں اسم تفضیل کے متعلق تو آپ پہلے پڑھ چکے ہیں اس میں اصل فعل میں زیادتی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ زیادتی تاکید پر دال ہوتی ہے اور فعل تعجب میں مبالغہ اور تاکید اس طور پر ہوتی ہے کہ تعجب کا اظہار کسی شئ پر اس لیے ہوتا ہے کہ کوئی وصف کسی شئ یا کسی انسان میں اتنی مقدار میں ہے جتنا کہ کسی اور میں نہیں ہے اس لیے بے اختیار تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے تو معلوم ہوا کہ فعل تعجب میں بھی مبالغہ اور تاکید کے معنی پائے جاتے ہیں تو اس مشابہت کے باعث جس فعل سے اسم تفضیل بنتا ہے اسی سے فعل تعجب بھی بنے گا۔

وَيُتَوصَّلُ فِي الممتَنِع: اور جن افعال سے صیغۂ تعجب استعمال نہیں ہوتا یعنی ثلاثی مزید فیہ ور باعی مجرد اور ثلاثی جس میں لون اور عیب کے معنی ہوں ان سب سے فعل تعجب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مصدر شدت وغیرہ سے جو کہ ثلاثی مجرد کا مصدر ہے اس سے تعجب کا صیغہ بنائیں گے اور جس فعل ممتنع سے فعل تعجب بنانا ہے اس کے مصدر کو پہلے والے صیغہ میں منصوب اور دوسرے میں مجرور کر کے ذکر کریں گے جیسے اجتناب جو کہ ثلاثی مزید فیہ کا مصدر ہے اس سے فعل تعجب بنانا ہو تو اس طرح صیغہ اولیٰ میں کہیں گے ما اشد اجتنابًا اور صیغہ ثانیہ میں اشدد باجتنابہ۔

وَلَا يَجُوزُ التَّصرُّف الخ: فعل تعجب کے دونوں صیغوں کا ایک خاصہ یہ ہے کہ ان کے معمول کو فعل تعجب پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے لہٰذا مَا زَيدٌ اَحسَنَ يا بِزَيدٍ اَحسِن کہنا درست نہ ہوگا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ دونوں صیغے تعجب کے خاص ہونے کی وجہ سے ایسے ہو گئے جیسا کہ امثال عرب کہ اہل عرب نے جیسے ان کو استعمال کیا ویسا ہی استعمال کیا جائے گا۔

فائدہ : مصنفؒ کی اس عبارت پر ایک سوال یہ واقع ہوتا ہے کہ لفظ تقدیم کے بعد تاخیر کا ذکر کرنا لاحاصل اور بے سود ہے چونکہ ہر ایک دوسرے کو مستلزم ہے۔

الجواب : مصنفؒ نے لفظ تاخیر کو تاکید کی وجہ سے ذکر کر دیا ہے اور دوسرا جواب یہ بھی ممکن ہے کہ ہر ایک دوسرے سے جدا ہے قصد میں نہ کہ تحقق میں یعنی کہ تقدیم معمول صیغۂ تعجب پر قصداً و ارادۃً جائز نہیں اسی طرح سے تاخیر صیغۂ تعجب کی معمول سے قصداً جائز نہیں تو گویا کہ قصد و ارادۃً کا لحاظ کرتے ہوئے لفظ تاخیر کو ذکر کر دیا ہے اسی طرح سے عامل و معمول کے درمیان کسی اجنبی کا فصل لانا بھی جائز نہیں لہٰذا مَا اَحسَنَ فِي الدَّارِ زَيدًا وَاكرِمُ اليَوم بزَيدٍ کہنا جائز نہ ہوگا اس کی وجہ بھی وہی ہے جو تقدیم و تاخیر کے بیان میں حال ہی میں گذر چکی ہے۔

وَالمَازِنِي الخ: فصل والے مسئلہ میں امام مازنی کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر فاعل ظرف واقع ہو تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ ظرف کے لیے آپ سابق میں پڑھ چکے ہیں کہ الظَّرفُ يتوَسعُ مَالَا يتوسعُ فيْ غَيْرِہ یعنی کہ ظرف میں وہ وسعت ہے جو غیر ظرف میں نہیں ہے لہٰذا ان کے نزدیک سابقہ دونوں مثالیں درست ہوں گی۔

تمرین:

(۱) فعل تعجب کی لغوی واصطلاحی تعریف کیجئے۔
(۲) فعل تعجب کے کتنے صیغے ہیں۔
(۳) فعل تعجب کن ابواب سے بنتا ہے اور جن ابواب سے نہیں بنتا اس سے فعل تعجب بنانے کا کیا طریقہ ہے۔
(۴) فعل تعجب کے اوزان میں کسی طرح کا کوئی تصرف جائز ہے یا نہیں، جو بھی حکم ہو بیان کیجئے۔
(۵) امام مازنی کی کیا رائے ہے۔

فصل افعالُ المدح والذم ما وُضِعَ لانشاءِ مدح او ذم اما المدح فله فِعلانِ نِعم وفـاعِلُه اسمٌ مُعرفٌ بِاللام نحو نعمَ الرجُلُ زيدٌ او مضافٌ اِلى المعرفٌ باللام نحو نعم غـلام الـرَّجُـل زيـدٌ وقـد يكونُ فاعلُهُ مُضمَراً ويَجبُ تمييزُهُ بنكرة منصوبةٍ نحو نِعم رجلاً زيُـدٌ وبِـمَا نحو قوله تعالىٰ فنعِمّا هِيَ اى نعم شيئًا هِى وزيدٌ يُسمّٰى المخصوص بالمدح وحَبَّذا نحو حبّذا زَيدٌ حبّ فعلُ المدح وفاعلُهُ ذَا والمخصوصُ بالمدح زيدٌ ويجوزُ ان يقع قبل مخصوص او بعدَه تمييزٌ نحو حبَّذا رجُلًا زيدٌ وحبَّذا زيدٌ رجُلا او حالٌ نـحو حبّذا رَاكبًا زيدٌ وحبَّذا زيدٌ رَاكبًا واما لذم فلَه فعلانِ ايضًا بِئسَ نحو بئسَ الـرجُـلُ عَـمرٌو وبئسَ غلام الرجُل عَمرٌو وبِئس رَجُلًا عَمرو وساء نحو ساء الرجلُ زيدٌ وساء غُلام الرجُل زيدٌ وساء رجلا زيدٌ وساء مثل بئس فى سائرِ الاقسام.

ترجمہ: افعال مدح وذم وہ افعال ہیں جو انشاء مدح یا انشاء ذم کے لیے وضع کئے گئے ہوں۔ بہرحال مدح تو اس کے لیے دو فعل ہیں (۱) نِعْمَ اور اس کا فاعل ایسا اسم ہوتا ہے جو معرف باللام ہو جیسے نِعْمَ الرَّجُلُ زَیْدٌ یا فاعل ایسا اسم ہوتا ہے جو معرف باللام کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے نِعْمَ غُلامُ الرَّجُلِ زَیْدٌ (اچھا ہے مرد کا غلام زید) اور کبھی اس کا فاعل اسم ضمیر ہوتا ہے اور واجب ہوتا ہے، اس کا تمیز لانا نکرہ منصوبہ کے ساتھ جیسے نِعْمَ رَجُلا زَیْدٌ یا تمیز لائی جاتی ہے ما کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَنِعِمَّا هِيَ اَیْ نِعْمَ شَیْئًا هِیَ اور زید کا نام رکھا جاتا ہے مخصوص بالمدح اور جائز ہے مخصوص بالمدح سے پہلے اور اس کے بعد تمیز کا لانا جیسے حَبَّذَا رَجُلاً زَیْدٌ اور حَبَّذَا زَیْدٌ رَجُلًا اور یہ بھی جائز ہے کہ مخصوص سے قبل یا اس کے بعد حال واقع ہو جیسے حَبَّذَا رَاكِبًا زَیْدٌ یا حَبَّذَا زَیْدٌ رَاكِبًا اور بہرحال فعل ذم جو ہے تو اس کے دو فعل ہیں (۱) بئس جیسے بِئْسَ الرَّجُلُ عَمْرٌو وبِئْسَ غُلامُ الرَّجُلِ وبِئْسَ رَجُلًا عَمْرٌو اور دوسرا فعل ذم ساء ہے جیسے سَاءَ الرَّجُلُ زَیْدٌ وسَاءَ غُلامُ الرَّجُلِ زُیدٌ وَسَاءَ رَجُلا زَیْدٌ اور تمام اقسام میں ساء بئس کی طرح ہے۔

تشریح : یہاں سے مصنفؒ بحث فعل کی آخری فصل افعال مدح وذم کو بیان فرمارہے ہیں تعریف ان کی یہ ہے کہ جوافعال مدح یا مذمت کی انشاء کے واسطے وضع کئے گئے ہوں۔

فوائد قیود: اس تعریف میں بھی انشاء کی قید سے کَرُمَ زیدٌ وَشَرُفَ عمرٌ و وقَنَعَ بکرٌ (قناعت اختیار کی بکرنے) وَعوِرَ خَالِدٌ (خالد کانا ہوگیا) وَمدحتُه (میں نے اس کی تعریف کی) وَذممتُهٗ (میں نے اس کی مذمت بیان کی) ان سب افعال سے احتراز ہوگیا چونکہ یہ سب انشاء مدح یا انشاء ذم کے لیےنہیں ہیں۔

وَاَمَّا المدحُ فَلَه فِعْلانِ الخ :مدح کے لیے دوفعل استعمال ہوتے ہیں ایک نعم دوسرے حَبَّذَا نِعمَ فعل در اصل نعم بروزن سمع تھا اسی طرح فعل ذم میں بئس بئس بروزن سمع تھا۔

فائدہ: فصحاءعرب کےقبائل میں سے قبیلہ بنوتمیم کے یہاں ایک اصول ہے وہ یہ کہ جب کسی فعل کا فاءکلمہ مفتوح اور عین کلمہ حروف حلقی میں سے ہوتو ایسے فعل کو وہ چار لغات کے ساتھ پڑھا کرتے ہیں اول لغت تو یہی ہے جو قرآن کی بھی لغت ہے یعنی نعم وبئس بکسرالفاءوسکون العین جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّاب. بِئْسَ الاسْمُ الْفُسُوق الخ (۲) دوسری لغت ہے فَتْحُ الفَاء مع اِسْکَان العَیْن نَعْمَ (۳) لغت ہے فَتح الفَاء وکسرِ العَین نَعِمَ بروزن سَمِعَ (۴) لغت ہے کسر الفاء مَعَ کَسْرِ العَین نِعِمَ۔

وَفَاعِلُه الخ : یہاں سے نعم کے فاعل کے لیے شرط بیان فرمارہے ہیں وہ یہ ہے کہ اس کا فاعل ایسا اسم ہونا چاہئے جومعرف باللام ہو اور لام سے مراد اس جگہ عہد ذہنی کا لام ہے جو نکرۃ یعنی بحکم غیرمعین ہوتا ہے اب رہی یہ بات کہ فاعل کے لیے معرف باللام ہونے کی شرط کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ مدح کرنے میں مبالغہ پیدا ہوجائے چونکہ اولا جب آپ نکرۃ ذکر کریں گے پھر مخصوص بالمدح کے ذریعہ سے معین کریں گے تو ایسا ہوجائے گا جیسا کہ اجمال کے بعد تفصیل بیان کی گئی ہو اور آپ کو یہ بات پہلے معلوم ہوچکی ہے کہ جب اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جاتی ہے تو وہ بات اَوْقَعَ فِی النَّفس ہوجاتی ہے۔مصنفؒ نے اس کی مثال بیان فرمائی جیسے نِعْمَ الرَّجل زَیدٌ اچھا ہے مرد زید۔

اَوْ مضَافٌ الخ: اور اگر مذکورہ شرط مفقود ہو تو یہ شرط موجود ہونی چاہئے کہ اس کا فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے نِعْمَ غُلامُ الرَّجُل زَیدٌ اس کی وجہ بھی وہی ہے جو ماقبل میں گذری ہے یہ یاد رہے کہ فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہونے میں خواہ کوئی واسطہ نہ ہو جیسے مثال مذکور میں یا ایک واسطہ ہو جیسے نِعْمَ غُلامُ صاحب المال یا دوواسطے ہوں جیسے نِعْمَ وَجهُ فَرس غُلامِ الرَّجُلِ یا اس سے بھی زیادہ وسائط ہوں تب بھی کوئی حرج نہیں۔

وَقَد یَکُوْنُ فَاعِلُه الخ : کبھی نعم کا فاعل اختصار کی وجہ سے اسم ضمیر ہوتا ہے اس صورت میں اس کی تمیز کو

منصوبہ کے ساتھ لانی ضروری ہوتی ہے جیسے نِعْمَ رَجُلا زَید اس میں نعم کا فاعل ھو ضمیر مستتر ہے اور رجلا اس کی تمیز ہے اور زید مخصوص بالمدح ہے۔ اب رہی یہ بات کہ جب ضمیر نعم کا فاعل واقع ہو تو تمیز لانا کیوں واجب ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر دریں صورت تمیز نہ لائی جائے تو معلوم نہ ہو سکے گا کہ نعم میں ضمیر ھو ہے یا نہیں جو اس کا فاعل واقع ہو سکے۔

اَوْبِمَا :اس عبارت کا عطف ہے مصنفؒ کے قول بنکرۃ کے اوپر مطلب یہ ہے کہ یا اس ضمیر مستتر کی تمیز مَا کے ساتھ لائی گئی ہو جیسے اس ارشاد میں فَنِعِمَّا هِيَ اس کی اصل عبارت ہے نِعْمَ الشَّيْءُ شَيْئًا هِيَ اور ہی کا مرجع ہے صدقات مطلب یہ ہے کہ اگر تم صدقہ کو ظاہر کر کے دو تو یہ بھی اچھا ہے اس میں ما بمعنی شَيْءٌ نَكِرَةٌ ہے موصولہ یا موصوفہ نہیں ہے تو نعم فعل مدح اور الشیء ممیّز اور شیئا تمیز دونوں مل کر فاعل اور ھی مخصوص بالمدح ہے۔

وَزَيْدٌ يُسَمّٰى الخ :مذکورہ مثالوں میں زید فاعل کے بعد جو چیز واقع ہو رہی ہے اس کے متعلق مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس کو مخصوص بالمدح کہتے ہیں چونکہ مدح وتعریف کے ساتھ اسی کو خاص کیا گیا ہے۔

فائدہ: اگر قرینہ موجود ہو تو مخصوص بالمدح کو جوازاً حذف بھی کر دیتے ہیں جیسے وَالارضَ فَرَشْنَا هَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُوْنَ اَیْ نَحْنُ اور ہم نے زمین کو فرش کے طور پر بنایا تو کیا اچھے ہیں ہم بچھانے والے تو اس مثال میں مخصوص بالمدح نحن ہے۔

وَحَبَّذَا نحو حَبَّذَا زَيْدٌ: اور دوسرا فعل مدح حَبَّذَا ہے جیسے حَبَّذَا زَيْدٌ اس میں حب فعل مدح ہے اور ذا اس کا فاعل ہے اور زید جو حبّذا کے بعد واقع ہو رہا ہے وہ مخصوص بالمدح ہے یہ یاد رہے کہ حبذا کے فاعل کو حذف کرنا جائز نہیں ہے، وَيَجُوْزُ اَن يَقع الخ :یہاں سے حبذا سے متعلق ایک اور مسئلہ بیان فرما رہے ہیں وہ یہ کہ اس کے مخصوص بالمدح سے پہلے یا بعد میں تمیز یا حال کو لانا بھی جائز ہے مگر یہ تمیز یا حال مفرد تثنیہ وجمع اور تذکیر وتانیث میں مخصوص بالمدح کے مطابق لائے جائیں گے تمیز جو مخصوص سے قبل واقع ہو اس کی مثال جیسے حَبَّذَا رَجُلًا زَيْدٌ (اچھا ہے وہ زید مرد ہونے کے اعتبار سے) اور تمیز جب کہ بعد میں واقع ہو اس کی مثال جیسے حَبَّذَا زَيْدٌ رَجُلًا اور حال کی مثال جیسے حَبَّذَا رَاكِبًا زَيْدٌ وَحَبَّذَا زَيْدٌ رَاكِبًا۔

فائدہ: یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس جگہ حال یا تمیز کا جو عامل ہے وہ حبذا کے اندر حب فعل ہے اور ذوالحال یا ممیّز ذا ہے نہ کہ زید چونکہ مخصوص بالمدح مدح کے تمام ہونے کے بعد آیا کرتا ہے۔

وَاَمَّا الذَّم فَلَه فِعْلان اَيْضًا الخ:

جیسے مدح کے لیے دو فعل ہیں ایسے ہی انشاء ذم کے لیے بھی دو فعل ہیں، ایک ان میں سے بِئْسَ ہے دوم ہے جیسے بِئْسَ الرَّجُلُ زَيْدٌ (برا ہے مرد زید) یہ یاد رہے کہ جو شرائط نعم کے لیے تھیں وہی بئس

شاء کے لیے ہیں اس لیے ہم ان کا اعادہ نہ کرتے ہوئے صرف امثلہ پر اکتفاء کررہے ہیں مثلاً جب کہ فاعل معرف باللام ہو اوپر مذکور ہو چکی، اور فاعل جب کہ معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے بِئْسَ غُلامُ الرَّجلِ نَاصِرٌ اور جب کہ فاعل ضمیر ہو اس کی مثال جیسے بِئْسَ رَجُلاً غَالِبٌ اور یہی حال ہے ساء کا جیسے سَاءَ الرَّجُلُ حَامِدٌ وَسَاءَ غُلامُ الرَّجُلِ سَاجِدٌ وَسَاءَ رَجُلاً مَاجِدٌ۔

تمرين:

(۱) افعال مدح وذم کی تعریف کیجئے، ساتھ ہی یہ بتلائیے کہ وہ کتنے ہیں۔

(۲) نعم فعل مدح وبئس وساء فعل ذم کے فاعل بننے کے لیے کیا شرطیں ہیں۔

(۳) جب ان افعال کا فاعل اسم ضمیر ہوتا ہے تو اس کی تمیز کس چیز کے ساتھ لائی جاتی ہے۔

(۴) ان افعال کے فاعل کے بعد جو چیز آتی ہے اس کو کیا کہتے ہیں۔

(۵) یہ بتلائیے کہ کیا مخصوص سے پہلے یا بعد میں تمیز یا حال کو لانا جائز ہے یا نہیں، پھر یہ مخصوص کے مطابق ہوں گے (مفرد، تثنیہ، جمع میں) یا غیر مطابق ہوں گے مع امثلہ بیان فرمائیے۔

ذیل میں افعال مقاربہ وفعل تعجب وافعال مدح وذم کے لیے کچھ جملے لکھے جارہے ہیں ان کی ترکیب کیجئے اور بتلائیے کہ شرط پائی جارہی ہے یا نہیں اور جملوں کے معنی بتلائیے:

عَسٰی اَن تُحِبُّوا شَیْئًا۔ عَسی اللّٰهُ اَن یتُوْبَ عَلَیْهِم۔ عَسٰی اَنْ یَکُونَ قَرِیبًا۔ وَکَادُوا یقتُلُوْنَنِی، کادَ الفقرأنْ یکُوْنَ کُفْرًا، وَمَا کادُو یَفْعَلُون۔ اوشك الاخوان ان یقیموا حکومةً۔ أو شك أن تزول الأيام السوداء للأمة المسلمة، وطفقا يخصفان عليهما مِن وَرقِ الجنَّة، جعلتَ القوّاتُ الأميركية تنسحب (من أفغانستان) كرب التلميذ يجتهد۔

أخذَ المريضُ يتمتعُ بالصحةِ، ما أحسن كلامَه، ما أفضل يومَ الجمعة ما أصبرهم على النّار، أشهرِ بجامعة الأزهر أظلم باليهود، ما أشد استخراجَه أشدِ د باكرامه، ما أشهَر فی الهند أحياء العلوم الصديقية أجملِ اليوم بالمدارس، نعم الرئيس طيب، بئس كيانُ البلد إسرائيل نعم مقرئاً عبدُ الباسط، حبذَا طلابٌ دارالعلوم، نعم السلطان (محمد سلمان) بِئسَ الرئيس (البشار الأسد)۔

القسم الثالث فی الحُرُوفِ وقد مضٰی تعریفُه واَقسامُهٗ سبعَة عَشَر حُروفُ الجر وَ الحُرُوفَ المشبّهة بِالفعل وحُروف العطف وحُروف التنبيه وحرُوف النداءِ وحُروف الايجاب وحُروف الزيادة وحرفا التفسير وحُروف المصدر وحُروف

التحضیض و حُرُوف التوقعِ وحَرفا الاستفهَامِ وحُرُوف الشرطِ وحَرفُ الرّدعِ وتَاءُ التَّانیث الساکنةُ والتنوین ونونی التاکید.

تیسری قسم حروف کے بیان میں ہے اور حال یہ ہے کہ تعریف اس کی (مقدمہ میں) گذر چکی ہے اور حروف کی سترہ قسمیں ہیں (۱) حروف جر (۲) حروف مشبہ بالفعل (۳) حروف عطف (۴) حروف تنبیہ (۵) حروف نداء (۶) حروف ایجاب (۷) حروف زیادۃ (۸) تفسیر کے دو حرف (۹) حروف مصدر (۱۰) حروف تحضیض (۱۱) حروف توقع (۱۲) استفہام کے دو حروف (۱۳) حروف شرط (۱۴) حرف ردع (۱۵) تاء تانیث ساکنہ (۱۶) تنوین (۱۷) تاکید کے دونوں نون۔

تشریح: جب مصنفؒ کلمہ کی قسم ثانی فعل سے فارغ ہو گئے اب یہاں سے قسم ثالث حرف کو شروع فرما رہے ہیں وَقَدْ مَضٰی تَعرِیفُهٗ حرف کی تعریف کتاب کے مقدمہ کے اندر گذر چکی ہے وہیں ملاحظہ فرمالی جائے۔

وَاَقْسَامُه سَبْعَةَ عَشر الخ: حرف کی کل سترہ قسمیں ہیں جن کو انشاءاللہ ہر فصل میں علیحدہ علیحدہ بیان کیا جائے گا۔

فصل حُروفُ الجر حُروفٌ وُضِعَت لا فضاء الفعل وَشِبهِه اَوْ مَعنی الفِعل الٰی مَا تلیه نحو مَررتُ بزَیدٍ وَاَنَا مَارٌ بزیدٍ وهٰذَا فِی الدَّار ابُوکَ ای اشیر الیه فِیهَا وهی تسعة عشرَ حرفًا مِن وهی لابتداءِ الغایة وعلامتهٗ ان یصح فی مُقابَلَتِه الانتهاءُ کَمَا تقُولُ سرتُ مِن البصرَةِ اِلَی الکوفةِ وللتبیین وعلامتهٗ اَن یصحّ وضعُ لفظِ الّذی مکانه کقوله تعالیٰ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الاَوْثَانِ وللتبعِیض وعلامتهٗ اَن یصِح لفظُ بعضٍ مَکَانهٗ نحو اَخذْتُ من الدَّراهِم وزائدة وعلامتُهٗ اَن لا یختلّ المعنٰی باسقاطِهَا نحو مَا جَاءنِی من اَحدٍ ولاتُزاد مِنْ فی الکلام الموجَب خلافًا لِلکوفیین واما قولهم قَد کَانَ من مَّطرٍ وشبهُه فمُتاوَّلٌ.

ترجمہ: حروف جر وہ حروف ہیں جو وضع کئے گئے ہوں فعل وشبہ فعل یا معنیٰ فعل کو پہنچانے کے لیے اس چیز تک جس کے متصل حروف ہیں جیسے مَرَرْتُ بِزَیدٍ وَاَنَا مَارٌّ بزیدٍ وَهٰذا فِی الدَّارِ اَبُوْکَ اَیْ اَشِیْرُ اِلَیْه فِیْهَا یعنی جس کی طرف میں اشارہ کر رہا ہوں وہ گھر میں ہے اور حروف جارہ انیس حرف ہیں ان میں سے اول مِن ہے اور وہ غایت کی ابتداء کے لیے ہے اور مِن کے غایت کی ابتداء ہونے کی علامت یہ ہے کہ صحیح ہو اس کے مقابلہ میں انتہاء کو لانا جیسا کہ تو کہے سِرْتُ مِنَ البَصْرةِ اِلَی الْکُوفَةِ، اور دوسرے مِن آتا ہے تبیین کے لیے یعنی امر مبہم کے مقصود کو ظاہر کرنے کے لیے اور اس کی علامت یہ ہے کہ صحیح ہو لفظ الذی کو مِن کی جگہ رکھنا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان

اجْتَنِبُو الرِّجْسَ مِنَ الاوْثَان بچوتم گندگی سے یعنی بتوں سے اور تیسرے من آتا ہے تبعیض کے لیے اور من کے تبعیض کے لیے ہونے کی علامت یہ ہے کہ صحیح ہو لفظ بعض کو من کی جگہ رکھنا جیسے اَخَذت مِنَ الدَّارَھِم (میں نے کچھ درہم لیے) اور چوتھے من زائدہ بھی ہوتا ہے اور علامت مـن کے زائدہ ہونے کی یہ ہے کہ اس کے ساقط ہونے سے معنی مرادی میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا ہو جیسے مَـاجَـاءَ نِـیْ مِنْ اَحَدٍ اور نہیں زیادہ ہوتا ہے من کلام موجب میں برخلاف کوفیین کے اور بہر حال اہل عرب کا قول قَد کَانَ مِن مَطَرٍ اور اسی کے مشابہ کوئی اور مثال پس یہ متأ ول ہیں۔

تشـــریـــح: حروف کی بحث میں حروف جر کو تمام حروف پر جو مقدم کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو چونکہ یہ بنسبت دیگر حروف کے کلام میں کثیر الاستعمال ہیں اور قاعدہ ہے کہ جو چیز کثیر الاستعمال ہو اسی کو مقدم کرنا چاہئے وجہ دوم یہ ہے کہ حروف جر عمل میں اصل ہیں کسی کی فرع نہیں ہیں، اس بات کی رعایت کرتے ہوئے بھی ان کی بحث کو جملہ حروف پر مقدم کیا گیا۔

وجــہ تسـمـیـــہ: یہ حروف چونکہ اپنے مدخول کو جر دیتے ہیں اس لیے ان کو حروف جارہ کہا جاتا ہے دوسرے یہ کہ جر کے معنی کھینچے اور پہنچانے کے آتے ہیں تو یہ بھی چونکہ فعل یا شبہ فعل کے معنی کو کھینچ کر اسم تک پہنچا دیتے ہیں اس لیے بھی ان کو حروف جارہ کا نام دیا گیا۔ آگے تعریف کے اجزاء ترکیبیہ کو سمجھ لیجئے تاکہ تعریف کا سمجھنا سہل ہو جائے۔

افضاء کے معنی پہنچنے کے آتے ہیں اس لیے بہتر یہ تھا کہ لا افضاء بالفعل کہا جاتا تاکہ باء کے ذریعہ سے افضاء کے معنی رسانیدن پہنچانا کے ہو جاتے چونکہ تعریف میں رسانیدن ہی کے معنی مراد ہیں۔

شبہ فعل سے مراد وہ ہے جو فعل کا سا عمل کرے جیسا کہ اسم فاعل و اسم مفعول و صفت مشبہ وغیرہ اور معنی فعل سے مراد یہ ہے کہ جس چیز سے فعل کے معنی مستنبط ہوں جیسے ظروف اور جار مجرور و حروف نداء و حروف تنبیہ و اسماء اشارہ اور اسمائے افعال و حروف تشبیہ و تمنی و ترجی وغیرہ مـاتلیہ میں ما سے مراد اسم ہے اور تلی میں ضمیر مستتر فاعل ہے جو راجع ہے حرف کی طرف اور ہ ضمیر منصوب متصل راجع ہے ما کی طرف جس سے مراد اسم ہے۔

فائدہ: وہ اسم خواہ صریحی ہو جیسا کہ مصنفؒ کی بیان کردہ امثلہ میں یا وہ تاویلی ہو جیسے وضاقت علیھم الارض بما رحبت اس میں رحبت ما مصدریہ کی وجہ سے اسم تاویلی ہو کر معنی میں برحبھا کے ہو گیا غزوہ تبوک کے موقع پر تین صحابہ پر زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہو گئی تھی، نَـحـو مَـرَرْتُ بِـزَيْـدٍ وَاَنَـا مَـارٌ بِزَيْدٍ وھذا فِی الدَّارِ اَبُـوْكَ اَی اَشِیْـرُ اِلَیْـهِ فِیْھَا۔ ان میں سے مثال اول ہے فعل کے معنی کو اسم تک پہنچانے کی اور دوسری مثال ہے شبہ فعل (اسم فاعل) کے معنی کو اسم تک پہنچانے کی اور تیسری مثال ہے افضاء معنی فعل الی اسم کی یعنی معنی فعل کے معنی کو اسم تک پہنچانے کی۔

وَهِيَ تِسْعَةَ عَشَرَ حَرْفًا: حروف جارہ باعتبار تعداد کے انیس ہیں ان میں سب سے پہلے من ہے من کو بقیہ تمام حروف پر اس لیے مقدم کیا کہ یہ ابتداء کے لیے آتا ہے تو ابتداء کے لیے اس کو مقدم کرنا اولیٰ ہے۔

وَهِيَ لِابْتِدَاءِ الْغَايَةِ : یہاں سے من کے معنی بیان کر رہے ہیں کہ من غایت کی ابتداء کے لیے ہے یہاں غایت سے مراد ہے صحیح قول کے مطابق انتہا اب مطلب یہ ہوگا کہ من اس چیز کی ابتداء بیان کرنے کے لیے آتا ہے جس کے لیے انتہاء بھی ہوتی ہے

وَعَلامَتُه الخ: من غایت کی ابتداء کے لیے ہوتا ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ ابتداء کے مقابلے میں انتہاء کا لانا صحیح ہو خواہ وہ انتہاء کے معنی الی کے ذریعہ حاصل ہوں یا اس کے علاوہ کسی اور حرف کے ذریعہ سے حاصل ہوں۔ پھر یہ کسی چیز کی ابتداء کبھی تو مکان سے ہوتی ہے اور کبھی زمان سے اول کی مثال جیسے سِرْتُ مِنَ الْبَصْرَةِ اِلَى الْكُوفَةِ اس میں سیر کی ابتداء بصرہ سے اور انتہاء کوفہ پر ہو رہی ہے اور ثانی کی مثال جیسے صُمْتُ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ اِلَى يَوْمِ الاَرْبَعَاءِ اس میں روزہ رکھنے کی ابتداء جمعہ کے دن سے ہے اور انتہاء بدھ کے دن پر ہو رہی ہے۔

فائدہ: کبھی من محض ابتداء کے لیے آتا ہے اس میں انتہا مخصوص کا قصد نہیں ہوتا جیسے اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ چونکہ یہ معنی میں ہے اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَلْتَجِئُ اِلَيْهِ کے، میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں

وللتبيين تبیین کہتے ہیں کسی امر مبہم کو ظاہر کرنا۔ بہر حال من تبیین کے لیے آتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر لفظ من کی جگہ لفظ اَلَّذِيْ کو رکھنا چاہیں تو معنی مرادی میں کوئی خلل واقع نہ ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ اَيِ الرِّجْسَ الَّذِيْ هُوَ الْوَثَنُ تو اس میں رجس بمعنی پلیدی امر مبہم ہے اس کی وضاحت من کے ذریعہ سے کی گئی ہے کہ وہ گندگی بتوں کی گندگی ہے اس میں بجائے من بیانیہ کے الذی کو لا سکتے ہیں جیسا کہ اوپر گذرا۔

وَلِلتَّبْعِيْضِ لفظ مِنْ تبعيض کے لیے بھی آتا ہے اور من تبعیضیہ کی علامت یہ ہے کہ اگر لفظ بَعْض کو من کی جگہ استعمال کریں تو معنی مقصود میں کوئی خلل واقع نہ ہو، جیسے اَخَذْتُ مِنَ الدَّرَاهِمِ آپ بجائے من الدراهم کے بعض الدراہم کہہ سکتے ہیں (میں نے کچھ درہم لیے) وزائدۃ اس کا عطف ہے لابتداء کے اوپر اور لابتداء مرفوع ہے ھی کی خبر ہونے کی وجہ سے لہٰذا یہ بھی بر بناء خبریت کے مرفوع ہوگا۔

مطلب عبارت کا یہ ہے کہ من زائدہ بھی ہوتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کو لفظوں سے ساقط کر دیں تو معنی میں کوئی خلل واقع نہ ہو جیسے مَاجَاءَ نِيْ مِنْ اَحَدٍ اس میں اگر آپ ماجاءنی احد کہیں، تو کلام کے معنئِ اصلی اپنے حال پر باقی رہتے ہیں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔

وَلا تـزَادُ مِنُ الخ : یہاں سے من زائدة کی تفصیل بیان فرمارہے ہیں کہ وہ کس کلام میں آسکتا ہے کس میں نہیں، تو فرماتے ہیں کہ مــن کلام موجب (جس میں نفی، نہی استفہام نہ ہو) میں زائد نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ کلام غیر موجب میں زیادہ ہوسکتا ہے یہی مذہب ہے بصریین کا جب کہ کوفیین وامام اخفش کا مذہب یہ ہے کہ کلام موجب میں بھی من زائدہ کالانا جائز ہے جب کہ وہ اسم جنس ہو۔

وَاَمَّا قَـوُلُهُمُ الخ : یہاں سے کوفیین کی دلیل کا جواب دیتے ہیں کوفیین نے اپنے مذہب کی حقانیت پر اہل عرب کا یہ قول پیش کیا ہے کہ اہل عرب بولتے ہیں قَـدُ كَـانَ مِنُ مَطَرٍ اس میں من زائدہ ہے جب کہ یہ کلام موجب میں واقع ہورہا ہے تو منصف جواب دے رہے ہیں کہ خواہ یہ کلام ہو یا اس کے علاوہ ہو جس کلام موجب میں من زائدہ کا احتمال ہو یہ سب اقوال متاوّل ہوں گے اس لیے آپ کا مذکورہ قول میں جو من ہے وہ تبعیض پر محمول ہے ای قَدُ كَانَ بَعضُ مَطَرٍ یعنی تھوڑی سی بارش ہوگئی، یا تبیین پر محمول ہے اَی قَـدُ كَـانَ شَیءٌ مِن مَطَرٍ تو اس میں مطر شیء کے لیے بیان واقع ہورہا ہے۔

فـائده : مِنُ معانی مذکورہ کے علاوہ اور دوسرے معانی میں بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً مـن بمعنی فی بھی استعمال ہوتا ہے جیسے وَاِذَا نُـوُدِیَ لِلـصَّلٰوةِ مِن یَومِ الُجُمُعَةِ اَیُ فی یَوم الجُمُعَة (جب جمعہ کے روز نماز کے لیے اذان کہی جایا کرے) ایسے ہی بمعنی باء بھی مستعمل ہے جیسے هَلُ یَـنـظُـروُنَ مِـن طـرفٍ خَفِـیّ ای بِـطـرَفٍ خَـفِـیّ (وہ دیکھ رہے ہوں گے چھپی نگاہوں سے، نیز بمعنی بدل بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اَرضیتُم بِـالحیٰـوةِ الـدُّنیَـا مِـن الآخِـرَةِ ای بَدلَ الآخِرَةِ کیا حیات اُخروی کے بدلے دنیوی زندگی ہی پر راضی ہوگئے) ایسے ہی استغراق کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسے مَـا جَـاءَ نِیُ مِن رَجُل میرے پاس ایک بھی مرد نہیں آتا۔ ایسے ہی بمعنی علیٰ بھی آتا ہے جیسے وَنَـصَرُنَاهُ مِنَ القَومِ ای عَلَی القَومِ اور ہم نے ان کی ظالم قوم کے خلاف مدد کی۔ ایسے ہی فصل پیدا کرنے کے واسطے بھی استعمال ہوتا ہے جب دو متضاد چیزوں میں سے دوسری چیز پر داخل ہو جیسے وَاللّٰهُ یَعلَم المفُسِد مِنَ المُصلِح اللہ تعالیٰ بدنیت اور نیک نیت والے سب کو خوب جانتا ہے۔

والٰی وهِی لانتهاءِ الغـایةِ كـمَـا مَـرّ وبـمعنی مع قلیلاً كقوله تعالیٰ فَاغُسِلُوُا وُجُوهَكُمُ وَاَیدِیَكُمُ اِلَی المَرافِقِ وحتّٰی وهِی مثلُ الٰی نحو نِمتُ البارحَةَ حتّی الصبَاحِ وبـمعنٰـی مع كثیرًا نحو قدِمَ الحاج حتی المشَاةِ ولاتدخل الا علی الظاهر فلا یقال حتاهُ خلافا للمبرد وقول الشاعر شعر :

فلا واللهِ لا یبقٰی اُناسٌ فتیً حَتّاکَ یا ابُنَ اَبِی زیَاد

شـاذٌ وفِی وهِیَ للظرفیةِ نحو زیدٌ فِی الدَّارِ والمَاءُ فی الكوزِ وبمعنٰی علٰی قَلِیلاً

نحو قوله تعالیٰ وَلاُصَلِّبَنَّكُم فِي جُذُوعِ النَخلِ.

ترجمه: اور دوسری قسم حروف جارہ کی الیٰ ہے اور یہ آتا ہے انتہاء غایت کے لیے جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے اور الی مع کے معنی میں بھی آتا ہے قلت کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَاغْسِلُوْا وُجُوهَكُمْ وَاَيدِيَكُمْ اِلَى الـمَرافِقِ ، دھوؤتم اپنے چہروں اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور تیسرے ان میں سے حتی ہے اور یہ بھی الی کے مثل ہے جیسے نِمتُ البارِحَةَ حتّى الصبَاحِ (میں گذشتہ رات صبح تک سویا) اور یہ مع کے معنی میں کثرت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے جیسے قَدِمَ الحَاجُّ حَتّى الْمُشاةِ حاجی لوگ مع پیدل چلنے والوں کے سبھی آ گئے، اور حتی صرف اسم ظاہر پر ہی داخل ہوتا ہے لہٰذا نہیں کہا جائے گا حتاه برخلاف مبرد کے اور شاعر کا قول جو اس شعر میں ہے، یہ شاذ ہے۔

فلا واللهِ لا يبقٰى اُناسٌ فتىً حَتّاكَ يا ابْنَ اَبى زيَاد

پس اللہ کی قسم لوگ باقی نہ رہیں گے اور نہ جوان باقی رہیں گے جب تک کہ تو اے ابو زیاد کے بیٹے اپنی جوانی پر مغرور و متکبر رہے گا اور فی ظرفیت کے لیے ہے جیسے زید فی الدار والماء فی الكوز (پانی پیالہ میں ہے) اور علی کے معنی میں بھی قلت کے ساتھ استعمال ہوتا جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: وَلاُصَلِّبَنَّكُم فِي جُذُوعِ النَخلِ میں تم سب کو کھجور کے تنوں پر سولی دوں گا۔

تشریح : وَالى وَهِىَ لِانْتِهَاءِ الغَايَةِ۔ حروف جارہ کی دوسری قسم الی ہے یہ اس واسطے موضوع ہے تاکہ غایت (مسافت و دوری) کی انتہاء معلوم ہو جائے پھر وہ انتہاء خواہ مکان میں ہو جیسے سِرْتُ مِنَ البَصرَةِ اِلى الْكُوفَةِ یا وہ انتہاء زمان میں ہو جیسے ثُمَّ اَتِمُّو الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْل، اس میں روزہ رکھنے کی انتہاء الی نے رات کے وقت تک بتلائی ہے۔

فائدہ : الی کا مابعد ماقبل میں کب داخل ہوگا اور کب نہیں اس کے متعلق یہ یاد رکھیں کہ اگر مابعد ماقبل کی جنس سے ہے تب تو داخل ہوگا ورنہ نہیں، اول کی مثال جیسے فَاغْسِلُوْا وُجُوهَكُمْ وَاَيدِيَكُمْ اِلَى المَرافِقِ اس میں ہاتھ دھونے کا حکم ہے مع کہنیوں کے چونکہ کہنیاں ہاتھوں میں ہی داخل ہیں اس لیے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ کہنیاں بھی دھونا فرض ہوں گی اور ثانی کی مثال: ثُمَّ اَتِمُّو الصِّيَامَ اِلَى اللَّيْل اس میں رات روزہ میں داخل نہیں ہے چونکہ رات دن کی جنس سے نہیں ہے اگرچہ اس سلسلے میں دوسرے مذاہب اور بھی ہیں مگر ہم ان کو طوالت کے خوف سے ترک کر رہے ہیں۔

وبِمَعنٰى مَعَ قَليلاً: اِلى مع کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر قلت کے ساتھ جیسے فَاغْسِلُوْا وُجُوهَكُمْ وَاَيدِيَكُمْ اِلَى المَرافِقِ اس میں الی بمعنی مع ہے۔

وَحتّى وَهِىَ مِثْلُ اِلى: حروف جارہ میں سے حتی بھی الی کی مانند انتہاء غایت کے معنی دیتا ہے جیسے نِمْتُ

البَارِحَةَ حتّی الصَّبَاحَ اس میں متکلم نے گذشتہ رات اپنے سونے کی انتہاء صبح کے وقت تک بتلائی ہے۔

وبمعنٰی مَعَ الخ: اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ حتی الی کے معنی میں بہت کم استعمال ہوتا ہے چونکہ الی مع کے معنی میں قلت کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور حتی مع کے معنی میں بہت زیادہ مستعمل ہے جیسے قَدِمَ الحَاجُ حَتَّی المُشَاۃِ پیدل حج کرنے والے حاجیوں سمیت سبھی حاجی مکہ سے واپس آ گئے۔

وَلَا تَدخُلُ اِلَّا علی الظَّاھِرِ الخ : حتی الی کے معنی میں کم تر اس لیے بھی استعمال ہوتا ہے کہ الی اسم ظاہر و اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے برخلاف حتی کے کہ وہ صرف اسم ظاہر پر تو داخل ہوتا ہے مگر اسم ضمیر پر داخل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے حتاہ کہنا جائز نہ ہوگا ہاں الیہ کہہ سکتے ہیں برخلاف مبرد کے ان کے نزدیک حتی کا داخلہ اسم ضمیر پر بھی جائز ہے اور دلیل ان کی شاعر کا یہ شعر ہے جس کو مصنف نے کتاب میں نقل کیا ہے اور وہ یہ ہے ۔

فلا واللہِ لا یبقٰی اُناسٌ فتیً حَتّاکَ یا ابْنَ اَبِی زِیَاد

اس میں حتیٰ کا دخول ک ضمیر پر ہو رہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دخول حَتّٰی اسم ضمیر پر بھی جائز ہے ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو شاذ ہے اور الشَّاذُ کَالمَعْدُوْم لہٰذا آپ اس کو دلیل بنا کر غیر کو اس پر قیاس نہیں کر سکتے۔

ترجمہ وتحقیق شعر: شعر میں لفظ لا زائدہ ہے جیسے لَا اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ میں لا زائدہ ہے اناس بمعنی لوگ فاعل ہے یہ یبقی فعل کا فتی کے معنی جوان کے ہیں، یہ بھی یبقی کا فاعل ہے بواسطہ حرف عطف محذوف کے یا بدل ہے اناس سے۔

ترجمہ : پس اللہ کی قسم لوگ زمین پر باقی اور موجود نہیں رہیں گے اور نہ جوان زمین پر باقی رہیں گے جب تک کہ تو اے ابو زیاد کے بیٹے اپنی جوانی پر مغرور و متکبر رہے گا اور یہ گمان کرتا رہے گا کہ میں ہمیشہ خوش و خرم و خوش حال رہوں گا۔

وَفِي وھِيَ لِلظَّرَفیہ: حروف جارہ کی قسم رابع فی ہے جو ظرفیت کے لیے آتی ہے اور ظرفیت کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مابعد ماقبل کے لیے ظرف واقع ہو رہا ہو، پھر وہ ظرف اپنے ماقبل کے لیے کبھی تو حقیقتاً ہوتا ہے جیسے زَیدٌ فِی الدَّارِ وَالماءُ فِی الکوز اور کبھی ظرفیت کے معنی اعتباری ہوتے ہیں جیسے نَظَرْتُ فِی الْکِتَابِ وَالنَّجَاۃُ فِی الصِّدْقِ اس میں ظاہر ہے کہ صدق نجات کے لیے حقیقتاً ظرف نہیں ہے صرف ظرفیت اعتباری ہے۔

وَبمعنٰی عَلَی قَلیلا کبھی کبھی فی بمعنی علی بھی مستعمل ہے جیسے اس ارشاد خداوندی میں وَلَاُصَلِّبَنَّکُمْ فِی جُذوْعِ النَّخْلِ اَیْ عَلٰی جُذُوْعِ النَّخْلِ۔

شیخ علامہ ابن حاجب نے فی اور علی کے لیے ایک اصول بیان کیا ہے وہ یہ کہ ہر وہ شئ جس میں استقرار اور منزل

(ٹھہرنا واترنا) کے معنی پائے جائیں وہ فی کا محل ہے اور جہاں استعلاء اور بلندی کے معنی ہوں وہ علی کا محل ہوتا ہے۔
اور جہاں مذکورہ دونوں معنی موجود ہوں وہ دونوں کا محل ہوتا ہے جیسے جَلَسْتُ عَلَى الارْضِ وَفِی الارْضِ۔

فائدہ: علاوہ مذکورہ معانی کے فی بمعنی مع بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اُدْخُلُوا فِی اُمَمٍ اَیْ مع اُمَمٍ داخل ہوجاؤ، تم امتوں کے ساتھ ایسے ہی برائے تعلیل بھی آتا ہے جیسے آپ کا فرمان عُذِّبَتْ اِمْرَأَةٌ فِی هِرَّةٍ حَبسَتْهَا (ایک عورت کو بلی کو باندھ کر رکھنے کی وجہ سے عذاب دیا گیا) ایسے ہی مقابلہ کے معنی کے لیے بھی مستعمل ہے جیسے فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِی الآخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں صرف تھوڑی سی ہے۔

والباء وهى للالصاق نحو مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اى اِلتَصَقَ مُرُورِى بموضَعٍ يقربُ منه زيدٌ وللاستِعَانة نحو كتبتُ بالقَلَمِ وقد يكونُ للتعليل كقوله تعالىٰ اِنَّكُم ظَلَمْتُمْ اَنفُسَكُمْ بِاتِّخاذِكُمُ العِجْلَ وللمصَاحبة كخرَجَ زيدٌ بعشيرته وللمقابَلَةِ كبعتُ هٰذه بِذَاکَ وللتعدية كذهبتُ بزَيدٍ وللظرفية كجلستُ بالمسجدِ وزائدة قِياساً فِى خبر النفى نحو مَا زيدٌ بقَائمٍ وفِى الاستفهام نحو هلْ زيدٌ بقَائمٍ وسماعًا فِى المرفوع نحو بحَسْبُکَ زيدٌ اى حسبُکَ زيدٌ وكفٰى بِاللهِ شهيدًا اَىْ كفَى اللهُ وفى المنصوب نحو القٰى بيدهٖ اى القى يَدَه.

ترجمہ: اور باء الصاق کے لیے ہے جیسے مَرَرْتُ بِزَيْدٍ اى اِلتَصَقَ مُرُورِى بموضَعٍ يقربُ منه زيدٌ (مل گیا میرا گذرنا ایسی جگہ سے جہاں سے قریب ہے زید) اور باء استعانۃ کے لیے بھی آتا ہے جیسے كَتَبْتُ بِالْقَلَمِ میں نے قلم کی مدد سے لکھا اور کبھی تعلیل کے واسطے بھی آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: اِنَّكُم ظَلَمْتُمْ اَنفُسَكُمْ بِاتِّخاذِكُمُ العِجْلَ تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے بچھڑے کو معبود بنا لینے کی وجہ سے، اور مصاحبت کے لیے آتا ہے جیسے خَرَجَ زَيْدٌ بِعَشِيْرَتِه (زید اپنے خاندان کے ساتھ نکلا) اور مقابلے کے لیے بھی استعمال ہوتی ہے جیسے بعتُ هذا بذٰلك میں نے اس کو اس کے بدلے بیچا۔ اور تعدیہ کے لیے بھی آتی ہے جیسے ذَهَبْتُ بزَيْدٍ اور ظرفیت کے لیے بھی جیسے جَلَسْتُ بِالْمَسْجِدِ اور زائدہ بھی ہوتا ہے کبھی سماعی طور پر مرفوع میں جیسے بِحَسْبِكَ زَيْدٌ اى حَسْبُكَ زيد (تجھ کو زید کافی ہے) وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا اَىْ كَفَى اللّٰهُ اور منصوب کے اندر بھی جیسے اَلْقٰى بِيَدِهٖ اَىْ اَلْقٰى يَدَهٗ (اس نے اپنا ہاتھ ڈال دیا)

تشریح: اَلْبَاءُ الخ: پانچویں حروف جارہ میں سے باء ہے یہ بھی بہت سے معانی کے لیے استعمال ہوتا

(۱) برائے الصاق۔ الصاق کے معنی ملنا ملانا پھر یہ فعل کا مجرور کے ساتھ الصاق خواہ حقیقتاً ہو جیسے به داء ظاہر ہے کہ مرض مریض کے ساتھ حقیقتاً ملصق ہے یا وہ الصاق مجازاً ہو جیسے مررت بزید اس میں مرور زید کے ساتھ حقیقتاً مُلصق نہیں ہے بلکہ مجازاً ہے اس لیے اس کے معنی ہوں گے اِلتَصقَ مُرُورِیْ بِمَوضِعٍ یَقْرُبُ مِنه زَیْدٌ یعنی میں ایسی جگہ سے گذر کر آیا ہوں جس جگہ سے زید قریب تھا۔

(۲) وِلِلاسْتِعَانَة: باءِ استعانۃ کے معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے باء کے استعانت کے لیے آنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ باء اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ باء کا مدخول فعل کے لیے آلہ ہے جیسے کَتَبْتُ بِالقَلَم میں نے قلم کی مدد سے لکھا۔

(۳) وَلِلمُصَاحَبَة: باءِ مصاحبت کے لیے بھی آتی ہے جیسے خَرَجَ زَیْدٌ بِعَشِیْرَتِه اَیْ مَعَ عَشِیْرَته۔

(۴) وَلِلمُقَابَلَة: چوتھے معنی باء کے مقابلے کے بھی آتے ہیں باء کے مقابلہ کے لیے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے مجرور کے مقابلے میں کوئی دوسری شئ ہے جیسے بعت ھذا اس میں باء برائے مقابلہ ہے اس باء کو بائے بدل اور بائے عوض بھی کہتے ہیں۔

(۵) وَلِلتَّعْدِیَة: باءِ فعل لازم کو متعدی بھی بنانے کے لیے آتا ہے جیسے ذھبت بزید۔

(۶) وَلِلظَّرْفِیَة: چھٹے معنی باء کے ظرفیت کے آتے ہیں جیسے جلست بالمسجد اس میں باء فی کے معنی میں ہے اَیْ فِی الْمَسْجِد۔

وزائدۃ: اس کا عطف للالصاق کے اوپر ہے اسی بناء پر یہ مرفوع ہے چونکہ خبر ہے مطلب یہ ہے کہ باء زائدہ بھی ہوتا ہے مگر کسی جگہ قیاساً کسی جگہ سماعاً قیاسی کے دو مواقع ہیں، ایک یہ کہ جہاں خبر منفی واقع ہو جیسے ما زید بقائم دوسرے خبر جب کہ استفہام میں واقع ہو رہی ہو، جیسے ھل زید بقائم ان دونوں مقام میں باء زائدۃ ہے اس کے حذف سے معنی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ اور باء زائدہ سماعی مرفوع کے اندر بھی ہوتا ہے اور منصوب کے اندر بھی پھر مرفوع خواہ مبتداء ہو جیسے بحسبك زید بحسبك مبتداء اور زید اس کی خبر اور با زائدہ ہے اور خواہ وہ مرفوع خبر ہو جیسے حسبك بزید ای حسبك زید۔ اور خواہ مرفوع فاعل ہو جیسے وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا اَیْ کَفٰی اللّٰهُ شَهِیْدًا۔

باء زائدہ فی المنصوب کی مثال جیسے اَلقٰی بِیَدِهٖ اِیْ اَلْقٰی یَدَہٗ اس میں یدہ مفعول بہ ہے اور باء زائدہ ہے۔

قرآن میں بھی آیا ہے ''وَلا تلقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَة'' ای لاتلقوا أیدکم۔

وَالـلام وھی لـلاختـصـاص نحو اَلجُلُّ لِلفرسِ وَالمَالُ لزَیدٍ وللتَعلِیل کضَربتُه لِلتَّادِیبِ وزائدة کقولهِ تعَالیٰ رَدِف لکُمْ اَیْ رَدِفکُمْ وبِمعنٰی عَن اذا استُعمِل مَعَ القَول

كقوله تعالىٰ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ وَفِيْهِ نظر وبمعنىٰ الوَاو فِي القسم لِلتعجُّب كقول الهزلّي شعر : لِلّٰهِ يَبْقٰى عَلَى الايامِ ذو حِيدٍ بِمُشمَخرّ به الظَّيَّانُ وَالاسُ.

ترجمه: اورلام اختصاص کے لیے آتا ہے جیسے اَلْجُلُّ لِلفَرَسِ جھول گھوڑے کے لیے مخصوص ہے وَالْمَالُ لِزَيْدٍ مال زید کے لیے خاص ہے۔ اور تعلیل کے لیے بھی آتا ہے جیسے ضَرَبْتُه للتاديب اور زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول رَدِفَ لَكُمْ اَىْ رَدِفَكُم وہ تمہارے پیچھے ہوگیا اور لام عن کے معنی میں بھی آتا ہے جب کہ قول اور اس کے مشتقات کے ساتھ استعمال کیا گیا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ منکرین نے اہل ایمان سے کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ سبقت نہ کرتے اس کی طرف سے ہم سے پہلے اور اس میں نظر ہے اور لام واؤ قسمیہ کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے تعجب کے وقت جیسے ہزلی شاعر کا قول ہے شعر:

لِلّٰهِ يَبْقٰى عَلَى الايامِ ذو حِيدٍ   بِمُشمَخرّ به الظَّيَّانُ وَالآس

تشریح: واللام وهى للاختصاص ۔حروف جارہ میں سے لام بھی ہے اختصاص کے معنی کے لیے موضوع ہے اور اختصاص کہتے ہیں کہ ایک شئ کو دوسری شئ کے لیے ثابت کرنا اور اس شئ کے غیر سے ہونے کی نفی کرنا پھر یہ اختصاص کبھی تو ملکیت کے ساتھ ہوتا ہے جیسے المال لزيدٍ اس میں مال زید کی ملکیت ہے اور کبھی یہ اختصاص غیر ملکیت کے ساتھ ہوتا ہے جیسے الجل للفرس اس میں فرس جھول کا مالک تو نہیں ہے مگر یہ گھوڑے ہی کے لیے مختص کر دیا گیا بطور استحقاق کے۔

فائده : یہ اختصاص کبھی نسبتی بھی ہوتا ہے جیسے زيد لابن عمرو، اس میں زید عمر کے بیٹے کے لیے خاص ہے بطور نسبت کے۔

وللتعليل : اور لام تعلیل کے لیے استعمال ہوتا ہے اور تعلیل کہتے ہیں کسی شئ کی علت بیان کرنے کو وہ علت خواہ علت غائیہ ہو یا ادعائیہ علت غائیہ کی مثال جیسے ضربته للتاديب اس میں تادیب علت غائیہ ہے چونکہ ضرب فعل اسی تادیب کی وجہ سے واقع ہو رہا ہے اور علت ادعائیہ کی مثال جیسے خرجت لمخافتك نکلا میں تیرے ڈر کی وجہ سے اس میں مخافت علت غائیہ نہیں ہے بلکہ علت ادعائیہ ہے۔

علت غائیہ کی تعریف علت غائیہ اس کو کہتے ہیں جو مقدم فی الذہن ہو اور مؤخر فی الخارج ہو۔

وزائدة : اور لام زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں رَدِفَ لَكُمْ اَىْ رَدِفَكُم اس میں لا زائدہ ہے چونکہ ردف متعدی بنفسہ ہے۔

وبمعنی عن : اورلام عن کے معنی میں بھی آتا ہے مگراس وقت جب کہ لفظ قول اوراس کے مشتقات کے بعد مستعمل ہو جیسے اللہ کے اس فرمان میں قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الَّذِیْنَ آمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَا سَبَقُوْنَا اِلَیْهِ ای وَ قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا عَنِ الَّذِیْنَ آمَنُوْا کافروں نے اہل ایمان سے کہا کہ اگر یہ دین بہتر ہوتا تو یہ لوگ سبقت نہ کرتے اس کی طرف ہم سے پہلے۔

وفیہ نظر: مطلب یہ ہے کہ لام کو عن کے معنی میں استعمال کرنے کے لیے کلام الٰہی سے جو دلیل پیش کی ہے یہ بات محل غور ہے چونکہ بعض علماء نے اس کو برائے تعلیل مانا ہے وہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ عبارت فیہ نظر ہدایۃ النحو کے اکثر نسخوں میں موجود نہیں ہے۔

وبمعنی الواو الخ: اورلام اس واؤ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جو تعجب کے وقت قسم کے معنی میں ہوتا ہے تعجب سے مراد وہ امر عظیم ہے جو تعجب کا استحقاق رکھتا ہو دلیل میں ہزلی شاعر کا قول پیش فرمار ہے ہیں:

لِلّٰہِ یَبقٰی عَلَی الایامِ ذو حِیدٍ

بِمشمخِرّ بِهِ الظَّیَّانُ وَالاسُ :ترکیب شعر للّٰہ میں لام قسمیہ ہے متعلق ہے اقسم فعل کے اور لا حرف نفی مقدر ہے ای بمعنی لا یبقی اور ذو حید فاعل ہے یبقی کا اور بمشمخر متعلق ہے یبقی کا اور به الظیان والاس یہ جملہ اسمیہ ہے صفت واقع ہو رہا ہے مُشمخِرٌّ کی۔

تشریح: الفاظ حِیَدٌ بالفتح حِیدَۃٌ کی جمع ہے بمعنی پہاڑ کا نکلا ہوا کنارہ اور پہاڑی بکرے کے سینگ کی گرہ۔ مشمخر بمعنی بلند پہاڑ، ظیان نام ہے ایک خوشبودار گھاس کا، اور آس کہتے ہیں ریحان کے درخت کو اب مطلب شعر کا یہ ہوگا اللہ کی قسم زمانہ کے گذرنے پر کوئی شئ دنیا میں باقی نہیں رہے گی حتی کہ پہاڑی بکرے کے سینگ کی گرہ جو کہ بلند پہاڑ پر رہتا ہے کہ جس پہاڑ میں خوشبودار گھاس اور ریحان کے درخت ہیں، وہ بھی باقی نہ رہے گا۔ تو دیکھئے کہ شعر مذکور میں شاعر نے قسم اس امر عظیم پر کھائی ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ غیر امر عظیم میں لام برائے قسم استعمال نہ ہوگا جیسے کوئی کہے لِلّٰہِ لَقَدْ طَارَ الذُّبَابُ اللہ کی قسم یقیناً مکھی اڑ گئی تو چونکہ لقد طار الذباب غیر امر عظیم ہے اس لیے ایسا استعمال جائز نہ ہوگا۔

ورُبَّ وهی للتقلیل كما انَّ كم الخبریةَ للتكثیر وتستحِقُّ صدرَ الكلام ولا تُدخل الاعلیٰ نكرةٍ موصوفةٍ نحو رُبَّ رجُلٍ كریمٍ لقیتُهُ اَو مضمرٍ مُبهمٍ مفردٍ مذكرٍ ابداً ممیز بنكرة منصوبةٍ نحو رُبَّه رجُلا وربّه رجُلین ورُبَّه امرَأة كذٰلك وعند الكوفیین یجب المطابقةُ نحو ربهما رجلین وربَهُم رجَالًا وربَّها امرَأة وقد تلحقها ما الكافةُ فتدخُل علی الجُملَتین نحو رُبَّمَا قَامَ زیدٌ ورُبَّما زیدٌ قائمٌ ولا بدلها من فعلٍ

مَاضٍ لانَّ رُبّ لِلتقلیلِ المحقَّق وھُو لا یتحقّق الابه ویُحذفُ ذٰلِکَ الفعلُ غالبًا کقَولک رُبّ رجُلٍ اکرمَنِی فی جواب مَن قال ھَل لقیتَ مَن اکرمک ای رُبّ رجُل اکرمَنِی لقیتُہٗ فَاکرمنی صفةُ الرجُلِ ولقیتہٗ فعلُھا وھو محذوفٌ.

ترجمہ: اور رب تقلیل کے لیے ہے جیسا کہ بے شک کم خبریہ تکثیر کے لیے ہے اور یہ صدارت کلام کا استحقاق رکھتا ہے اور نہیں داخل ہوتا ہے مگر صرف نکرۃ موصوفہ پر جیسے رُبَّ رَجُل کَرِیم لَقِیتُہٗ (میں نے بہت سے کریم مردوں سے ملاقات کی) یا داخل ہوتا ہے ضمیر مبہم مفرد مذکر پر ہمیشہ کہ جس کی تمیز لائی گئی ہو نکرۃ منصوبہ کے ساتھ جیسے رُبَّہٗ رَجُلًا وَرُبَّہٗ رَجُلَیۡنِ وَرُبَّہٗ رِجَالًا وَرُبَّہٗ اِمۡرَأَۃً ایسے ہی (رُبَّہٗ اِمۡرَأَتَیۡنِ وَرُبَّہٗ نِسَاءً) اور کوفیین کے نزدیک مطابقت واجب ہے جیسے رُبَّھُمَا رَجُلَیۡنِ وَرُبَّھُمۡ رِجَالًا وَرُبَّھَا اِمۡرَأۃ اور کبھی لاحق ہوتا ہے اس کے آخر میں مائے کافہ پس داخل ہوگا دونوں جملوں پر جیسے رُبَّمَا قَامَ زَیۡدٌ وَرُبَّمَا زَیۡدٌ قَائِمٌ اور ضروری ہے رب کے لیے فعل ماضی کا ہونا (جس کے وہ متعلق ہو) اس لیے کہ رب تقلیل محقق کے لیے ہے اور تقلیل محقق نہیں ہوتی ہے مگر فعل ماضی کے ساتھ اور اس فعل کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تیرا قول رُبَّ رَجُلٍ اَکۡرَمَنِی اس شخص کے جواب میں جس نے کہا ھَلۡ لَقِیۡتُ مَنۡ اَکۡرَمَكَ اَیۡ رُبَّ رَجُل اَکۡرَمَنِی لَقِیۡتُہٗ بہت سے مرد جن سے میں نے ملاقات کی انہوں نے میرا اکرام کیا تو اکرمنی صفت ہے رجل کی اور فعل اس کا لقیتہ ہے اور وہ محذوف ہے۔

تشریح: ورب الخ: ساتویں قسم حروف جارہ کی رب ہے اس رب میں سولہ لغات ہیں (۱) را کا ضمہ اور باء مشدد رُبَّ (۲) ضمہ راء و تخفیف باء رُب (۳) فتحہ راء تشدید باء رَبَّ (۴) فتحہ راء تخفیف باء رَبَ (۵) ضمہ راء و تشدید باء ساتھ ہی تائے تانیث ساکنہ کا الحاق ربَّتۡ (۶) ضمہ راء و تخفیف باء تائے تانیث ساکنہ کے الحاق کے ساتھ رُبَتۡ (۷) فتحہ راء و تشدید باء، با تاء تانیث ساکنہ رَبَّتۡ (۸) راء و تخفیف با با تائے تانیث ساکنہ رَبَتۡ (۹) ضمہ راء و تشدید باء اور ساتھ میں تائے تانیث متحرکہ ربَّتَ (۱۰) ضمہ راء و تخفیف باء با تائے تانیث متحرکہ رُبَتَ (۱۱) فتحہ راء و تشدید باء با تاء متحرکہ رَبَّتَ (۱۲) فتحہ راء و تخفیف باء با تاء مذکورہ رَبَتَ (۱۱۳) ضمہ راء و سکون باء رُبۡ (۱۴) فتحہ راء و سکون باء رَبۡ (۱۵) ضمہ راء و ضمہ بائے مشدد رُبُّ (۱۶) ضمہ را با ضمہ بائے مخففہ رُبُ۔

بہر حال رُب اس بات کو بتلاتا ہے کہ رب کے مدخول کو متکلم کم شمار کرتا ہے اگر چہ وہ افراد واقع میں کثیر ہوں جیسا کہ کم خبریہ ہمیشہ اپنے مدخول کے افراد کی کثرت کو بیان کرنے کے لیے موضوع ہے۔

فائدہ: یہ یاد رہے کہ رُبّ اگر چہ اصل کے اعتبار سے تقلیل کے لیے ہے مگر گاہے گاہے تکثیر کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے جیسا کہ لفظ قد مضارع میں تقلیل کے لیے موضوع ہے مگر مقام مدح میں مضارع میں بھی تکثیر کے لیے آجاتا ہے، قَدۡ یَعۡلَمُ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَاذًا (اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو

[ج]مرے کی آڑ لے کر کھسک جاتے ہیں (مجلس نبوی سے)۔

وَتَسْتَحِقُّ صَدْرَ الْكَلَامِ: رب میں چونکہ کم خبریہ کی طرح انشاء کے معنی ہوتے ہیں اس لیے یہ صدارت کلام کو چاہتا ہے۔

وَلَا تَدْخُلُ الخ: یہاں سے رُبّ کے دخول کے متعلق بیان کر رہے ہیں کہ وہ صرف یا تو نکرہ موصوفہ پر داخل ہوگا چونکہ اس کا مجرور معنی کے اعتبار سے تمیز ہوتا ہے اور تمیز صرف نکرہ ہوتی ہے جیسے رُبَّ رَجُلٍ کریم لَقِیْتُهٗ۔

اَوْ مُضْمَرٍ الخ: اور اگر نکرہ موصوفہ پر داخل نہ ہو تو ضمیر مبہم پر داخل ہوگا یہ ضمیر ہمیشہ مفرد مذکر لائی جائے گی، خواہ اس کی تمیز تثنیہ ہو یا جمع اور تمیز لائیں گے اس کی نکرہ منصوبہ کے ساتھ جیسے رُبَّهٗ رَجُلًا وَرُبَّهٗ رَجُلَيْنِ وَرُبَّهٗ رِجَالًا وَرُبَّه اِمْرَأَةً وَرُبَّه اِمْرَأَتَيْنِ وَرُبَّه نِسَاءً هٰذَا مَذْهَبُ الْبِصْرِيِيْن۔

وَعِنْدَ الْكُوفِيِّيْنَ الخ: حضرات کوفیین فرماتے ہیں کہ تمیز اور ضمیر دونوں میں مطابقت واجب ہے لہٰذا کہیں گے رُبَّهٗ رَجُلًا وَرُبَّهما رَجُلَيْنِ وَرُبَّهُمْ رِجَالًا وَرُبَّها اِمْرَأَةً وَرُبَّهما اِمْرَأَتَيْنِ وَرُبَّهُنّ نِسَاءً۔

وَقَدْ تَلْحَقُها الخ: رُب پر کبھی کبھی مائے کافہ بھی داخل ہو جاتا ہے (یہ مارب کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے) جس صورت میں رب جملہ پر داخل ہوتا ہے خواہ وہ جملہ فعلیہ ہو جیسے رُبَّمَا قَامَ زَيْدٌ یا اسمیہ ہو جیسے رُبَّمَا زَيْدٌ قَائِمٌ۔

وَلَا بُدَّلَهَا الخ: رب کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مدخول فعل ماضی ہو خواہ رب کے ساتھ ما کافہ لاحق ہو رہا ہو وجہ اس کی مصنفؒ یہ بیان فرماتے ہیں کہ رب چونکہ تقلیل متحقق کے لیے آتا ہے یعنی اسی چیز کی قلت کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے جس کا واقع ہونا یقینی اور محقق ہو اور تقلیل صرف فعل ماضی ہی سے حاصل ہوتی ہے مگر مصنف کی اس عبارت پر اللہ کے فرمان رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْ الخ سے اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں رب مضارع پر داخل ہو رہا ہے۔

الجواب: یہ آیت قیامت کے بیان سے متعلق ہے کافر لوگ اس روز تمنا کریں گے کہ کاش وہ مسلمان ہوتے تو چونکہ اس بات کا وقوع یقینی ہے تو اس وجہ سے یود فعل مضارع مثل ماضی ود کے ہو گیا یعنی گویا کہ وہ تمنا کر چکے۔

وَيُحْذَفُ الخ: اس فعل ماضی کو کہ جس کے ساتھ رب متعلق ہوتا ہے اکثر و بیشتر قرینہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ جیسے کوئی شخص رُبَّ رَجُلٍ اَكْرَمَنِیْ کہے اس شخص کے جواب میں جس نے کہا هَلْ لَقِيْتَ مَنْ اَكْرَمَكَ کیا تو نے ایسے شخص سے ملاقات کی جس نے تیرا اکرام کیا اس نے جواب میں رُبّ رَجُلٍ اَكْرَمَنِیْ کہا کہ بہت کم [لو]گوں نے میرا اکرام کیا جن سے میں نے ملاقات کی تو یہاں لَقِيْتُه کو سائل کے سوال کی وجہ سے حذف کر دیا [اص]ل

عبارت ہے رُبَّ رَجُلٍ اَکْرَمَنِیْ لَقِیْتُہ اس عبارت میں اکرمنی رجل کی صفت ہے چونکہ اس کے مجرور کے لیے صفت کا ہونا ضروری ہے۔

فائدہ : غالباً مصنفؒ نے اس لیے کہا کہ رب کا فعل کبھی کبھی لفظوں میں بھی آجاتا ہے جیسے رُبَّ رجُلٍ اَکْرَمَنِیْ لَقِیْتُہ ترکیبی اعتبار سے لفظ غالبًا یا تو صفت ہے مفعول مطلق محذوف کی اَیْ یُحْذَفُ حَذْفًا غَالِباً اور یا صفت ہے مفعول فیہ محذوف کی اَیْ زَمانًا غَالِباً۔

وواؤ رُبَّ وهی الواؤ التی تُبتدأُ بِهَا فِی اوّلِ الکلام کقول الشاعر.

وبَلدَةٍ لَیْسَ بِهَا اَنِیْس الاالیَعافِیرو اِلّا العِیْس

ترجمہ: آٹھویں قسم واورب ہے اور واؤرب وہ واؤ ہے کہ جس کے ذریعہ سے کلام کو شروع کیا جائے جیسے شاعر کا قول ہے شعر میں نے بہت سے ایسے شہر دیکھے کہ جن میں سوائے ہرن کے اس بچہ کے جوسب سے پہلے پیدا ہوا ہو یا سفید بالوں والے اونٹوں کے کوئی دوسرا مونس وغمخوار نہیں ہے۔

تشریح: واؤ رُب حروف جارہ کی قسم ہشتم واؤرب ہے اور وہ وہ ہوتا ہے جو رب کے معنی میں ہوتا ہے اس لیے یہ بھی صدارت کلام کو چاہتا ہے اسی کی طرف اشارہ کیا مصنفؒ نے اپنے قول وھی الواؤ الخ سے یعنی واو رب وہ واؤ کہ جس کو اول کلام میں لایا جائے۔

فائدہ: واؤ رُب کبھی بھی ضمیر پر داخل نہیں ہوتا بلکہ مظہر نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے تا کہ رُبَّ اور واو رُبّ کے درمیان فرق ہوجائے چونکہ اکثر اس واؤ کے بعد رب مقدر ہوتا ہے اگر اس کو بھی ضمیر پر داخل کریں گے تو دونوں میں کوئی امتیاز نہ ہو پائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ یہ بھی فعل ماضی کا محتاج ہوتا ہے اور یہ فعل ماضی اکثر محذوف ہوتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مصنفؒ نے واؤ رُب کہا واؤرُبّ فی حُکْمِها نہیں کہا، یعنی کہ واؤرب رب کے حکم میں ہوتا ہے یہ نہیں کہا وجہ اس کی یہ ہے کہ کہیں کسی کو یہ وہم نہ ہوجائے کہ رب کی طرح اس پر بھی مَـــــا کافہ لاحق ہوتا ہے۔

کقَولِ الشاَّعر الخ : اس شعر میں یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ واؤرب کے معنی میں استعمال ہوا ہے واؤ کے بعد رُب مقدر ہے۔

تشریح شعر: وبلدة مجرور متعلق ہے وطیت فعل کے جو اس سے پہلے شعر میں مذکور ہے۔

بلدة : کہتے ہیں زمین کے اس خطہ کو جہاں آبادی ہو یعنی شہر۔

یعافِیر جمع ہے یعفَرُ کی بمعنی ہرن کا وہ بچہ جو مٹیالہ رنگ کا ہو یا ہرن کا وہ بچہ جو سب سے پہلے پیدا ہوا ہو

یا بچوں میں سے وہ مادہ ہرن جو بھاگ گیا ہو، یا یَعفَرُ کہتے ہیں وحشی گائے کے بچہ کو۔

عِیسُ بالکسر جمع ہے عیساء کی بمعنی سفید بالوں والا اونٹ انیس بمعنی مونس اور ہر وہ چیز جس سے انسیت حاصل کی جائے، یعنی غمخوار۔ مطلب شعر کا یہ ہے کہ عامر بن حارث اپنی بہادری بیان کرتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ میں نے بہت سے مقامات طے کئے ہیں کہ جن میں یعافیر اور عیس کے علاوہ کوئی دوسرا غمخوار نہیں تھا۔

و واؤ القسمِ وهِی تختص بالظاهر نحو واللهِ والرحمٰن لاضربنَّ فلا يقالُ وَکَ وتَاءُ القسم وهِیَ تختصُّ بِاللهِ وحُدهُ فلا يُقال تا الرَّحمٰنِ وقولُهُم تَربّ الكعبة شَاذّو باءُ القسمِ وهِی تَدْخل على الظاهِرِ والمضمر نحو وبالله وبالرحمٰنِ وبکَ.

ترجمه: قسم نہم واؤ قسم ہے اور یہ مختص ہے اسم ظاہر کے ساتھ جیسے واللّٰه والرَّحمن لَا ضُرِبَنَّ پس نہیں کہا جائے گا وَکَ اور قسم دہم ہے تاء قسم اور یہ خاص ہے صرف لفظ اللہ کے ساتھ لہٰذا نہیں کہا جائے گا تا الرحمن اور ان کا قول تَرَبَ الكعبَة (رب کعبہ کی قسم) شاذ ہے اور گیارہویں قسم ہے باء قسمیہ اور یہ داخل ہوتا ہے اسم ظاہر و ضمیر دونوں پر جیسے بِاللّٰه وبالرَّحمٰن وبِكَ۔

تشریح: و واؤ القسم حروف جارہ میں سے نواں حرف واؤ قسم ہے یہ صرف اسم ظاہر کے ساتھ خاص ہے اسم ضمیر پر کبھی بھی داخل نہ ہوگا پھر وہ اسم ظاہر خواہ لفظ اللہ ہو جیسے واللّٰه یا لفظ اللہ کے علاوہ کوئی اور اسم ہو جیسے وَالرَّحمٰن لا فُعَلَنَّ كَذَا وَكَذَا جب آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ صرف اسم ظاہر کے ساتھ خاص ہے اس لیے ضمیر پر داخل کرتے ہوئے وَكَ لَاضُرِبَنَّ كَذَا وَكَذَا وغیرہ نہیں کہا جائے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اصل قسم کے لیے باء ہے جو اسم ظاہر و ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے باء قسمیہ کے درجہ سے اس کے درجہ کو کم کرنے کی وجہ سے صرف اسم ظاہر پر ہی داخل کریں گے۔

وتاء القسم: حروف جارہ میں سے دسویں تائے قسمیہ ہے یہ صرف لفظ اللہ پر ہی داخل ہو سکے گا کسی اور اسم ظاہر اور ضمیر پر داخل نہ ہوگا لہٰذا تاللہ لاضربن کہیں گے تالرحمٰن نہیں کہیں گے اور وجہ اس کی لفظ اللہ کے ساتھ خاص ہونے کی یہ ہے کہ تاء قسمیہ واؤ قسمیہ کے بدل میں آتا ہے لہٰذا اس کا رتبہ واؤ کے رتبہ سے بھی کم ہوگا وقولهم الخ، یہاں سے ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ اہل عرب ترب الکعبۃ کہتے ہیں اس میں تا لفظ رب پر داخل ہو رہی ہے۔

الجواب: یہ شاذ ہے اس پر کسی غیر کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

وباء القسم الخ: گیارہویں باء قسمیہ ہے حروف قسمیہ میں سے باء قسم تمام احکام کے اعتبار سے عام ہے اسم ظاہر و اسم ضمیر دونوں پر داخل ہوتا ہے پھر اسم ظاہر خواہ لفظ اللہ ہو جیسے باللّٰه خواہ لفظ اللہ کے علاوہ ہو، جیسے بالرحمٰن

تاکید پر دخول کی مثال جیسے بِكَ لاضْرِبَنَّ فُلانًا۔

فائدہ : باء قسمیہ جب کہ لفظ اللہ پر داخل ہوا کثر استعمال میں حذف کردیا جاتا ہے اور مقسم بہ کو بجائے مجرور پڑھنے کے منصوب پڑھتے ہیں جیسے اَللّٰه لَاَفْعَلَنَّ كَذَا اور کبھی کبھی جوازاً مجرور بھی پڑھ لیتے ہیں اور جس ترکیب میں حرف قسم کا نائب ہاء تنبیہ اور ہمزہ استفہام کو لے آئیں تو ایسی جگہ حرف قسم کو حذف کرکے جر کو مقسم بہ پر وجوباً باقی رکھتے ہیں جیسے ھَا اللّٰه لاقُومَنَّ كَذَا اس میں حرف تنبیہ اللہ کے ہمزہ کے وصل کے ساتھ ہے اور جیسے ءَ اَللّٰهِ لَاَقُومَنَّ كَذَا اس میں ہمزہ استفہام اللہ کے ہمزہ کے وصل کے ساتھ ہے، ان امثلہ میں وجوباً جر آئے گا۔

ولابدَّ لِلقَسمِ من الجواب وهى جملةٌ تسمى المُقسم عليها فان كانت موجبةً يجبُ دُخُولُ الام فى الاسميّةِ والفعلية نحو واللهِ لزيدٌ قائمٌ ووَاللهِ لافعَلَنَّ كذا وإنَّ فى الاسميةِ نحو واللهِ إنَّ زيدًا لقائمٌ وإنْ كانَتْ منفِيةً وَجَب دخُولُ مَا ولَا نحو وَاللهِ ما زيدٌ بِقائمٍ ووَاللهِ لايقومُ زيدٌ واعلم انّهٗ قد يُحذفُ حرفُ النفِى لِزَوال اللبسِ كقولهٖ تعالىٰ تَاللهِ تَفتؤُا تذكُرُ يوسُفَ اى لاتَفتوءُ ويُحذَفُ جواب القَسَمِ اِن تقدَّم مَا يدُلّ عليهِ نحو زيدٌ قائمٌ واللهِ او توسّط القسم نحو زَيدٌ وَاللهِ قائِمٌ.

ترجمہ: اور ضروری ہے قسم کے لیے جواب قسم کا ہونا اور جواب قسم ایسا جملہ ہے جس کو مقسم علیہ کہتے ہیں پس وہ جملہ اگر مثبت ہو تو واجب ہے لام کا داخل ہونا جملہ اسمیہ وفعلیہ کے اندر جیسے وَاللّٰهِ لَزَيْدٌ قَائِمٌ وَوَاللّٰهِ لَافعَلَنَّ كَذَا۔

اور ان مکسورہ کا دخول اسمیہ کے اندر جیسے وَاللّٰهِ اِنَّ زَيْداً لَقَائِمٌ اور اگر وہ جملہ منفی ہو تو واجب ہے ما اور لا کا داخل ہونا جیسے وَاللّٰهِ مَا زَيدٌ بِقَائِمٍ وَوَاللّٰهِ لايَقُوْمُ زَيدٌ اور جاننا چاہئے کہ کبھی حرف نفی کو حذف کردیا جاتا ہے (منفی کا مثبت کے ساتھ) التباس نہ ہونے کی وجہ سے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: تَاللّٰهِ تَفْتَؤُ تَذْكُرُ يُوسُف اَىْ لَا تَفْتَؤُ (اللہ کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کو یاد ہی کرتے رہیں گے) اور حذف کردیا جاتا ہے جواب قسم کو اگر مقدم ہو وہ چیز جو قسم پر دلالت کررہی ہو جیسے زَيدٌ قَائِمٌ وَاللّٰه یا قسم جملہ قسمیہ کے دونوں جزؤں کے درمیان آجائے جیسے زَيدٌ وَاللّٰهِ قَائِمٌ۔

تشریح: عبارت سے پہلے تین چیزیں سمجھ لیجئے ایک تو ہوتا ہے حرف قسم اور دوسری چیز ہوتی ہے قسم اسی کو مُقسم بہ بھی کہتے ہیں یعنی جس کی قسم کھائی جائے تیسری چیز ہوتی ہے جواب قسم یعنی جس مقصد کے لیے قسم کھائی جائے اسی کو مقسم علیہ بھی کہتے ہیں اسی سے آپ کو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جب کسی کی قسم کھائی جاتی ہے تو وہ کسی نہ کسی مقصد کے لیے ضرور کھائی جاتی ہے اسی کو مصنفؒ اپنے ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں ولَابُدَّ لِلقسَم کہ قسم کے

جواب قسم کا ہونا ضروری ہے اور یہ جواب قسم ایسا جملہ ہوتا ہے جس کو مقسم علیہ بھی کہتے ہیں۔

فَاِنْ کَانَتْ مُوْجِبَۃً الخ : یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ جملہ یعنی مقسم علیہ اگر مثبت ہو تو خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ اس پر دخول لام تاکید واجب ہے جملہ اسمیہ کی مثال جیسے وَاللّٰہِ لَزَیْدٌ قَائِمٌ اور فعلیہ کی جیسے وَاللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا اسی قبیل سے اللہ کا فرمان ہے وَتَاللّٰہِ لاکیدنَّ اَصْنَامَکُمْ وَاِنْ فِی الاسْمِیَّۃِ اگر جواب قسم جملہ اسمیہ واقع ہو رہا ہو تو اس پر برائے تاکید اِن مکسورہ بھی داخل ہو جاتا ہے البتہ جملہ فعلیہ پر ان مکسورہ داخل نہ ہوگا جیسا کہ اس کی وجہ اَن کے بیان میں عنقریب آ رہی ہے مثال اِن مکسورہ کے دخول کی جیسے وَاللّٰہِ اِنَّ زَیْداً لَقَائِمٍ وَاِنْ کَانَتْ مَنْفِیَّۃً اور اگر جملہ جواب قسم منفی ہو تو ما یا لا کا داخل ہونا اس پر واجب ہے جیسے وَاللّٰہِ مَا زَیْدٌ بِقَائِمٍ وَوَاللّٰہِ لَا یَقُوْمُ زَیْدٌ۔

فائدہ: جملہ فعلیہ واسمیہ جواب قسم پر ان اشیاء اربعہ میں سے ایک کا دخول اس لیے ضروری ہے تا کہ قسم اور جواب قسم جو دونوں علیحدہ علیحدہ جملے ہیں ان دونوں کے درمیان ربط پیدا ہو جائے چونکہ ہر جملہ بنفسہا ایک دوسرے سے مستغنی ہوتا ہے دوسرے کا تابع نہیں ہوتا تو اس لیے ان میں سے ایک کا دخول ضروری ہے تا کہ ربط پیدا ہو جائے۔

وَاعْلَم اَنَّہٗ قَدْ یُحْذَفُ الخ : یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ اگر منفی کا مثبت کے ساتھ التباس کا خوف نہ ہو ساتھ ہی جب کہ مضارع منفی ہو تو حرف نفی کو حذف کر دینا بھی جائز ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں تَاللّٰہِ تَفْتَؤُ تَذْکُرُ یُوْسُفَ یہاں حرف نفی مقدر ہے اصل میں لا تفتؤ تھا اور قرینہ اس پر یہ ہے کہ مُقْسَم عَلَیْہ جب مضارع مثبت ہو تو ضروری ہے کہ اس پر لام داخل ہو اور جب یہاں لام موجود نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ یہ منفی ہے حرف نفی محذوف ہے۔

وَیُحْذَف جوابُ القَسم الخ: یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جواب قسم کو بھی حذف کر دینا جائز ہے مگر اس وقت جب کہ قسم (مقسم بہ) پر کوئی ایسی چیز مقدم ہو جائے جو جواب قسم پر دلالت کرے جیسے زَیْدٌ قَائِمٌ وَاللّٰہِ وقام زَیْدٌ وَاللہ تو یہاں تقدیر عبارت یہ ہوگی وَاللہ لَزَیْدٌ قَائِمٌ، وَوَاللّٰہِ لَقَامَ زَیْدٌ اَوْ تَوَسَّطَ الخ، ایسے ہی اگر قسم جملہ قسمیہ کے دونوں جزؤں کے درمیان واقع ہو جائے تب بھی جواب قسم کو حذف کرنا جائز ہے جیسے زَیْدٌ وَاللہ قَائِمٌ وقَامَ وَاللّٰہِ زَیْدٌ یہاں بھی تقدیری عبارت ہوگی وَاللہ لَزَیْدٌ قَائِمٌ وَوَاللہ لقام زیدٌ۔

وعَن للمُجاوزۃ نحو رَمَیْتُ السھم عن القَوسِ اِلَی الصَّیْدِ وعلٰی للاستِعلاءِ نحو زیدٌ علی السَّطحِ وقَد یکونُ عن وعلٰی اسمَین اِذا دَخَل علیھِما من کما تقول جلستُ

مِن عن یمینہٖ ونزلتُ مِن علَی الفرسِ وَالکاف للتشبیہ نحو زیدٌ کعمرٍو وزائدۃ کقولہ تعالیٰ لیس کَمِثلِہٖ شَیٔء وقَد تکونُ اسمًا کقول الشاعر ع یَضحکنَ عن کالبرد المُنھَمّ ومُذ و مُنذُ للزمان اِمّا للابتداء فی الماضِی کما تقُولُ فی شَعبَانَ ما رأیتُہ مُذ رجَبَ اَوْ لـلظرفیۃ فی الحاضِر نحو مَا رَأیتُہٗ مُذ شَھرِنَا ومُنذُ یومنا ای فی شَھرِنَا وفی یَومِنَا وخَلا وعَدا وحاشا للاستثناء نحو جَاءَ نِی القومُ خَلا زیدٍ وحَاشا عَمرٍو وعَدَا بکر.

ترجمہ: اورعن مجاوزۃ کے لیے ہے جیسے رَمَیْتُ السھم عن القَوس الَی الصَیدِ میں نے کمان سے شکار کی طرف تیر پھینکا اورعلی استعلاء کے لیے ہے جیسے زَیدٌ عَلَی السَّطحِ ،اور کبھی ہوتے ہیں عن اورعلی دونوں اسم جب کہ داخل ہوان دونوں پر من حرف جار جیسا کہ کہے تو جَلَسْتُ مِنْ عَنْ یَمِیْنِہ (میں اس کی داہنی جانب بیٹھا) وَنَزلتُ مِنْ عَلیَ الفَرَسِ میں گھوڑے کے اوپر سے اترا)اورکاف تشبیہ کے لیے ہے جیسے زید کعمرو اورزائدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول لَیسَ کَمِثْلِہٖ شَیءٌ اللہ کے مثل کوئی شئ نہیں ہے اور کبھی یہ اسم بھی ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول مصرع یَضْحَکْنَ عَنْ کالبَرَدِ المُنھَم اس کا مصرع اولی ہے بِیضٌ ثلثٌ کنعاج جَمٍّ۔

نوٹ:(ترجمہ تشریح کے ذیل میں دیکھئے)۔

اور مذ ومنذ زمانہ کے لیے ہیں یا تو ابتداء کو بیان کرنے کے لیے زمانہ ماضی میں جیسا کہ کہے تو ماہ شعبان میں مَا رَأیتُہ مُذ رَجَبَ میں نے اس کو ماہ رجب سے نہیں دیکھا۔یاظرف کو بیان کرنے کے لیے ہیں زمانہ حاضر میں جیسے مَا رَأیتُہ مُذ شَھرِنَا وَمُنذُ یَومِنَا اَیْ فِی شَھرِنَا وَفِی یَومِنَا میں نے اس کو اس موجودہ مہینہ میں نہیں دیکھا یا آج دن میں نہیں دیکھا۔اورخلا وعدا وحاشا یہ تینوں استثناء کے لیے ہیں جیسے جَاءَ نِی الْقَومُ خَلا زَیْدٍ وَحَاشَا عَمرٍو وعَدَا بَکْرٍ۔

تشریح: وعَنْ لِلمُجاوزۃِ الخ :حروف جارہ میں سے بارہویں عن ہے،جومجاوزۃ کے لیے آتا ہے عــــن کے مجاوزۃ کے لیے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عن کے مجرور سے کوئی چیز تجاوز کرگئی یا دور ہوگئی، پھر وہ شئ کبھی تو زائل ہوکر اول سے دوسری شئ تک پہنچ جاتی ہے جیسے مصنفؒ کی بیان کردہ مثال میں سہم (تیر) قوس (کمان) سے نکل کر شئ ثالث صید (شکار) تک تجاوز کر گیا اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بغیر زوال کے کسی دوسری چیز تک پہنچ جاتی ہے، یعنی جس سے متجاوز ہورہی ہے،اس سے بھی ختم نہیں ہوتی جیسے اَخَذْتُ عَنْہ العِلْمَ میں نے اس سے علم حاصل کیا اس میں علم متجاوزعنہ ومتجاوز الیہ دونوں کے پاس باقی ہے اور کبھی زوال محض ہوتا ہے جیسے اَدَّیتُ عَنْـہُ الدَّیْنَ میں نے اس کی طرف سے قرض اداء کردیا،اس میں صرف مقروض سے قرض کے زوال کا بیان ہے۔

فائدہ: عن معنئ مذکور کے علاوہ بھی بہت سے معانی کے لیے آتا ہے(ا) برائے بدل جیسے وَاتَّقُوا

یوماً لا تَجزِیُ نَفسٌ عَنْ نَفسٍ شیئًا ای بَدَلَ نَفسٍ (ڈروتم اس دن سے جس میں کوئی نفس کسی نفس کے بدلہ کام نہ آ سکے گا) (۲) برائے استعلاء جیسے فَاِنَّمَا یَبخَلُ عَنْ نَفسِہ (بے شک وہ اپنی جان پر ہی بخل کر رہا ہے) (۳) برائے تعلیل جیسے وَمَا نَحنُ بِتَارِکِیْ آلِھَتِنَا عَن قَولِكَ ای لاجلِ قَولِكَ ہم تیرے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو نہ چھوڑیں گے (۴) برائے استعانت جیسے رَمَیتُ عَنِ القَوسِ ای بِھَا پھینکا میں نے کمان کی مدد سے (۵) برائے بعد جیسے لَتَرکَبُنَّ طَبقًا عَن طَبَقٍ ای حَالة بعد حَالَةٍ تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت کی طرف چڑھتے چلے جاؤ گے (۶) بمعنی من جیسے وَھُوَ الَّذِیْ یَقبَلُ التَّوبَةَ عَنْ عِبَادِہ اَیْ مِن عِبَادِہ وہ وہ ہے جو قبول کرتا ہے اپنے بندوں کی توبہ۔

وَعلٰی للاستِعلاء الخ: تیرہویں حروف جارہ میں سے علی ہے یہ استعلاء اور بلندی کے معنی بیان کرنے کے لیے آتا ہے وہ استعلاء خواہ حقیقتاً ہو جیسے زَیدُ عَلَی السَّطحِ خواہ حکماً ہو جیسے عَلَیْہِ دَیْن (اس پر قرض ہے)

وقَدْ یَکُونَ عَنْ وعَلٰی الخ عَنْ اور عَلٰی پر اگر من حرف جار داخل ہو جائے تو یہ دونوں حرفیت کے معنی سے خارج ہو کر اسمیت کے معنی دیتے ہیں جیسے جَلَستُ مِن عَنْ یَمِینِہ اَی جَانبِ یَمِینِہ ونَزَلْتُ مِن عَلی الفَرَسِ اَی فَوقَ الفَرَسِ۔ خلاصہ یہ کہ دریں صورت عن جانب کے معنی میں ہوگا اور علی فوق کے معنی میں ہوگا۔

فائدہ: یہ دونوں اس صورت میں بھی مبنی ہوں گے چونکہ حرف کی صورت پر واقع ہیں اور حرف کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں یہ یاد رہے کہ جب یہ اسمیت کے معنی میں ہوں گے تو من کا ان سے قبل واقع ہونا ضروری ہوگا۔

والکافِ لِلتَّشبِیْہ الخ: چودھویں حروف جارہ میں سے کاف ہے جو تشبیہ کے معنی بیان کرنے کے لیے آتا ہے جیسے زید کالاسد۔

وَزَائِدة: اور کاف زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں لَیسَ کَمِثْلِہ شَیءٌ اس میں کاف زائدہ ہے چونکہ اگر کاف زائدہ نہ مانیں تو عبارت ہوگی لَیسَ مِثْلُ مِثْلِہ شَیءٌ مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کا تو مثل ہے مگر اس کے مثل کے مثل کوئی شیء نہیں ہے ظاہر ہے کہ یہ مستلزم محال ہے چونکہ مثل کا اثبات ہو رہا ہے، حالانکہ مقصود مثل کی نفی کرنا ہے اس لیے ہم کہیں گے کاف مثل کی نفی کی تاکید کے واسطے زیادہ کیا گیا ہے چونکہ جو حرف زیادہ ہوتا ہے وہ گویا دوسری دفعہ بمنزلہ اعادہ جملہ کے ہوتا ہے۔

وَقَد یَکُونُ اِسمًا: امام سیبویہ کے نزدیک اگر کاف پر حرف جر داخل ہو رہا ہو تو کاف بمعنی مثل اسم کے ہوتا ہے مگر محققین نحاۃ فرماتے ہیں کہ کاف اسمیہ نہیں ہوتا مگر صرف ضرورت شعری وغیرہ کی وجہ سے جیسا کہ شاعر کے اس قول میں (شعر):

بِیضٌ ثلٰث کَنِعاجٍ جُمٍّ   یَضحکن عَن کَالبَرَدِ المُنھَمِ

بیض صفت ہے نساء محذوف کی اور بیض جمع ہے بیضاء کی بمعنی سفید عورتیں، نعاج بروزن کتاب جمع ہے نعجة کی بمعنی دنبی دنبیاں جُمّ بتشدید المیم جمع ہے جُمَاء کی بمعنی بے سینگ کی بکری یَضحکن صیغہ جمع مؤنث غائب ہنسا خبر ہے۔ یہ بیض ثلث کی برد بمعنی اولہ منھم باب انفعال انہام سے ماخوذ ہے بمعنی پگھلا ہوا اب شعر کے معنی ہوں گے کہ تین سفید چہرہ والی عورتیں جو کہ گردن کی خوبصورتی اور آنکھوں کے حسن وبدن کی چستی میں بے سینگ والی وحشی گائے (دنبی) کے مثل ہیں وہ ہنستی ہیں ایسے دانتوں سے جو کہ لطافت اور چمک میں پگھلے ہوئے اولہ کی طرح ہیں۔

بہرحال شاعر کے اس شعر میں کاف بمعنی مثل ہے اَی عَنْ مثل البَرَدِ۔

فائدہ: کاف بمعنی تقلیل بھی آتا ہے جیسے وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُم تم اس کو یاد کرو، جیسا کہ اس نے تم کو بتلایا۔ امام فراء فرماتے ہیں کہ کاف بمعنی علی بھی استعمال ہوتا ہے جیسے بعض عرب کا قول ہے کَخَیْرٍ ای عَلَی الْخَیْرِ یہ اس شخص کے جواب میں بولتے ہیں جو یہ کہے کَیْفَ اَصْبَحْتَ (کیسے صبح کی اس نے جواب دیا کہ خیریت پر صبح کی)۔

ومذ ومنذ الخ: حرف جارہ میں سے پندرھویں مذ ہے اور سولھویں منذ ہے یہ دونوں زمانہ کے لیے آتے ہیں پھر اگر ان کا تعلق زمانہ ماضی سے ہو تو اس زمانہ ماضی کی ابتداء کو بیان کرنے کے لیے آتے ہیں جیسے کوئی شخص ماہ شعبان میں کسی کو یہ کہے کہ مَارَأَیْتُہ مُذْ رَجَب یعنی اس کو میرے نہ دیکھنے کی مدت کی ابتداء ماہ رجب سے ہے اور اگر ان کا تعلق زمانہ حال سے ہو تو ظرفیت کے لیے آتے ہیں جیسے مَارَأَیْتُہ مُذْ شَھرِنَا مُنْذُ یَوْمِنَا اَیْ فِی شَھْرِنَا وَفِی یَوْمِنَا یعنی اس کو میرے نہ دیکھنے کی مدت موجودہ مہینہ یا موجودہ دن میں ہے۔

وَخَلا وَعَدَا الخ: سترھویں خلا ہے اور اٹھارھویں عدا ہے اور انیسویں حاشا ہے یہ تینوں استثناء کے معنی دیتے ہیں اور جب ان کے ذریعہ سے مابعد کو جر دیا جائے تو یہ حروف شمار ہوتے ہیں اور جب نصب دیا جائے تو افعال شمار ہوتے ہیں مثال جیسے جَاءَ نِیْ الْقَوْمُ خَلا زَیْدٍ وَحَاشَا زَیْدٍ وَعَدَا زَیْدٍ۔

تمرین:

(۱) حروف جر کی تعریف کیجئے اور بتلائیے کہ صاحب ہدایۃ النحو کے مطابق حروف جر کتنے ہیں۔

(۲) من کتنے معانی کے لیے آتا ہے مع امثلہ بیان فرمایئے ساتھ ہی ان معانی کی جو علامات ہوسکتی ہیں وہ بھی بیان کیجئے۔(ب) من زائدہ کہاں آتا ہے مع علامت ومثال بیان فرمائیے (ج) قد کان من مطر میں کیا تاویل کی گئی ہے۔

(۳) الی کتنے معانی کے لیے آتا ہے مع امثلہ بیان کیجئے۔

(۴) حتی کتنے معانی کے لیے آتا ہے مثال سے وضاحت کیجئے (ب) شاعر کے اس شعر کو پیش کر کے

طلب کیا ہے۔

فلا واللہ لا یبقی اُناس فتی حتاک یا ابن ابی زیاد

(۵) فی کتنے معنی کے لیے آتا ہے مثالوں سے وضاحت کیجئے (ب) علامہ ابن حاجبؒ نے فی اور علی کے لیے کیا اصول بیان فرمایا ہے۔

(۶) باء کن کن معانی کے لیے آتی ہے امثلہ کے ذریعہ وضاحت کیجئے (ب) باء قیاسا وسماعاً کہاں زائد ہوتی ہے، امثلہ کے ذریعہ بیان فرمایئے۔

(۷) لام کتنے معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے (ب) واوَ قسمیہ کے معنی میں کب استعمال ہوتا ہے۔ وضاحت کیجئے اور دلیل کے لیے جس شعر کو پیش کیا گیا ہے اس کا اردو میں سلیس ترجمہ کیجئے۔

(۸) رب کے معنی مع امثلہ بیان کیجئے (ب) رب کی اگر کچھ خصوصیات ہوں تو وہ بھی بیان کیجئے (ج) رب جب ضمیر مبہم پر داخل ہو تو اس وقت بصریین وکوفیین کے نزدیک رب کے کیا احکام ہیں۔ (د) جب رب پر مائے کافہ داخل ہو تو اس کا کیا حکم ہے۔

(۹) واوَرب کس کو کہتے ہیں اور اس کے کیا احکام ہیں، مثال سے واضح کیجئے۔

(۱۰) واوَقسم کا مدخول مع مثال بیان کیجئے۔

(۱۱) تاءقسم کہاں داخل ہوتا ہے کم ازکم دو مثالیں دیجئے۔

(۱۲) باءقسمیہ کے احکام بیان فرمایئے (ب) واوَقسم اور تاءقسم اور باءقسم میں سے کون سب سے خاص ہے اور کون سب سے عام بیان فرمایئے (ج) جواب قسم میں کیا حروف استعمال ہوتے ہیں (د) جواب قسم کب حذف کیا جاتا ہے مع امثلہ وضاحت فرمایئے۔

(۱۳) عن کتنے معانی کے لیے آتا ہے بیان کیجئے۔

(۱۴) علی کے معنی مع مثال بیان کرو (ب) یہ دونوں اسم کب ہوتے ہیں مثال سے وضاحت کیجئے۔

(۱۵) کاف کے معنی مع مثال بیان کیجئے۔

(۱۶) مذو منذ زمانہ ماضی کی ابتداء کو بیان کرنے کے لیے کب اور ظرفیت کو بیان کرنے کے لیے کب استعمال ہوتے ہیں مع امثلہ وضاحت کیجئے۔

(۱۷) خلا و عدا وحاشا کے معنی مع امثلہ بیان فرمایئے۔

الجمل العربیة:

جاء الشیخ من بیت اللہ حرام، احذروا الصحبة السیئة من اعمال الفساق، اشترینا شیاہ

أكل الفواكهة، ما شاهد من أحد، نذهب فى العطلات الى البيت ، أتموا الصيام الى الليل، لا تأكلوا أموالهم إلى أموالكم، قلبى إليک ، سهر الطلاب فى زمن الامتحان حتى الصباح، نجاهد حتى أخر قطرة من الدماء، الماء فى الحوض، الطمانينة فى رضى الله، لأصلبنكم فى جذوع النخل تعلمنا بذيد، مشيت بالعصاء، اشتريت المنزل بفنائه، اشتريت الكتاب بعشرين روبية، كفى بالله شهيداً، هل زيد بعالم، ما زيد بقارئ ألقىٰ بيده، ذهب زيد بقميصه، يتدرس الصف النهائى بدارالحديث، الجائزة للفائزين، انفقت لا بتغاء وجه الله، قلت لكم، ردف لكم، الحمد لله رب العالمين، لله تمهّرت، رب طالب لايرجى الوفاء، ربما يود الذين كفروا لو كانوا مسلمين، وقرية ليس بهما مسجد إلا معبد الوثنيين، فُزت ورب الكعبة، تالله لأكيدن أصنامكم، بالله لا تقل للوالدين أفٍ، بالله قل لهما قولاً كريماً، أبعدت الشرک عن القلب، الحقيبة على الرفِ، (مچان)، وعليها وعلى الفلک تحملون، أقوم فى الصلوة من عن يمين الإمام، ابعث إليک الرسالة من على جبل همالية، علماء أمتى كأنبياء بنى إسرائيل، واذكروه كما هداكم، كخير (فى جواب من قال كيف أصبحت) ليس كمثلک رجل، ما ذاق المريض شيئاً من الأسبوع، لم يأكل المضربون (بھوک ہڑتال کرنے والے) عن الطعام منذ شهرين، واظب الطلاب على المذاكرة خلا ساجد، ما حجز (پابندی لگانا) البلاد على الحجاب عدا فرنساً ، أطاع التلاميذ قوانين المدرسة حاشا عشرة طلاب.

فصل الحُروف المشبهةُ بالفعلِ ستةٌ اِنَّ وَاَنَّ وكَاَنَّ ولكِنَّ وَلَيْتَ وَلعَلَّ هٰذِه الحُروفُ تَدخل على الجملةِ الاسميَّةِ تنصِبُ الاسمَ وترفَعُ الخبر كما عرفتَ نحو اِنّ زيدًا قَائمٌ وقَد يلحقها ما الكافةُ فتكُفُّها عنِ العملِ وحينئذٍ تدخُلُ على الافعالِ تقُولُ اِنَّما قامَ زَيْدٌ.

دوسری فصل ہے حروف مشبہ بالفعل کے بیان میں اوروہ چھ ہیں اِنَّ وَاَنَّ وكَاَنَّ ولٰكِنَّ وَلَيْتَ وَلعَلَّ یہ حروف جملہ اسمیہ پر داخل ہوکر اسم کونصب اور خبر کورفع دیتے ہیں جیسا کہ آپ پہچان چکے جیسے ان زیداً قائم اور ان پر بھی کبھی مَاكَافَة لاحق ہوجاتا ہے پس روک دیتا ہے وہ ان سب کو عمل کرنے سے اوراس وقت یہ سب افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں کہے گا تواِنَّمَا قَامَ زَيْدٌ۔

تشریح: حروف مشبہ بالفعل چھ حروف ہیں اِنَّ وَاَنَّ وكَاَنَّ ولٰكِنَّ وَلَيْتَ وَلعَلَّ ان حروف کو حروف مشبہ بالفعل اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ فعل متعدی کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں اس اعتبار سے کہ یہ دواسموں کا

تقاضہ کرتے ہیں جیسا کہ فعل متعدی فاعل اور مفعول دو اسموں کا تقاضہ کرتا ہے، دوسرے اس لحاظ سے مشابہت حاصل ہے کہ جیسے فعل ثلاثی ورباعی ہوتا ہے ایسے ہی ان میں سے بعض ثلاثی ہوتے ہیں اور بعض رباعی۔

وھذہ الحروف تدخل الخ: یہ حروف جملہ اسمیہ (مبتداء وخبر پر داخل ہوکر اپنے اسم کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو رفع جیسے ان زیدا قائم اس میں زید منصوب ہے اس بناء پر کہ وہ ان کا اسم ہے اور قائم مرفوع ہے اس بناء پر کہ اس کی خبر ہے۔

وھذا یلحقھا الخ: ان حروف پر مائے کافہ بھی لاحق ہوجاتا ہے پھر ان کو عمل کرنے سے روک دیتا ہے اور وجہ عمل سے روکنے کی یہ ہے کہ ان کے اور ان کے معمول کے درمیان فصل اجنبی واقع ہوگیا جب کہ یہ خود پہلے ہی سے عامل ضعیف تھے اس لیے اب عمل نہ کرسکیں گے۔

فائدہ: ان حروف پر ما کافہ کو لاحق کرنے کی وجہ حصر اور تاکید کا پیدا کرنا ہے انما کے اندر۔

وَحِیْنَئِذٍ تَدْخُلُ الخ: جس وقت ان پر ماکافۃ لاحق ہوتا ہے تو یہ حروف افعال پر بھی داخل ہوجاتے ہیں چونکہ ماکافۃ نے ان کو عمل کرنے سے روک دیا اور ساتھ ہی ان کا دخول جو اسم پر واجب تھا اس سے بھی روک دیا جیسے اِنَّمَا قَامَ زَیدٌ وَاِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ (بے شک اللہ نے تم پر مردار کو حرام کردیا)۔

واعلم اَنَّ اِنَّ المکسورَۃَ الھمزۃ لا تُغیِّرُ معنی الجملَۃَ بَلْ تؤکِّدُھَا واَنَّ المفتوحۃَ الھمزۃ مع ما بعدھا من الاسمِ والخبر فی حُکمِ المُفردِ ولذٰلک یَجبُ الکسرُ اِذَا کانَ فی ابتداءِ الکلام نحو اِنَّ زیدًا قائمٌ وبَعد القول کقولہ تعالیٰ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ وبعدَ المَوْصُول نحو مَا رأیتُ الَّذِی اِنَّہٗ فی المساجد واِذَا کانَ فی خبرِھَا اللام نحو اِنَّ زَیْدًا لَقَائمٌ ویجبُ الفتحُ حیثُ یقعُ فَاعلا نحو بَلَغَنِی اَنَّ زیدًا قَائِمٌ وحیث یقعُ مفعولًا نحو کرھتُ اَنَّکَ قَائمٌ وحیثُ یقعُ مضافاً اِلیہِ نحو عجبتُ مِن طول اَنَّ بکراً قَائِمٌ وحیثُ یقع مجرورًا نحو عجبتُ مِن اَنَّ بکرًا قَائمٌ وبعد لو نحو لو اَنَّکَ عندَنا لاکرمتُکَ وبعد لو لا نحو لولا اَنَّہٗ حاضرٌ لغابَ زیدٌ ویَجُوز العطفُ علٰی اسمِ اِنَّ المکسورۃِ بِالرفعِ وَالنصبِ بِاعتبار المحلِ واللفظِ مثلُ اِنَّ زیدًا قائِمٌ وعمروٌ وعمروًا۔

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ وہ ان جس کا ہمزہ مکسورۃ ہو وہ جملہ کے معنی کو متغیر نہیں کرتا بلکہ اور موکد و ثابت کرتا ہے اور ان مفتوحہ اپنے مابعد یعنی اسم اور خبر کے ساتھ بحکم مفرد ہوتا ہے اور اسی فرق مذکور کی وجہ سے ان کے ہمزہ کا کسرہ واجب ہے جب کہ وہ ابتداء کلام میں واقع ہو جیسے اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ۔ اور قول کے بعد جیسے اللہ تعالیٰ کا قول یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ اور اسم موصولہ کے بعد جیسے مَا رَأَیْتُ الَّذِی اِنَّہٗ فِی الْمَسَاجِدِ اور جب کہ اس کی خبر میں

اول ہو جیسے اِنَّ زَیْداً لَقَائِمٌ اور واجب ہے فتحہ جب کہ وہ (اپنے اسم وخبر سے مل کر) فاعل واقع ہو جیسے بَلَغَنِیْ اَنَّ زَیْداً قَائِمٌ اور ایسے ہی جب کہ وہ مفعول واقع ہو جیسے کَرِھْتُ اَنَّكَ قَائِمٌ اور جب کہ مبتداء واقع ہو جیسے عِنْدِی اَنَّكَ قَائِمٌ اور جب کہ مضاف الیہ واقع ہو جیسے عَجِبْتُ مِنْ طُولِ اَنَّ بکرًا قَائِمٌ (تعجب کیا میں نے بکر کے قیام کی لمبائی سے) اور لو کے بعد نَحوُ لَوْ اَنَّكَ عندنا لاکرمتك اگر بے شک تو ہمارے پاس ہوتا تو میں ضرور تیرا اکرام کرتا۔ اور لولا کے بعد جیسے لَوْلا اَنَّہ حاضِرٌ لَغَابَ زَیْدٌ اگر یقیناً وہ حاضر نہ ہوتا تو زید ضرور غیر حاضر ہو جاتا اور جائز ہے عطف کرنا ان مکسورۃ کے اوپر رفع اور نصب کے ساتھ باعتبار محل اور لفظ کے جیسے اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ وعمرٌو وعمروا۔

تشریح: یہاں سے مصنفؒ حروف ستہ میں سے ہر ایک کے احوال کے بیان کو شروع فرمارہے ہیں ساتھ ہی ان مکسورہ ومفتوحہ کے درمیان جو فرق ہے اس کی طرف بھی اشارہ فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَاعلم اَنَّ اِنَّ المکسورَۃَ الھَمْزَۃَ الخ : کہ اِن مکسورۃ جس جملہ پر داخل ہوتا ہے اس کے معنی میں کوئی تغیر نہیں کرتا جملہ جملہ ہی رہتا ہے بلکہ جملہ کے معنی کو مزید مؤکد اور ثابت کرتا ہے چنانچہ جب آپ اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ کہتے ہیں تو جو معنی زَیْدٌ قَائِمٌ کے تھے وہی اس کے بھی ہے، ہاں تاکید اور مبالغہ کے معنی اس کے اندر پیدا کردیئے، یعنی یقینی طور سے قیام کو زید کے لیے ثابت کردیا، وَاَنَّ الْمَفْتُوحَۃَ الخ :اور رہا ان مفتوحہ تو وہ اپنے مابعد یعنی اسم وخبر کو بحکم مفرد کردیتا ہے یعنی جملہ کے معنی زائل ہو چکے ہوتے ہیں اس طور پر کہ یہ اسناد تام پر مشتمل نہیں ہوتا کہ جس پر سکوت وخاموشی صحیح ہو۔

فائدہ : ہم نے یہ جو کہا کہ اَن مفتوحہ اپنے مابعد والے جملہ کو مفرد کے حکم میں کردیتا ہے اس کا طریقہ یاد رکھیں وہ یہ ہے کہ خبر کو مصدر بنا کر اسم کی طرف مضاف کردیا جائے لہٰذا بَلَغَنِی اَنَّ زَیْدًا قَائِمٌ کا مطلب ہوگا بَلَغَنِیْ قِیَامُ زَیْد۔

وَلِذٰلِكَ یجبُ الکسرُ الخ: اوپر جو ابھی ان مکسورہ ومفتوحہ کے درمیان فرق بیان کیا ہے اسی فرق کی وجہ سے شروع کلام میں اِن مکسورۃ آتا ہے چونکہ وہ موضع جملہ میں واقع ہوتا ہے پھر یہ یاد رہے کہ اول کلام سے مراد عام ہے، خواہ وہ متکلم کا اول کلام ہو جیسے اِنَّ زَیْدًا قَائِمٌ یا وہ متکلم کے وسط کلام میں واقع ہو لیکن اس سے دوسرے کلام کی ابتداء کی گئی ہو جیسے اَکْرَمَ زَیْدٌ اِنَّہ فَاضِلٌ اس میں انہ فاضل کلام مستانف ہے چونکہ یہ ماقبل کی علت واقع ہورہا ہے، چونکہ زید نے جس کا اکرام کیا وہ اس لیے کیا کہ وہ عالم وفاضل ہے۔ وَبَعْدَ الْقَوْلِ۔ لفظ قول اور اس کے مشتقات کے بعد بھی ان مکسورۃ آتا ہے چونکہ قول ہمیشہ جملہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول قَالَ اِنَّہ یَقُوْلُ اِنَّھَا بَقَرَۃٌ لیکن اس مقام پر یہ ضرور خیال رہے کہ قول سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے کوئی واقعہ اور کوئی بات

القول کی جائے، ایک قول بمعنی اعتقاد بھی آتا ہے جو علم (یقین) اور ظن کے حکم میں ہوتا ہے اس قول کے بعد ان مفتوحہ آیا کرتا ہے جیسے اَلقَولُ اَنَّ زَیدًا قَائِمٌ اَی الظَّنُّ اَنَّ زیدًا قَائِمٌ مجھے یہ گمان ہے کہ زید کھڑا ہے۔

وبعدَ الموصول الخ: اسم موصول کے بعد بھی ان مکسورۃ آتا ہے چونکہ صلہ اسم موصول کا یقینی طور پر جملہ ہوتا ہے جیسے مَا رَأیتُ الَّذِیْ اِنَّه فِی المَسَاجِدِ یقیناً جو شخص مساجد میں ہے میں نے اس کو نہیں دیکھا۔

وَاِذا کانَ فی خبرِهَا اللامُ۔

اور جب کہ اس کی خبر پر لام داخل ہورہا ہو جو ان کی صورت میں لکھا ہوا ہے تو بھی ان مکسورۃ ہی آئے گا چونکہ لام جملہ کے معنی کی تاکید کے لیے آتا ہے اِنَّ زَیدًا لقائِمٌ۔

فائدہ: ان چار مواضع کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر ان مکسورہ آیا کرتا ہے مصنفؒ نے ان چار کو بطور مثال کے ذکر کیا ہے (۱) جواب قسم میں بھی ان مکسورہ ہی آتا ہے جیسے وَاللّٰهِ اِنَّ زَیدًا قَائِمٌ (۲) نداء کے بعد بھی جیسے یَا بُنَیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ (۳) حتّٰی ابتداء کے بعد جیسے مَرِضَ فَلانٌ حَتّٰی اِنَّهُمْ لَا یَرجُونَه (فلاں شخص بیمار ہوگیا یہاں تک کہ وہ لوگ اس کے بچنے کی امیدیں نہیں کرتے) (۴) واؤ حالیہ کے بعد جیسے کَمَا اَخرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَیْتِكَ بِالحَقِّ وَاِنَّ فَرِیقًا مِّنَ المُؤمِنِیْنَ لَکَارِهُوْنَ ۔جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو آپ کے گھر سے مصلحت کے ساتھ روانہ کیا حالانکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھ رہی ہے (۵) حروف افتتاح کے بعد جیسے اَلَا اِنَّ اَولِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوفٌ عَلَیهِمْ وَلَا یَحزَنُوْنَ (یاد رکھو کہ اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ مغموم ہوں گے (۶) حروف تصدیق کے بعد جیسے نعم انه فاضل اس شخص کے جواب میں جو یہ کہے ازید فاضل ایسے ہی بلی انه عالم اس شخص کے جواب میں جو یہ کہے کہ اَما زَیدٌ بِعَالِمٍ۔

وَیَجِبُ الفَتحُ الخ: یہاں سے اَن مفتوحہ کے مواضع کے بیان کو شروع فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ جہاں اَنْ بصورت ہمزہ مفتوحہ لکھا ہوا ہو جب وہ اپنے اسم وخبر سے ملکر فاعل واقع ہورہا ہو تو اَنَّ مفتوحہ کا آنا واجب ہے جیسے بَلَغَنِیْ اَنَّ زَیدًا قَائِمٌ یا وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر مفعول واقع ہورہا ہو، جیسے کَرِهتُ اَنَّكَ قَائِمٌ یا ایسے ہی جب کہ وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر مبتداء واقع ہورہا ہو جیسے عِندِی اَنَّكَ قَائِمٌ یا ایسے ہی جب کہ وہ مضاف الیہ واقع ہورہا ہو جیسے عَجِبْتُ مِن طُولِ اَنَّ بَکرًا قَائِمٌ اور ایسے ہی جب کہ یہ اپنے اسم وخبر سے مل کر مجرور واقع ہورہا ہے جیسے عَجِبتُ مِن اَنَّ بَکرًا قَائِمٌ ان مذکورہ صورتوں میں ان مفتوحہ کا آنا اس لیے واجب ہے کہ فاعل ومفعول ومبتداء ومضاف الیہ یہ سب کے سب صرف مفرد ہوتے ہیں۔

فائدہ: یہاں ایک اشکال واقع ہوتا ہے کہ ابھی آپ نے بتلایا کہ مضاف الیہ بھی مفرد ہوتا ہے حالانکہ ہم آپ کو ایک ایسی مثال بھی دکھلا سکتے ہیں جس میں مضاف الیہ جملہ واقع ہورہا ہے جیسے کہ حیث کے متعلق مشہور ہے کہ

لہذا جملہ کی طرف مضاف ہوا کرتا ہے جیسے اُکْتُبْ حَیْثُ اِنَّكَ جَالِسٌ اس میں حیث جملہ کی طرف مضاف ہے لہذا حیث کے بعد اِن مکسورہ آنا چاہئے جب کہ اس کے بعد بھی اَن مفتوحہ پڑھا جارہا ہے۔

الجواب: مضاف الیہ میں چونکہ اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو لہذا حیث میں بھی اگرچہ وہ جملہ کی طرف مضاف ہے اصل کا اعتبار کرتے ہوئے اَنّ مفتوحہ لائیں گے۔

وبعد لَوْ اور لَوْ کے بعد بھی ان مفتوحہ کا آنا واجب ہے چونکہ لو حرف شرط ہے جو فعل پر داخل ہوتا ہے خواہ وہ فعل لفظاً ہو یا تقدیراً لہذا لو کا مابعد فاعل ہوگا اور فاعل صرف مفرد ہوتا ہے لو کی مثال جیسے لَوْ اَنَّكَ عِنْدَنَا لاکْرَمْتُكَ وبعْدُ لَوْ لَا اور لَوْ لَا کے بعد بھی ان مفتوحہ کا آنا واجب ہے جیسے لَوْ لَا اَنَّهُ حَاضِرٌ لَغَابَ زَيْدٌ لو لا کے بعد ان مفتوحہ کا آنا اس لیے واجب ہے کہ لولا کی دو قسمیں ہیں (۱) امتناعیہ (۲) تحضیضیہ لو لا امتناعیہ کے بعد مبتداء ہوتی ہے اور متبداء کا مفرد ہونا واجب ہے جیسے مثال مذکور میں اور لَوْ لَا تحضیضیه کا مابعد فاعل یا مفعول ہوتا ہے اس لیے اس کا مدخول فعل ہوگا لفظاً ہو یا تقدیراً جیسے لَوْ لَا اَنّیْ مَعَاذٌ لَكَ زَعمْتُ ای لو زَعمْتُ اَنّی مَعَاذٌ لَكَ۔

فائدہ: مواضع مذکورہ کے علاوہ میں بھی ان مفتوحہ آتا ہے جیسے جب کہ وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر مبتداء کی خبر واقع ہو جیسے اَلْعَجبُ اَنَّ الضَّربَ ضَربُ عَمرو (تعجب یہ ہے کہ بے شک مار تو بس عمرو کی مار ہے) اور ایسے ہی حتی عاطفہ وجارہ کے بعد اور مذ ومنذ کے بعد اور لفظ علم اور اس کے مشتقات کے بعد لیکن یہ یاد رہے کہ علم کے بعد اس وقت ان مفتوحہ آتا ہے جب کہ اس کی خبر پر لام تاکید یہ داخل نہ ہو ورنہ تو ان مسکورہ آئے گا، جیسے وَاللّٰهُ يَعلَمُ اِنَّهم لَكَاذِبُون۔ اور ایسے ہی جب کہ ان مکسورہ کے اسم پر عطف کیا گیا ہو تب بھی ان مفتوحہ آئے گا، جیسے اِنَّ لك اَلا تَجُوعَ فِيهَا وَلاتَعْرى واَنَّك لا تَظْمَؤُ فِيهَا وَلَا تضحى بے شک تیرے لیے یہ ہے کہ جنت میں نہ تو تو بھوکا رہے گا اور نہ برہنہ اور یہ کہ تجھ کو اس میں نہ پیاس لگے گی اور نہ دھوپ اور ایسے ہی جب کہ کسی اسم سے بدل واقع ہو جیسے اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحدَى الطَائِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ۔ جب وعدہ کر رہا تھا تم سے اللہ تعالیٰ دو جماعت میں سے ایک کا کہ وہ بے شک ایک جماعت تمہارے لیے ہے۔

ويجُوزُ العَطفُ الخ: یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرما رہے ہیں کہ اگر ان مکسورہ کے اسم پر کسی اسم کا عطف کر دیا جائے تو اس معطوف پر اعراب کے پڑھنے کے اعتبار سے دو صورتیں ہیں اول یہ کہ اس کو مرفوع پڑھا جائے باعتبار محل کے یعنی کہ عطف ان کے اسم کے لفظ پر نہ ہو بلکہ محل پر ہو اور باعتبار محل کے اِنَّ کا اسم مرفوع ہے چونکہ حقیقت میں وہ مبتداء ہے اور اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں ان کے اسم کے لفظ پر حمل کرتے ہوئے چونکہ باعتبار لفظ کے اِنَّ کا اسم منصوب ہے، لہذا معطوف بھی منصوب ہوگا جیسے اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ وعمروٌ وعَمرًا، عمرو کے رفع

نصب دونوں کے ساتھ۔

مگر یہ یاد رہے کہ اختیار اس وقت ہے جب کہ خبر اس معطوف سے قبل مذکور ہو اس لیے کہ اگر خبر معطوف کے بعد ہوگی تو خبر میں دو عامل کا اجتماع لازم آئے گا دو عاملوں میں سے ایک تو ان ہوگا دوم ابتداء جیسے اِنَّ زیـــــدًا وعَـمـرًوا ذَاهبانِ ذَاهبَان میں باعتبار ان کے عامل لفظی ہے اور باعتبار عمرو کے عامل معنوی ہے جو کہ ابتداء ہے اور دو عامل کا اجتماع ایک معمول پر نا جائز ہے۔

اعلم اَنَّ اِنَّ المکسورةَ یجوزُ دُخولُ اللام عَلٰی خَبرِهَا وقد تُخَفّفُ فیلزمُهَا اللام کقوله تعالیٰ وَاِنْ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ وَحِینئذٍ یجوز الغاؤُها کقوله تعالیٰ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ویجوز دُخُولُهَا عَلَی الافعَال علی المبتدأ والخبر نحو قوله تعالیٰ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ وَاِن نَّظُنُّکَ لَمِنَ الْكٰذِبِیْن وکذٰلک اَنَّ المَفتُوحةُ قَد تخفَّفَ فَحینئذٍ یجبُ اِعمَالُهَا فِی ضَمِیر شانٍ مقدَّرٍ فتدخل علی الجملة اسمیّةً کانت نحو بَلَغنِی اَنْ زَیدٌ قائِمٌ اَو فعلیةً نحو بَلَغنِی اَنْ قَد قَامَ زَید ویجبُ دخُول السین او سَوف او قَد او حرفُ النفِی علی الفعلِ کقوله تعالیٰ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مرْضیٰ وَالضمیر المستتر اسم اَن والجملة خبرُها.

ترجمہ : اور جاننا چاہئے کہ جائز ہے ان مکسورہ کی خبر پر لام ابتداء کا داخل ہونا اور کبھی اس کو مخفف کر دیا جاتا ہے پس لازم ہوگا اس کو لام (تاکہ اِنْ نافیہ ومخففہ کے درمیان امتیاز ہو جائے) جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَاِنْ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهِم اور اس وقت جائز ہے اس کے عمل کو لغو کر دینا، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَاِنْ كُلَّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ اور جائز ہے ان مکسورہ مخففہ کا داخل ہونا ان افعال پر جو کہ پہلے داخل ہو رہے تھے مبتداء اور خبر پر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغَافِلِيْنَ وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكَاذِبِيْنَ اور ایسے ہی ان مفتوحہ کبھی مخفف کر دیا جاتا ہے پس اس وقت واجب ہے اس کو عمل دینا ضمیر شان مقدر میں پس داخل ہوگا یہ جملہ پر خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو جیسے بَلَغَنِیْ اَنْ زَيْدٌ قَائِمٌ یا وہ فعلیہ ہو جیسے بلغنی ان قد قام زید اور جائز ہے سین یا سوف یا قد یا حرف نفی کا داخل ہونا فعل پر جیسے اللہ تعالیٰ کا قول عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَرْضٰی اور ضمیر مستتر (مقدر) ان کا اسم ہوگا اور جملہ اس کی خبر ہے۔

تشریح : واعلَم اَنَّ الخ : یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرما رہے ہیں کہ ان مکسورہ کی خبر پر لام ابتداء کا داخل ہونا بھی جائز ہے، نہ کہ ان مفتوحہ کی خبر پر کیونکہ ان مکسورہ مع اسم وخبر کے جملہ ہوتا ہے اور لام ابتداء صرف اور صرف جملہ ہی کی تاکید کے لیے آیا کرتا ہے برخلاف اَنَّ مفتوحہ کے چونکہ وہ بحکم مفرد ہوتا ہے اس لیے اس پر

ابتداء داخل ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جیسے انَّ زَیۡدَ القَائِمٌ۔

وقَـدۡ تُـخَـفَّفُ الـخ :کبھی کبھی ان مکسورہ کثرت استعمال اورتشدید کے ثقیل ہونے کی وجہ سے مخفف بھی کر دیا جاتا ہے مگر اس صورت میں اس کی خبر پر لازمی طور پر لام داخل ہوگا خواہ وہ عامل ہو یا نہ ہو۔عامل نہ ہونے کی صورت میں اس لیے لازم ہوگا تا کہ اِن مخففہ واِن نافیہ کے مابین فرق ہو جائے جیسے اِن زَیۡـدا لَـقَائِمٌ (باللام) واِنۡ زیدٌ قَائِمٌ بمعنی مَـا زَیـدُ بقَائِمٍ اور ان مخففہ کے عامل ہونے کی صورت میں اس لیے لام ضروری ہے تا کہ باب کا حکم ایک ہو جائے مصنفؒ نے ان مخففہ عامل کی خبر پر لام کے داخل ہونے کی مثال کلام خداوندی سے دی ہے وانۡ کُلاًّ لَّـمَّـا لَیُـوفِّیَنَّهُم اس مثال میں کلا میں جو تنوین ہے وہ مضاف الیہ کے عوض میں ہے،اور لما کو بعض قراء نے لما مخففہ پڑھا ہے لما میں جو لام ہے یہی لام ابتداء ہے اور لام کے بعد ما کو اس لیے زیادہ کیا گیا ہے تا کہ لام ان مخففہ اور لام لیـوفینهم جو کہ قسم محذوف کا جواب ہے ان دونوں کے درمیان فرق ہو جائے اب معنی یہ ہوں گے ان کُـلَّهُم اَی جـمیۡـعَ الـمتخلّفِینَ فی الۡکِتابِ وَاللّٰه لَیُوفِّیَنَّهُم رَبُّكَ اَعۡمَالَهُم یقیناً کتاب کی مخالفت کرنے والوں میں سے ایک جب اس کے روبرو جائے گا تو تیرا رب ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

وَحیـنَـئِـذٍ الخ :جس وقت ان مکسورہ مخففہ ہو جاتا ہے تو اس کے عمل کو باطل کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے اور ایسا اکثر کرتے ہیں چونکہ اب اس کی جو مشابہت لفظیہ تھی اس کا ثلاثی مفتوح الاخر ہونا وہ ختم ہوگئی۔

جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں وَاِنۡ کـلّ لَـمَّا جَمِیۡعٌ لَّدَیۡنَا مُحۡضَرُوۡن اس میں کل کو مرفوع پڑھا گیا ہے ان مخففہ کے عمل کو باطل کرنے کی وجہ سے اور لـما کو حسب مثال سابق مخففہ پڑھا گیا ہے اس میں لام ابتداء کے بعد ما کو برائے تاکید زیادہ کیا گیا ہے اگرچہ بعض قراء نے اس کو مشدد پڑھا ہے انہوں نے ما کو نافیہ مانا ہے لما کو بمعنی الا مانا ہے یہاں بھی کل میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے معنی آیت کے یہ ہوں گے اِنۡ کُـــــلُّهُـــمۡ اَیۡ الـکـافـرونَ لَـمَجموۡعوۡنَ یوۡمَ القیامَةِ محضرُونَ عندَناَ لِلحِسَابِ یعنی تمام کافرین ہمارے پاس قیامت کے روز حساب کے لیے جمع کئے جائیں گے۔

ویَجُوزُ دُخُولُهَا الخ :اس جملہ کا عطف ہو رہا ہے حِیـنَئِذٍ یجُوزُ الۡغَاؤهَا کے اوپر مطلب عبارت کا یہ ہے کہ ان مکسورہ مخففہ کا ان افعال پر بھی دخول جائز ہے جو مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں اور وہ افعال جو مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں کـانَ یَـکُوۡن اور باب عـلـمت وغیرہ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وَاِنۡ کُـنۡـتَ مِن قَبله لِمَن الضَّآلّیۡنَ میں ان مخففه کنت فعل ناقص پر داخل ہو رہا ہے اور وَاِن نّظُنُّكَ لِمَنَ الکَاذِبیۡن میں ان مـخـفـفـه نظن فعل قلب پر داخل ہو رہا ہے (ترجمہ آیتین) اور بے شک آپ اس سے قبل البتہ بالکل ہی نہ واقف تھے،اور یقیناً ہم تجھ کو بالکل جھوٹا گمان کرتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ اَنَّ المفتوحه الخ: إن مکسورہ کی طرح اَنَّ مفتوحہ بھی مخففہ ہوتا ہے اور اس صورت میں ان مخففہ مفتوحہ کو ضمیر شان مقدر میں عمل دینا واجب ہے یعنی ان مفتوحہ مخففہ وجوبی طور سے ضمیر شان مقدر میں عمل کرے گا چونکہ اگر اس کا عمل ضمیر شان مقدر میں فرض نہ کریں اور اسم ظاہر میں نحاۃ نے یہ دیکھا کہ وہ اس میں عمل نہیں کرتا جب کہ ان مکسورہ اسم ظاہر میں بھی عمل کرتا ہے حالانکہ اس کی مشابہت فعل کے ساتھ ضعیف ہے اور ان مفتوحہ کی قوی ہے چونکہ اس کا فاء کلمہ مفتوح ہے تو اگر ضمیر شان مقدر میں اس کو عامل نہ فرض کریں تو ان مکسورہ کی فوقیت ان مفتوحہ پر لازم آئے گی۔

فتدخل على الجملة الخ: جب ان مفتوحہ مخففہ ہوگا جو ضمیر شان مقدر میں عمل کرے گا تو وہ جملہ پر بھی داخل ہوجائے گا خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو جیسے بَلَغَنِی ان زَیدًا قَائِمِ ایسے ہی فرمان خداوندی میں ہے وَآخر دَعواھُم اَنِ الحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِین یا وہ جملہ فعلیہ ہو پھر وہ فعل خواہ ان افعال میں سے ہو جو مبتداء وخبر پر داخل ہوتے ہیں یا ان میں سے نہ ہو اول کی مثال جیسے بَلَغَنِی أن قد عَلِمتُ زَیداً اور ثانی کی مثال جیسے بَلَغَنِیْ اَن قَد قَامَ زَیدٌ۔

وَيَجِبُ دُخُول الخ: جس فعل پر ان مفتوحہ مخففہ داخل ہوتا ہے اس پر سین یا سوف یا قد یا حرف نفی کا داخل ہونا واجب ہے دخول سین کی مثال جیسے عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنكُمْ مَرضٰى اللہ نے جان لیا کہ تم میں سے کتنے بیمار ہوں گے، اور سوف کے دخول کی مثال جیسے اَعلَم فَعِلمُ المَرءِ یَنفَعُه اَنْ سوفَ یاتِی کلُّ مَا قُدِرَا اور تو اس بات کو جان لے کہ انسان کا علم ان کو نفع دیتا ہے بے شک عنقریب آئے گی ہر وہ شئ جو مقدر کی گئی ہے۔ اور قد کی مثال لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبلَغُوْ رِسَالاتِ رَبِّهِم (تا کہ جان لے اس بات کو کہ انہوں نے پہنچائے اپنے رب کے پیغام) اور حرف نفی کی مثال ہے اَيَحْسَبُ اَنْ لَمْ يَرَه اَحَد (کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کو یقیناً کسی نے نہیں دیکھا)۔

وَالضَّمِيْر المُسْتَتر الخ: یہاں سے ان مفتوحہ مخففہ کی ترکیب کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ ضمیر شان مقدر ہوتی ہے وہ اس ان مفتوحہ مخففہ کا اسم ہوتی ہے اور جو جملہ اس کے بعد واقع ہو رہا ہے وہ ان کی خبر ہوتی ہے۔

فائدہ : مذکورہ بالا بیان میں اشیاء اربعہ میں سے کسی ایک کی جو شرط لگائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ ان کے مخفف ہونے کی وجہ سے اس کا ایک نون حذف ہوگیا ہے تو یہ اشیاء اربعہ اس زائل شدہ نون کے مثل عوض ہوجائیں گی۔ وجہ دوم ان کے بعد سین وسوف وقد کو اس لیے لائے تا کہ کلام مثبت میں ان مخففہ وان مصدریہ کے درمیان امتیاز ہوجائے اور حرف نفی کو لانے کی وجہ یہ ہے کہ تا کہ معنوی لحاظ سے دونوں کے درمیان فرق واقع ہوجائے۔

وَكَانَّ للتشبيهِ نحو كَانَّ زَيدَ نِ الاسدُ وهُوَ مركبٌ من كافِ التشبيه واِنَّ

المَکسُورۃِ واِنَّما فتُحت لتقدُّم الکافِ علیها تقدیرُہ ان زیدًا کالاسدَ وقد تُخفَّفُ فتُلغٰی نحو کَانَ زید اسدٌ ولٰکِنَّ للاستدراکِ ویتوسط بَین کلامین متغائرین فی المعنٰی نحو ما جَاءَ نِی القَومُ لٰکِنَّ عمروا جَاءَ وغَاب زیدٌ لکِنَّ بکرًا حَاضِرٌ ویجوز مَعَهَا الواو نحوُ قَامَ زیدٌ ولٰکِنَّ عَمرًوا قاعِدٌ وقد تخفف فتلغٰی نحو مَشٰی زیدٌ لٰکِنَ بکرٌ عندَنا ولیتَ للتمنی نحو لیتَ هندًا عندَنَا واجاز الفراءُ لیتَ زیدًا قائمًا بمعنی اتمنّٰی ولعل للترجّی کقول الشاعِر شعر اُحِبّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنهُم لَعلَّ اللّٰہ یَرزُقِنِی صَلاحًا، وشَذ الجر بها نحو لعَلَّ زیدٍ قائمٌ وفِی لعَلَّ لغاتٌ عَلَّ وعَنَّ وان ولَانَّ ولَعَنَّ وعند المبرد اصلُه عَلّ زیدَ فیه اللامُ وَالبواقی فُروعٌ.

ترجمہ: اور کأنَّ تشبیہ کے لیے ہے جیسے کَأنَّ زَیدَ نِ الاسَدُ (گویا کہ زید شیر ہے) اور یہ مرکب ہے کاف تشبیہ اور اِنَّ مکسورہ سے اور بے شک ہمزہ کو فتحہ جو دیا گیا ہے وہ کاف حرف جار کے اس پر مقدم ہونے کی وجہ سے اس کی تقدیر ہے اِنَّ زَیدًا کَالاسَدِ (بے شک زید شیر کی مانند ہے) اور کبھی اس کو مخفف کر دیا جاتا ہے اس وقت یہ ملغٰی ہوجائے گا جیسے کَانْ زَیدٌ اَسَدٌ اور لٰکِن استدراک کے لیے ہے اور یہ ان دو کلام کے درمیان آتا ہے جو معنی کے اندر متغائر ہوں جیسے مَا جَاءَ نِیْ القَوْمُ لٰکِن عَمرًوا جَاءَ وغَاب زَیدٌ لٰکِن بَکرًا حَاضِرٌ اور جائز ہے لٰکِن کے ساتھ واؤ کا لانا جیسے قَامَ زَیدٌ وَلٰکِن عَمرًوا قاعدٌ اور کبھی یہ مخفف بھی کر دیا جاتا ہے اس وقت یہ ملغٰی ہوجائے گا جیسے مَشٰی زَیدٌ لٰکِن بَکرٌ عِندَنَا (اور لیت تمنی کے لیے ہے جیسے لَیتَ هِندًا عِندَنَا کاش ہندہ ہمارے پاس ہوتی) اور جائز قرار دیا فراء نے لَیتَ زَیدًا قَائِمًا اَتَمَنّٰی کے معنی میں اور لعل ترجی کے لیے ہے جیسے شاعر کا قول ہے:

اُحِبّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنهُم لَعلَّ اللّٰہ یَرزُقِنِی صَلاحًا

میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں حالانکہ میں نیکوں کاروں میں سے نہیں ہوں امید ہے کہ اللہ مجھے نیک بنا دے۔

اور شاذ ہے جر کا آنا لَعَلَّ کے ذریعہ سے جیسے لَعَلَّ زَیدٍ قَائِم اور لعل میں کئی لغات ہیں عَلَّ اور عَنَّ واَنَّ اور لَانَّ ولَعَنَّ اور امام مبرد کے نزدیک اس کی اصل عَلَّ ہے لام اس میں زیادہ کیا گیا ہے (جس سے لعل ہوگیا) اور باقی مذکورہ لغات اسی لغت کی فرع ہیں۔

تشریح و توضیح: وکان للتشبِیه الخ: حروف مشبہ بالفعل میں سے حرف کَانَّ تشبیہ کے لیے ہے اور تشبیہ کہتے ہیں کہ کسی چیز کی کسی چیز کے ساتھ مشابہت بیان کرنا اور تشبیہ کے لیے چار چیزوں کا ہونا ضروری

ہوتا ہے ایک حرف تشبیہ (۲) مشبہ (۳) مُشبّہ بہ (۴) وجہ تشبیہ۔ جیسے کَاَنَّ زَیْدًا الْاَسَدُ اس میں کا حرف تشبیہ ہے اور زید مشبہ ہے اور اسد مشبہ بہ ہے اور وجہ تشبیہ قوت وشجاعت ہے یعنی زید شجاعت میں ایسا ہے جیسا کہ شیر۔

وَهُوَ مُرَكَّبٌ الخ: مصنف کے نزدیک یہ لفظ کَاَنَّ کاف تشبیہ اوران مکسورۃ الہمزہ سے مرکب ہے مگر جمہور نحاۃ فرماتے ہیں کہ یہ تو مستقل ایک حرف ہے کسی سے ترکیب شدہ نہیں ہے۔ چونکہ اصل تو ترکیب کا نہ ہونا ہے۔

وَاِنَّمَا فُتِحَتْ الخ: مصنفؒ کے مذہب کے مطابق مذکورہ عبارت پر ایک سوال پیدا ہوا، وہ یہ کہ جب یہ کاف تشبیہ اوران مکسورۃ الہمزہ سے مرکب ہے پھر تو ہمزہ کو کاف تشبیہ کے بعد مکسور پڑھنا چاہئے تھا حالانکہ بجائے مکسور کے اس کو مفتوح پڑھا جارہا ہے۔ مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ کَاَنَّ میں ہمزہ کو مفتوح اس لیے پڑھا گیا ہے کہ کاف جار اس پر مقدم ہورہا ہے اور یہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ حرف جار کے بعد ان کے مادہ میں ہمزہ مفتوحہ آیا کرتا ہے چونکہ حرف جر صرف مفرد پر ہی داخل ہوتا ہے لہٰذا صورت کی رعایت کرتے ہوئے یہاں بھی ہمزہ کو مفتوح پڑھا گیا ہے اگرچہ معنوی لحاظ سے یہ مکسور ہے۔

تَقْدِيْرُهُ الخ: مصنفؒ کے مذہب کے مطابق کَاَنَّ زَیْدَ نِ الْاَسَدُ کی تقدیری عبارت ہوگی اِنَّ زَیْدًا کَالْاَسَدِ پھر کاف کو اس لیے مقدم کردیا گیا تاکہ اول امر ہی میں اس کا انشاء تعجب کے لیے ہونا معلوم ہوجائے۔

وَقَدْ تُخَفَّفُ الخ: اس لفظ کأن کو مخفف بھی کردیا جاتا ہے اس صورت میں یہ افصح قول کے مطابق ملغی ہوجائے گا یعنی عمل نہیں کرے گا اور ملغی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قدرے اس کی مشابہت فعل کے ساتھ زائل ہوگئی۔

وَلٰكِنْ الخ: یہ لفظ لٰکِن عندالبصریین مفرد ہے یعنی کلمہ مستقلہ ہے اور کوفیین فرماتے ہیں کہ لا اوران مکسورہ سے مرکب ہے اور کاف زائدہ ہے تو گویا کہ اصل اس کی لاکان تھی ہمزہ کو حذف کرکے اس کی حرکت نقل کرکے ماقبل کو دے دی گئی، بہرحال مصنفؒ فرماتے ہیں کہ لٰکن حرف مشبہ بالفعل استدراک کے لیے آیا کرتا ہے اور استدراک کہتے ہیں کلام سابق سے پیدا ہونے والے وہم کے دفع کرنے کو جیسا کہ جب متکلم نے یہ کہا مَا جَاءَ نِیْ زَیْدٌ تو وہم پیدا ہوا کہ زید کا ساتھی عمرو بھی ہے یہ دونوں دو قالب یک جان ہیں، اس لیے جب زید نہیں آیا تو عمر بھی نہیں آیا ہوگا اس لیے لٰکِن عَمرًا قَدْ جَاءَ کو لاکر اس وہم کو دفع کردیا گیا کہ آج تو لیکن عمرو آیا ہے۔

وَلِهٰذَا يَتَوَسَّطُ الخ: اسی مذکورہ علت کی بنیاد پر لٰکن ایسے دو کلام کے درمیان واقع ہوتا ہے جو معنی کے اعتبار سے نفیاً یا اثباتاً متغائر ہوں یہ ضرور یاد رہے کہ تغائر لفظی ضروری نہیں ہے چونکہ تغائر لفظ کبھی تو پایا جاتا ہے اور کبھی نہیں اول کی مثال جیسے مَا جَاءَ نِیْ زَیْدٌ لٰکِن عَمروًا قَدْ جَاءَ اور جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ بے شک تیرا رب فضل والا ہے لوگوں پر اور لیکن اکثر لوگ شکر یہ ادا نہیں کرتے اور ثانی کی مثال جیسے غَابَ زَیْدٌ لٰکِن بَکرًا حَاضِرٌ اس میں لفظی اعتبار سے تو

مغائرت موجود نہیں تاہم معنوی اعتبار سے ضرور مغائرت موجود ہے اور وہ مغائرت غیوبت اور حضور ہے۔

فائدہ: دو کلام کے مابین جو مغائرت کا ہونا ضروری ہے اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مغائرت مغائرت حقیقی ہو بلکہ فی الجملہ بھی مغائرت پائی جائے وہ بھی کافی ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں عدم شکر فضل کے منافی نہیں ہے بلکہ غیر مناسب ہے اس لیے کہ جس پر اللہ کا فضل ہو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ شکریہ ادا کرے۔

ویجُوزُ مَعَهَا الخ :اور اس لفظ لکن کے ساتھ خواہ یہ مشددہ ہو یا مخففہ واو کا لانا بھی جائز ہے تا کہ لکن حرف مشبہ بالفعل اور لکن عاطفہ کے درمیان فرق ہو جائے کیونکہ عطف کا داخل ہونا عطف پر صحیح نہیں ہے، پھر یہ واو عاطفہ بھی ہو سکتا ہے تا کہ جملہ ثانیہ کا عطف جملہ اولیٰ پر ہو جائے اور یہ اعتراضیہ بھی ہو سکتا ہے علامہ رضی نے اسی کو پسند فرمایا ہے، مثال جیسے قَامَ زَیدٌ وَلٰکِنَّ عَمرًا قَاعِدٌ۔

وَقَد تُخَفَّفُ فتُلغٰی :اور کبھی کبھی مخفف ہو جاتا ہے اس صورت میں یہ ملغی ہو جائے گا یعنی عمل نہیں کرے گا، اس کے لکن عاطفہ کے ساتھ لفظاً اور معنی مشابہہ ہونے کی وجہ سے چونکہ جب یہ حرف عطف ہوتا ہے تو مخفف ہی استعمال ہوتا ہے اس کی مثال جیسے مَشٰی زَیدٌ لٰکِنْ بَکرًا عِندَنَا۔

وَلَیتَ الخ: لَیتَ انشاء تمنی کے لیے آتا ہے اور تمنی کہتے ہیں بطور محبت کے کسی چیز کے حصول کی طلب کرنے کو جیسے لَیتَ هِندًا عِندَنَا وَلَیتَ الشَّبَابَ یَعُودُ۔ کاش کے جوانی لوٹ آتی۔

واَجَازَا لفراء امام فراء فرماتے ہیں کہ دونوں جزء منصوب ہوں گے تمنی سے ایک فعل اتمنی مقدر ہوگا اسی فعل مقدر کے یہ دونوں جزء مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہوں گے جیسے لَیتَ زَیدًا قَائِمًا ای اَتَمَنّٰی زَیدًا قَائِمًا۔

ولَعَلَّ للتَرجِی الخ: لعل انشاء ترجی کے لیے آتا ہے اور ترجی کہتے ہیں کسی امر مرجو کی توقع کرنا جیسے لَعَلَّکُم تُرحَمُونَ اس میں بندوں پہ رحم کئے جانے کی امید دلائی جارہی ہے اسی معنی کی وضاحت کے لیے مصنف نے شاعر کا یہ قول پیش کیا ہے۔

اُحِبّ الصَّالِحِینَ وَلَستُ مِنهُم لَعلَّ اللہَ یرزُقنِی صَلَاحًا

مصنفؒ نے اس کو شاعر کا قول قرار دیا ہے، تاہم حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں صالح اور دیندار لوگوں سے محبت کرتا ہوں جب کہ میں خود صالح نہیں ہوں اللہ سے یہ امید کرتا ہوں کہ وہ مجھ کو نیکی کی توفیق عطا فرمادے گا یا یہ کہ وہ مجھ کو صالح بنادے گا، کبھی کبھی لعل ترسناک امر کی توقع کے لیے آتا ہے جیسے لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِیبٌ امید ہے کہ قیامت قریب ہے۔

وَشَذَّ الجرُّ بِهَا :بعض نحویوں نے لعل کو حرف جر بتلایا ہے اسی بنیاد پر اس کے مابعد کو وہ مجرور پڑھتے ہیں

یہ شاذ ہے جیسے لعل زیدٍ قائم لعل اپنے مابعد مجرور سے مل کر محل رفع میں مبتداء ہونے کی وجہ سے اور اس کا مابعد خبر ہے۔

وفِی لَعَلَّ لُغَاتٌ الخ: لعل میں علاوہ ازیں کئی لغات اور ہیں (۱) عل (۲) عن بغیر لام اولی کے اور لام ثانی کو نون سے بدل دیا گیا ہے (۳) ان عین کلمہ کو الف سے تبدیل کر دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے اِنَّهَا اِذَا جَاءَ تْ لایُؤمِنُونَ ای لَعَلَّهَا اِذَا جَاءَ ت لایُوْمِنُوْنَ (۴) لانَّ لام اولی کے اثبات کے ساتھ اور عین کو الف سے بدلنے کے ساتھ اور لام ثانی کو نون سے بدلنے کے ساتھ (۵) لعن اس میں صرف لام ثانی کو نون سے تبدیل کیا گیا ہے۔

وعِنْدَ المُبَرَّدِ الخ: امام مبرد فرماتے ہیں کہ لعل کی اصل عل باللام ہے، عل میں عین سے قبل لام کو زیادہ کر دیا گیا جس سے یہ لعل ہو گیا وَالبَوَاقِیُ الخ، مصنف فرماتے ہیں کہ لغت عل ہے اور باقی سب لغات اسی کی فرع ہیں۔

تمرین:

(۱) حروف مشبہ بالفعل کی وجہ تسمیہ بیان فرمائیے۔

(۲) جب ان پر مائے کافہ داخل ہو جائے تو کیا حکم ہے۔

(۳) إن و أن دونوں میں کیا فرق ہے اور محل وقوع دونوں میں سے ہر ایک کا کیا ہے یعنی کہاں إن مسکورہ آئے گا اور کہاں أن مفتوحہ۔

(۴) اگر إن مکسورہ کے اسم پر کسی اسم کا عطف کر دیا جائے تو اس معطوف پر کیا اعراب آئے گا۔

(۵) إن و أن میں سے کس کی خبر پر لام تاکید کا لانا جائز ہے۔

(۶) اگر إن مکسورہ کو مخفف کر دیا جائے تو اس کی خبر پر لازمی طور پر لام کیوں داخل ہوتا ہے۔

(۷) جب إن مکسورہ مخففہ کے عمل کو باطل کر دیا جائے تو اسکا دخول کس کس پر جائز ہے۔

(۸) اگر أن کو مخففہ کر دیا جائے تو وہ کس چیز میں عمل کرے گا، نیز جب أن مخففہ ہو جائے تو اس کے لیے کیا شرط ہے اور وہ شرط کیوں ہے۔

(۹) کأن کے عمل کو کب باطل کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) لٰکنّ کے معنی بتلاؤ اور یہ بھی بتلاؤ کہ اس کے عمل کو کب باطل کیا جا سکتا ہے۔

(۱۱) لیت کس معنی کے لیے آتا ہے۔ اور اس سلسلے میں فراء کیا کہتے ہیں۔

(۱۲) لعل کے اسم کو نصب کے علاوہ اور کون سا اعراب دیا جا سکتا ہے۔

الجمل العربية:

انّ الله علی کل شيءٍ قدير، يتعجب الكفار أنهم محشورون، وإن يقولوا تسمع لقولهم كأنهم خشبٌ مسندة، اجتهد الصف الرابع ولكن الصف الثالث تساهل فی القرأة، وإن أدری لعلّه فتنة لكم ومتاع إلی حين، ياليتنی كنت تراباً.

فصل حروف العطف عشرة الواو والفاءُ وثمَ وحتّٰی واو واِمّا وام ولا وبَل ولٰكنْ فالاربَعَةُ الأُوَلُ للجمعِ مطلقًا نحو جَاءَ نِی زَيْدٌ وعَمْرٌو سواء كانَ زَيدٌ مقدّمًا فی المجیء او عمرٌو والفاء للترتيب بلا مهلَةٍ نحو قامَ زيدٌ فعمرٌو اِذَا كانَ زيدٌ متقدّمًا وعَمرٌو مُتاخّر ابلا مهلَةٍ وثمّ للترتيب بمُهلَةٍ نحو دَخَل زيدٌ ثمّ عمرٌو اِذَا كان زيدٌ متقدِّمًا وبينهُمَا مُهلةً وحتّٰی كثُمّ فی الترتيب والمهلةِ الا ان مُهْلَتَها اقَلُّ من مهلة ثم ويشترک ان يكونَ معطوفُها داخلا فی المعطوفِ عليهِ وهِیَ تُفيدُ قوَّةً فی المعطُوفِ نحو مات الناسُ حتّی الانبِيَآءُ او ضعفًا نحو قدم الحاجُّ حتّٰی المشاة.

ترجمه: حروف عطف دس ہیں (۱)واؤ (۲)فاء (۳)ثُمّ (۴) حتی (۵)او (۶) اِمّا (۷) اَمْ (۸) لَا (۹) بَلْ (۱۰) لٰكِنْ۔

ان دس میں سے پہلے چار جمع کے لیے ہیں پھر واؤ مطلقاً جمع کے لیے ہے جیسے جَاءَنِی زَیْدٌ وَعَمْرٌو خواہ مجیئت (آمد) میں زید مقدم ہو یا عمرو اور فاء ترتیب کے لیے ہے بلا تراخی (دیر) کے (معطوف ومعطوف علیہ کے درمیان) جیسے قَامَ زَیْدٌ فَعَمْرٌو یہ جملہ اس وقت بولا جائے گا، جب کہ قیام میں زید مقدم ہو اور عمرو مؤخر ہو بلا کسی تاخیر کے اور ثم ترتیب کے لیے ہے تراخی اور مہلت کے ساتھ جیسے دَخَلَ زَیْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو یہ جملہ اس وقت بولا جائے گا جب کہ زید معطوف علیہ عمرو معطوف پر دخول میں مقدم ہو اور ان دونوں کے درمیان مہلت ہو، اور حتی ثم کی طرح ہے ترتیب اور مہلت میں صرف اتنا فرق ہے کہ حتی کی مہلت کم ہے ثم کی مہلت سے اور یہ بھی شرط ہے کہ اس کا معطوف معطوف علیہ میں داخل ہو اور یہ (حتی) فائدہ دیتا ہے معطوف علیہ میں قوت کا جیسے مَاتَ النَّاسُ حَتّٰی الانْبِیَاءُ (مرگئے لوگ حتی کہ انبیاء بھی) یا فائدہ بخشتا ہے ضعف کا جیسے قَدِمَ الحاجُّ حَتّٰی الْمشَاةُ (سب حاجی آگئے یہاں تک کہ پیدل حج کرنے والے بھی آگئے)۔

تشریح: اس فصل میں حروف عاطفہ کو بیان کیا جائے گا عطف کے لغوی معنی آتے ہیں مائل ہونا اسی سے اس کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ میں آجائے گی، وہ یہ کہ یہ حروف بھی چونکہ معطوف کو معطوف علیہ کی جانب پھیر دیتے ہیں ان کی کل تعداد دس ہے (۱)واؤ (۲)فاء (۳)ثُمّ (۴) حتی (۵)او (۶) اِمّا (۷) اَمْ (۸) لَا (۹) بَلْ

(۱۱) لٰكِنْ ۔بعض حضرات نے ای حرف تفسیر کو بھی حروف عاطفہ میں سے شمار کیا ہے جب کہ دوسرے بعض حضرات نے ای کے مابعد کو ماقبل کا عطف بیان مانا ہے جیسا کہ بعض نحاۃ نے حرف بل کو حروف عاطفہ میں سے تسلیم نہ کرتے ہوئے اس کے مابعد کو ماقبل سے بدل الغلط قرار دیا ہے چونکہ بل غلطی کے تدارک (ازالہ) کے لیے آیا کرتا ہے۔

فَالاَرْبَعَةُ الْأُوَلُ الخ: فاء برائے تفسیر ہے اور اول جمع ہے اولی کی بمعنی پہلے مطلب عبارت کا یہ ہے کہ شروع کے چار یعنی واؤ فاء، ثم، حتی یہ چاروں جمع کے لیے آتے، یعنی کہ معطوف ومعطوف علیہ دونوں حکم واحد میں شریک ہیں وَالْوٰا و للجمع مُطْلَقًا ان چاروں میں سے واؤ مطلق جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ترتیب وعدم ترتیب ایسے ہی تراخی وعدم تراخی کا لحاظ نہیں ہوتا ہے صرف واؤ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ جو حکم معطوف علیہ کا ہے وہی معطوف کا بھی ہے، جَاءَ نِیْ زَيْدٌ وَعَمْرٌو اس میں خواہ مجیئت میں زید عمرو پر مقدم ہو یا عمرو معطوف زید معطوف علیہ پر مقدم ہو دونوں ہی صورتوں کا احتمال ہے۔

وَالْفَاءُ لِلتَرتِيْبِ الخ :ان چاروں میں سے فاء ترتیب بلامہلت کے لیے آتا ہے یعنی پہلے معطوف علیہ پھر معطوف اور دونوں کے درمیان تراخی اور مہلت نہیں ہوتی جیسے قَامَ زَيْدٌ فَعَمْرٌو یہ جملہ اس وقت استعمال کیا جائے گا جب کہ قیام میں زید مقدم ہو اور قیام عمرو موخر ہو اور دونوں کے درمیان قیام میں کوئی مہلت نہ ہو یعنی پہلے زید کھڑا ہوا، بعد میں ساتھ ہی ساتھ عمرو کھڑا ہو گیا، اور جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصبِحُ الارْضُ مُخضَرَّةً اللہ نے آسمان سے بارش برسائی پھر ہوگئی زمین سرسبز وشاداب۔

وَثُمَّ لِلتَرْتِيب الخ :ان میں سے ثم ترتیب مع المھلت کے لیے آتا ہے جیسے دَخَلَ زَيْدٌ ثُمَّ عَمْرٌو مطلب یہ ہے کہ زید پہلے داخل ہوا پھر تھوڑی دیر کے بعد عمرو داخل ہوا، یعنی دونوں کے دخول میں فاصلہ اور تراخی ہے دونوں ساتھ ساتھ داخل نہیں ہوئے کبھی ثم محض تعظیم کے لیے آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان كَلَّا سَوفَ تَعْلَمُوْنَ ثُمَّ كَلَّا سَوفَ تَعْلَمُوْنَ۔

وَحَتّٰى كثُمّ الخ :ان چاروں میں سے حتی بھی ترتیب اور مہلت میں ثم ہی کی طرح ہے ہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ حتی میں تراخی اور مہلت ثم کی مہلت وتراخی سے کم ہوتی ہے تو گویا کہ حَتّٰى بَيْنَ الْفَاءِ وثُمَّ (مُتوسّط) ہو گیا۔

وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُوْنَ الخ : یہاں سے حتی کے لیے شرط بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ حتی عاطفہ کے معطوف کا معطوف علیہ میں حقیقتاً داخل ہونا واجب ہے لہٰذا اگر حتی کا مابعد حقیقتاً ماقبل میں داخل نہیں ہوگا تو حتی عاطفہ نہیں ہوگا جیسے نِمْتُ الْبَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ۔اس مثال میں حتی عاطفہ نہیں ہوگا بلکہ جارہ ہوگا کیونکہ حقیقتاً صبح شب گذشتہ میں داخل نہیں ہے۔اس سلسلے میں علامہ رضیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ حتی عاطفہ کا مابعد حتی

ماقبل کا جزء ہوگا اور اگر حتــــی کے ماقبل کا جزء نہ ہو تو اس چیز کا جزء ہونا چاہئے جس پر حتی کا ماقبل دلالت کرتا ہے۔اور حتــــی جارہ کے بارے میں اکثر نحاۃ یہ فرماتے ہیں کہ اس کا مابعد ماقبل کے جزء آخر کے ساتھ متصل ہوا کرتا ہے جیسے نِمْتُ الْبَارِحَةَ حَتَّى الصَّبَاحِ اس میں صباح بارحۃ کے جزء آخر سے متصل ہے چونکہ جوں ہی شب کا آخری حصہ ختم ہوگا فوراً وہیں سے صبح کا حصہ شروع ہو جائے گا۔

اس توضیح سے آپ کو یہ بات معلوم ہوگئی کہ حتی کا مابعد اس کے ماقبل کا حقیقتاً جزء ہوتا ہے اس میں جزئیت اعتبار یہ کافی نہ ہوگی یعنی کہ مابعد کو ماقبل کا جزء فرض کرلیا جائے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

وَهِيَ تُفِيدُ الخ :اور حتی معطوف میں قوت یا ضعف کا فائدہ دیتا ہے اول کی مثال جیسے مَاتَ النَّاسُ حَتّى الانْبِيَاء ظاہر ہے کہ اس میں انبیاء قوی ہیں ناس کی بہ نسبت اور ثانی کی مثال جیسے قَدِمَ الحَاجُ حَتّى المشَاةُ اس مثال میں معطوف مشاۃ ہے جو کہ سواری سے حج کو جانے والے حجاج کے بہ نسبت ضعیف ہیں۔

و أو واِمّا وَاَم ثَلٰثَتُها لثبوتِ الحكم لاحد الامرَين مُبهمًا لا بعينِه نحو مَررتُ برجلٍ اَو امرأةٍ واِمَّا انما تكون حروف العطف اذا تقدَّمَتها اِما اخرى نحو العددُ امَّا زوجٌ وامَّا فردٌ يجوزُ ان يتقدم اِمّا علٰى او نحو زيدٌ اِمّا كاتبٌ اَو اُمِيّ وَاَمْ علٰى قسمَين مُتّصلَةٌ وهى ما يُسالُ بهَا عَن تَعْيين اَحد الامرينِ والسائِلُ بهَا يعلم ثبوت احدِهمَا مُبهمًا بخلافِ اَو وَاِمّا فانّ السائِلَ بهما لايعلَم ثبوت احدِهما اَصلًا وتُستَعملُ بثلٰثة شِرائِطَ الاوّلُ اَنْ يقعَ قبلَها همزةٌ نحو ازيدٌ عندَكَ ام عمرٌو والثّانى اَنْ يليَهَا لفظٌ مثلُ مَا يَلى الهمزةَ اعنِى انْ كان بَعدَ الهمزة اِسْمٌ فكذٰلك بعد اَمْ كما مرّ، وان كانَ بعدَ الهمزةِ فِعلٌ فكذٰلك بعدَهَا نحو اقام زيدٌ ام قَعَدَ فلا يقالُ اَرأيتَ زيد اً ام عَمرًا والثالثُ اَنْ يكُونَ احدُ الامرين المستَويَين محققًا وانّمَا يكونُ الاستِفهام عن التعيين فلذٰلك يجبُ اَنْ يكونَ جوابُ اَمْ بالتعيين دُونَ نَعم او لاَ فاذَا قيلَ ازيدٌ عندَكَ ام عمروٌ فجوابه بتعيين احدِهما اما اذا سُئِلَ بَاو واِمَّا فجوابُه نَعَمْ اوْلَا.

ترجمه: اور اَوْ وَاِمَّا وَاَمْ یہ تینوں حروف حکم کو ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں دو امروں میں سے کسی ایک کے لیے مبہم طور پر نہ کہ متعین طور پر جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ اَوْ اِمْرَأةٍ گذرا میں ایک مرد کے ساتھ یا ایک عورت کے ساتھ اور اِمَّا حرف عطف ہوتا ہے جب کہ اس پر دوسرا حرف اما مقدم ہو جائے جیسے اَلعَدَدُ اِمَّا زَوْجٌ وَاِمَّا فَرْدٌ (یہ عدد یا تو جفت ہے یا طاق ہے) اور جائز ہے کہ مقدم ہو جائے اما او کے اوپر جیسے زَيْدٌ اِمَّا كَاتِبٌ اَوْ اُمِيٌّ زید یا تو کاتب یا اُمِیٌّ ہے۔

اور اَمْ دوقسم پر ہے ایک متصلہ ہے اور متصلہ وہ ہے کہ جس کے ذریعہ سے دوامروں میں سے کسی ایک کی تعیین کا سوال کیا جائے اس حال میں کہ اَمْ حرف عطف کے ذریعہ سے سوال کرنے والا جانتا ہے (اپنے علم میں) غیر متعین طور پر دوامروں میں سے ایک کے ثبوت کو برخلاف اَوْ اور اِمَّـــا کے کہ ان دونوں کے ذریعہ سے سوال کرنے والا دونوں امروں میں سے ایک کے ثبوت کو بالکل نہیں جانتا (نہ مبہم طور پر اور نہ متعین طور پر) اور ام متصلہ کا استعمال کیا جاتا ہے تین شرائط کے ساتھ۔ شرط اول یہ ہے کہ واقع ہو اس سے قبل ہمزہ جیسے اَزَیْدٌ عِـنْـدَكَ اَمْ عَمْرٌو اور شرط ثانی یہ ہے کہ متصل ہو اس سے ایک ایسا لفظ جو اسی کے مثل ہو جو کہ ہمزہ کے متصل واقع ہو رہا ہے یعنی اگر ہمزہ کے بعد اسم ہے تو ایسے ہی ام کے بعد بھی ہو جیسا کہ گذر گئی اس کی مثال اور اگر ہمزہ کے بعد فعل ہو تو ایسے ہی فعل کا ہونا ضروری ہے ام کے بعد بھی جیسے اَقَامَ زَیْدٌ اَمْ قَعَدَ۔ لہٰذا نہیں کہا جائے گا اَرَأَیْتَ زَیْدًا اَمْ عَمرًا۔

اور شرط ثالث یہ ہے کہ دو امر مستوی میں سے (برابر) ایک امر محقق اور ثابت ہو (متکلم کے نزدیک) اور بے شک استفہام ہوتا ہے دو امر میں سے ایک کی تعیین کا بس اس وجہ سے ضروری ہے کہ ہووے ام کا جواب تعیین کے ساتھ نہ کہ نعم یالا کے ساتھ پس جب کہ کہا جائے گا اَزَیْدٌ عِندَكَ اَمْ عَمْرٌو تو اس کا جواب ان دونوں میں سے ایک کی تعیین کے ساتھ ہوگا بہر حال جب کہ سوال کیا جائے اویا اما کے ذریعہ سے تو اس کا جواب نعم یالا کے ساتھ ہوگا۔

تشریح: واَوْ وإماَّ واَمْ الخ: حروف عاطفہ میں سے او واما وام یہ تینوں متکلم کے علم میں غیر متعین طریقہ پر دوامروں میں سے کسی ایک کے لیے حکم کو ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں جیسے مَرَرْتُ بِرَجُلٍ اَوْ اِمْرَأَةٍ میں اَوْ حرف عطف مرد یا عورت میں سے ایک کے لیے حکم مرور کو ثابت کر رہا ہے مگر متکلم کے نزدیک اس کی تعیین نہیں ہے کہ حکم کون سے کے لیے ثابت ہے تو متکلم دونوں میں سے ایک کی تعیین کا سوال کر رہا ہے کہ دونوں میں سے ایک کے لیے حکم ضرور ثابت ہے۔

وَاِمَّـا اِنَّـمَـا تَكُوْنُ الخ: یہاں سے اَوْ اور امَّا کے درمیان فرق بیان فرمارہے ہیں وہ یہ کہ اما حرف عطف ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ اس اما سے پہلے ایک دوسرا اِمَّا عاطفہ اور ہونا چاہئے، اور یہ شرط اس لیے ہے تا کہ پہلے ہی سے دوامروں میں سے ایک کے لیے حکم کے ثابت ہونے پر آگاہی ہو جائے جیسے هٰـذَا الـعَـدَدُ اِمَّـا زَوْجٌ وَاِمَّـا فَرْدٌ اس میں اِمَّا زَوْجٌ سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آگے جو معطوف آرہا ہے ان دونوں میں سے ایک ضرور ثابت ہے۔

وَیَـجُـوْزُ اَنْ یَتَـقَـدَّمَ الخ :اوحرف عطف پر بھی اما کا مقدم ہونا جائز ہے جیسا کہ اس پر عدم تقدم جائز ہے جیسے زَیْدٌ اِمَّا كَاتِبٌ اَوْ اُمِّیٌّ اور عدم تقدم کی مثال جیسے زَیْدٌ كَاتِبٌ اَوْ اُمِّیٌّ۔

وَاَمْ عَـلٰـی قِسْـمَیْـنِ: یہاں سے مصنفؒ ام کے معنی کی تحقیق ساتھ ہی ام واو واما کے درمیان فرق بیان

فرمارہے ہیں چنانچہ فرمارہے ہیں کہ ام کی دوقسمیں ہیں ایک متصلہ دوم منفصلہ ۔ ام متصلہ کہتے ہیں اس ام کو کہ سائل دو باتوں میں سے ایک کو اپنے علم میں غیر متعین طور پر پہلے سے جانتا ہے اب ام کے ذریعہ سے دونوں میں سے ایک کی تعیین کو چاہتا ہے ۔ بخلاف او اور اما کے کہ ان کے اندر مذکورہ بات نہیں پائی جاتی چونکہ ان دونوں کے ذریعہ سے سوال کرنے والا دونوں باتوں میں سے بالکل بھی نہیں جانتا نہ متعین طور پر اور نہ غیر متعین طور پر۔

وَتُسْتَعْمَلُ بِثَلٰثِ شَرَائِطَ الخ:

ام متصلہ کا استعمال تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے اگر یہ موجود ہوں گی تو اس کا استعمال ہوگا ورنہ نہیں۔

اول شرط یہ ہے کہ اس سے قبل ہمزۂ استفہام ہونا چاہئے (نہ کہ هَلْ) خواہ یہ ہمزہ لفظوں میں موجود ہو یا مقدر ہو اول کی مثال جیسے اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمرٌو اور ثانی کی مثال جیسے شاعر کا یہ شعر:

فَوَ اللهِ مَا اَدْرِى وَاِنْ كُنْتُ دَارِيًا بسبع رَمَيْتُ الْجَمْرَ اَمْ بِثَمَان اَىْ أبسبع

پس اللہ کی قسم میں نہیں جانتا اگر چہ میں گھر میں ہوں کہ کیا میں نے سات کنکر پھینکی یا آٹھ پھینکی ، اس شعر میں بسبع سے قبل لفظ أ مقدر ہے او اور اما کے لیے یہ شرطیں نہیں ہے خواہ ان سے قبل ہمزہ استفہام ہو یا نہ ہو۔

اور شرط ثانی یہ ہے کہ ام کے بعد بھی وہی لفظ ہونا ضروری ہے جو کہ ہمزہ کے بعد واقع ہے یعنی کہ اگر ہمزہ کے بعد اسم واقع ہو تو ام کے بعد بھی اسم ہی واقع ہو اور اگر ہمزہ کے بعد جملہ فعلیہ واقع ہو رہا ہے تو ام کے بعد بھی جملہ فعلیہ ہی واقع ہونا چاہئے ۔ اول کی مثال جیسے اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمرٌو اور ثانی کی مثال جیسے اَقَامَ زَيْدٌ اَمْ قَعَدَ (کیا زید کھڑا ہے یا بیٹھا ہے) جب مذکورہ شرط ہے تو اس لیے أرأيتُ زَيْدًا اَمْ عَمرًا کی ترکیب ناجائز ہوگی چونکہ ہمزہ کے بعد فعل واقع ہو رہا ہے اور ام کے بعد اسم مگر یہ مذہب جمہور نحاۃ اور حضرت مصنفؒ وشیخ ابن حاجب کا ہے اس کے بالمقابل امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ مثال کا استعمال بھی جائز ہے اور وجہ جواز ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ معنی کا اعتبار کرتے ہیں چونکہ معنی اس کے یہ ہیں اَرَأيتُ زَيْدًا اَمْ رَأيتُ عَمرًا۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ متکلم کے نزدیک دوامروں میں سے ایک محقق ہو یعنی ثابت ہو مبہم نہ ہو اور متکلم ام کے ذریعہ سے مخاطب سے جو سوال کر رہا ہے وہ سوال صرف ان دوامروں میں سے ایک کی تعیین کا ہے جو کہ محقق ہو چکا ہے۔

فَلِذٰلِكَ يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ الخ: اسی شرط مذکور کی وجہ سے جس جملہ پر ام داخل ہو رہا ہے اس کا جواب دو امروں میں سے ایک کی تعین کے ساتھ آنا واجب ہے چونکہ استفہام اور سوال تعیین ہی کے متعلق ہے اس لیے جواب میں لفظ نَعَم ولفظ لا نہیں لا سکتے ہیں چونکہ ان دونوں سے تعیین کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا مصنفؒ اس کی مثال پیش فرمارہے ہیں کہ جب اَزَيْدٌ عِنْدَكَ اَمْ عَمرٌو کہا جائے گا، تو اس کے جواب میں ان دونوں میں سے ایک کو متعین کرتے ہوئے زَيْدٌ کہا جائے گا یا عَمرٌو نَعَمْ یا لَا نہیں کہا جائے گا بِخلاف الخ اس کے بالمقابل اگر متکلم ان

اماما کے ذریعہ سے سوال کرے مثلاً یوں کہے اَجَاءَ زَیْدٌ اَوْ عَمْرٌو یا جَاءَ زَیْدٌ اِمَّا عَمْرٌو تو اس کے جواب میں نعم یا لا کا استعمال کر سکتے ہیں چونکہ ان دونوں کے ذریعہ سے متکلم کے سوال کرنے کا مقصود یہ ہے کہ زید اور عمرو دونوں میں سے ایک غیر متعین طور پر تیرے گھر میں آیا ہے یا نہیں آیا ہے۔

فائدہ : ام متصلہ کی وجہ تسمیہ: اس کے دونوں جزء یعنی اس کے ماقبل و مابعد دونوں کے درمیان چونکہ اتصال واقع ہوتا ہے اس طور پر کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوسکتا۔

ومنقطعةٌ وهیَ مَا تكونُ بمعنٰی بل مع الهَمزَةِ كَمَا رأیت شَبَحاً مِن بعید قلتَ اِنَّها لَاِبلٌ علٰی سَبِیل القَطعِ ثُمَّ حَصَلَ لکَ شَکٌّ اِنَّها شاةٌ فقُلتَ ام هی شاةٌ تقصُد الاعراضَ عَنِ الاخبار الاوّل والاستیناف بَسُوالٍ اٰخَرَ معناه بل هِیَ شاةٌ اعلم اَنَّ اَمِ المنقطعةَ لا تُستَعْمَلُ اِلَّا فی الخبر كما مرَّ وفی الاستفهامِ نحو اعندک زیدٌ ام عمرٌو سالتَ اوَّلاً عَن حُصُول زیدٍ ثم اَضربتَ عن السُّوَال الاوّل واخذت فِی السؤالِ عن حُصُول عمرٍو ولا وبل ولٰكِن جمیعُهَا لثُبُوتِ الحُكم لاحَدَ الاَمرین معیناً امّا لا فلنفی ما وَجَبَ لِلاوّل عن الثانی نحو جَاءَ نِی زید لَا عَمرٌ و وبَل للاضراب عنِ الاوّل والاثباتِ للثانی نحو جَاءَ نِی زیدٌ بَل عمرٌو ومعنَاه بل جَاءَ نِی عَمرٌو ومَاجَاءَ بكرٌ بل خَالدٌ معناه بَلْ ماجَاء خَالِد ولٰكن للاستِدراکِ ویلزَمُهَا النفی قبلها نحو مَآ جَاءَ نِی زَیدٌ لٰكِن عمر وجَاءَ اَوْ بعدَها نحو قَامَ بكرٌ لٰكِن خالدٌ لم یَقُم.

ترجمہ: اَمْ کی دوسری قسم ام منقطعہ ہے اور وہ وہ ہے جو بل کے معنی میں ہوتا ہے ہمزہ کے ساتھ جیسا کہ دور سے تو نے کوئی صورت دیکھی تو کہا انّها لإبلٌ یعنی یہ یقیناً اونٹ ہے پھر تجھے شک پیدا ہوا کہ یہ بکری ہے اس لیے تو نے کہا ام هی شاةٌ ارادہ کرتے ہوئے اعراض کا خبر اول (إنها لابل) سے اور شروع کرنے کا دوسرے سوال: انها شاة کا اس کے معنی بل ہی شاۃ کے ہوئے اور جاننا چاہئے کہ ام منقطعہ نہیں استعمال ہوتا مگر خبر میں جیسا کہ گذرا اور استفہام میں جیسے اَعِندَكَ زَیدٌ اَمْ عَمرٌو پہلے تو نے زید کے حاصل ہونے کا سوال کیا پھر پہلے سوال سے اعراض کر کے دوسرے سوال عمرو کے حاصل ہونے کو شروع کر دیا۔ اور لَا وبَلْ ولٰكِن یہ تینوں حکم کو ثابت کرنے کے لیے ہیں، دو امروں میں سے ایک کے لیے یقینی طور پر۔ بہرحال لا تو یہ اس چیز کی نفی کے لیے ہے جو ثابت ہوگئی ہے اول کے لیے ثانی سے جیسے جاءَ نِیْ زَیدٌ لَا عَمرٌو (یعنی آیا میرے پاس زید نہ کہ عمرو) اور بل اوّل سے اعراض کرنے کے لیے ہے اور ثانی کے اثبات کے لیے جیسے جاءَ نِیْ زَیدٌ بَلْ عَمرٌو اس کے معنی ہیں بل جاء نی عمرو اور مَاجَاءَ بَكر بَلْ خَالِدٌ کے معنی ہیں بل ما جاء خالد اور لٰكِن استدراک کے

ہے اور لازم ہے لکن کو نفی خواہ اس سے پہلے ہو جیسے مَا جَاءَنِیْ زَیْدٌ لٰکِنْ عمرٌو جَاءَ اور خواہ نفی اس کے بعد ہو جیسے قَامَ بَکرٌ لٰکِنْ خَالِدٌ لَمْ یَقُم۔

تشریح: ومُنقَطِعَةٌ: یہاں سے ام کی دوسری قسم کو بیان فرمارہے ہیں وہ ہے اَمْ مُنقَطِعَة اور اَمْ مُنقَطعه کہتے ہیں اس ام کو جو کہ بل کے معنی میں ہو اور اس سے قبل ہمزہ ہو بل کے معنی میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معنی اول سے اعراض اور ثانی میں شک مقصود ہو، اکثر علماء نے یہی معنی بیان کئے ہیں جیسے مثلاً آپ نے دور سے کوئی شئ دیکھی اس کو دیکھ کر آپ نے یقینی طور پر یہ کہا کہ اِنَّھَا لَابِل بے شک وہ اونٹ ہے یقینی طور پر اونٹ ہونے کا حکم اس لیے لگایا کہ جب دور سے کوئی شئ دیکھی تو اس کو اعتقاد ہو گیا کہ وہ بے شک اونٹ ہی ہے پھر جب ذرا اس شئ کو قریب سے دیکھا تو شک پیدا ہوا اس لیے اس نے کہا اَم ھِی شَاةٌ ای بل ھی شاة تو یہاں اس نے خبر اول اِنّھا لابل سے اعراض کر کے دوسرے سوال کو شروع کر دیا کہ اَمْ ھِی شَاةٌ ای بل ھی شاةٌ یعنی کہ یہ اونٹ نہیں ہے بلکہ بکری ہے۔

فائدہ: انَّھَا لابل اَم ھی شَاةٌ میں یہ دو جملے ہو گئے جملہ اولیٰ خبریہ ہے اور ثانیہ انشاء ہے اب اس پر سوال یہ واقع ہو گا کہ انشاء کا عطف تو خبر پر جائز نہیں ہے اور یہاں ہو رہا ہے۔

الجواب: انشاء کا عطف خبر پر بتاویل قصہ جائز ہے بغیر تاویل کے ناجائز ہے۔

وَاَعْلَم اَنَّ اَمِ المُنْقَطِعَة الخ : یہاں سے حضرت مصنفؒ ام منقطعة کے محل استعمال کو بیان فرمارہے ہیں کہ ام منقطعه کا استعمال صرف یا تو خبر میں ہوتا ہے جیسا کہ مصنفؒ کی دی ہوئی مثال انھا لابل ام ھی شاة میں آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ اس سے متکلم کا مقصود دور سے کسی چیز کو دیکھ کر خبر دینا ہے۔ اور یا استفہام میں ہوتا ہے جیسے اَعِنْدَكَ زَیْدٌ اَمْ عَمرٌ اس مثال میں متکلم نے پہلے تو حصول زید کے بارے میں سوال کیا پھر اس سوال اول سے اعراض کر کے دوسرے حصول عمرو کے بارے میں دریافت کیا یعنی کیا تیرے پاس زید ہے پھر اس سے اعراض کرتے ہوئے پوچھا یا عمرو ہے۔

فائدہ : ام منقطعه گاہے گاہے انکار کے معنی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان اَمْ یَقُوْلُوْنَ افتریٰه وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو محمد نے بنالیا ہے ام ھل تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّور کیا نابینا اور بینا دونوں برابر ہو سکتے ہیں یا کہیں اندھیرا اور اجالا برابر ہو سکتے ہیں۔

وَلَا وبَل ولٰکِنّ الخ: لا وبَل ولٰکِن یہ تینوں حروف عطف اس ایک بات میں شریک ہیں کہ حکم دو امروں میں سے ایک کے لیے متکلم کے نزدیک متعین طور پر ثابت ہے۔ لفظ معیناً ترکیب کے اعتبار سے اَحَدُ الاَمْرَیْن سے حال واقع ہے۔

اَمَّا لا فَلِنَفِی الخ :اب ان تینوں کے درمیان جو قدرے فرق ہے اس کو بیان فرمارہے ہیں کہ معطوف علیہ کے واسطے جو حکم ثابت تھا وہ حکم معطوف کے واسطے نہیں ہے یعنی معطوف سے اس حکم کی نفی ہے جو معطوف علیہ کے لیے ثابت کیا گیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ لا اثبات کے بعد واقع ہوگا خواہ اثبات لفظی ہو جیسے جَاءَ نِی زَیْدٌ لا عَمروٌ یا وہ اثبات معنوی ہو جیسے مَا زَالَ زَیدٌ نَائِمًا لَا مُستَیقظًا زیدرات بھر سوتا رہا نہ کہ جاگتا رہا اس مثال میں ما زال معنی مثبت ہے چونکہ ما حرف نفی ہے جو کہ زال فعل پر دخل ہو رہا ہے اور زال کے معنی زائل اور معدوم ہونے کے ہیں، اور نفی نفی مل کر اثبات کے معنی حاصل ہو جاتے ہیں۔

فائدہ: لَا کے عامل کا اظہار جائز ہے مگر مستحسن نہیں ہے جیسے جَاءَ زَیدٌ لَا جَاءَ عَمرٌ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ لفظ لَا اگر لفظ غیر کے بعد واقع ہووے تو وہ عطف کے لیے نہیں ہوتا بلکہ نفی کی تاکید کے واسطے ہوتا ہے جیسے غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیهِمْ وَلَا الضَّآلِینَ میں لا برائے تاکید نفی ہے۔

وَبَلْ لِلاضْرَابِ عَنِ الاوَّلِ الخ:

اور بـــــل حرف عطف اول حکم سے اعراض کرتے ہوئے ثانی کے اثبات کے لیے آتا ہے یعنی کلمہ بل حکم کو معطوف علیہ سے معطوف کی جانب پھیر دینے کے لیے آتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے گویا کہ معطوف علیہ پر کسی چیز کے ہونے اور نہ ہونے کا حکم نہیں ہوتا۔ جیسے جاَءَ نيِ زَیدٌ بل عمروٌ اس کے معنی ہوں گے بل جاء عمرو یعنی جس شخص کی طرف مجیئة (آنے کی نسبت کی گئی ہے وہ عمرو ہے) یہ حال اس وقت ہے جب کہ بل کلام مثبت میں واقع ہو اور اگر کلام منفی میں واقع ہو تو اس میں علماء نحاۃ کا اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بل کلام منفی میں حکم منفی کو معطوف علیہ سے معطوف کی جانب پھیرنے کے لیے آتا ہے جیسے مَاجَاءَ نِیْ زَیدٌ بَل مَـا جَـاءَ نِـی عَمرٌ اس مثال میں حکم منفی یعنی عدم مجیئة صرف معطوف کے لیے ہے اور معطوف علیہ حکم میں مسکوت عنہ کے ہے نہ مجیئة کا اثبات ہے نہ نفی اور بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بل معطوف علیہ سے معطوف کی طرف اس حکم کو پھیرتا ہے جو معطوف علیہ سے منفی ہے لہٰذا مثال مذکور کے معنی یہ ہوں گے مَاجَاءَ نِیْ زَیدٌ بَل عَمرٌ وَجَاءِ نِی تو اس وقت میں معطوف میں مجیئة ثابت ہوئی اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوا۔

وَلٰکِـن لـلاستِدرَاك الخ: اور لٰکِن استدراک کے لیے آتا ہے یعنی اس وہم کو دور کرنے کے لیے آتا ہے جو کلام سابق سے پیدا ہوا تھا وَیَـلزَمُهَا النَّفِی الخ :یہاں سے لکن کے لیے شرط بیان فرمارہے ہیں کہ اس سے قبل یا اس کے بعد حرف نفی کا ہونا لازم ہے۔ تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ جب لکن حرف عطف کے ذریعہ سے مفرد کا عطف مفرد پر کیا جائے گا تو صرف اس سے قبل ہی نفی کا ہونا لازم ہے جیسے مَـاجَـاءَ نِـی زَیدٌ لٰـکِن عَمرو وَمَـا رَأیـتُ اَحَـدًا لٰـکِن عَمرًا اس صورت میں یہ لا حرف عطف کی نقیض ہوگا یعنی اس چیز کا اثبات کرتا ہے

چیز کی اول سے نفی کی گئی ہے اور اگر جمہ کا عطف جملہ پر کیا جائے تو نفی کا ہونا لازم ہے مطلقاً خواہ اس سے قبل واقع ہو یا اس کے بعد اور اس وقت میں یہ بل کے مثل ہوگا یعنی اول سے اعراض اور ثانی کا اثبات یا نفی جیسے مَاجاء نی زید لکن عمرو قد جاء، و جاء زید لکن عمر ولم یجیء ان تمام صورتوں میں لکن بغیر حرف نفی کے مستعمل نہیں ہوا۔

تمرین:

(۱) عطف کے لغوی واصطلاحی معنی بیان کیجئے اور حروف عاطفہ کی تعداد بھی بتلائیے۔

(۲) واؤ، فاء، ثم، حتی یہ چاروں کس معنی کے لیے آتے ہیں اور ان کے معنی میں آپس میں کیا فرق ہے، نیز اگر ان میں سے کسی کے لیے کوئی شرط ہو تو وہ بھی بیان کیجئے۔

(۳) حرف أو، إما، أم، تینوں کے معنی مع امثلہ بیان کیجئے۔

(۴) أم متصلہ ومنقطعہ کی تعریف مع مثال بیان کیجئے، نیز ام متصلہ کے استعمال کی تین شرطیں کیا ہیں، نیز ام منقطعہ کا استعمال کہاں ہوتا ہے۔

(۵) لا، بل، لکن ان تینوں کے کیا معنی ہیں اور آپس میں کیا فرق ہے، مع امثلہ وضاحت کریں۔

الجمل العربية:

العلم نورٌ والجهل ظلمةٌ، فمن كان منكم مريضاً أو على سفر فعدة من أيام أخر، أمن يبدأ الخلق ثم يعيده، حل الكتاب حتى الحاشية، كفارة طعام مساكين أو عدل ذلک صياماً، اختر إما المدرسة وإما البيت، إنا هديناه السبيل إما شاكراً و إما كفوراً، أفعلت أنت هذا أم ذاک، التلاميذ المجتهدون فائزون لا الكُسالى، أَن يقولون به جِنّة بل جاء هم بالحق، سافرتم إلى البلاد لكن زيد لم يُسافر.

فصل حُرُوف التنبيه ثلٰثةٌ اَلاَ و اَمَا وهَا وُضِعَت لتنبيهِ المخاطبِ لئلَّا يفوتَهُ شيءٌ من الكَلام فألاَو اَما لا يدخُلانِ الا عَلَى الجملةِ اسميةً كانَتْ نحو قوله تَعالىٰ اَلآ اِنَّهُمْ هُمُ المُفسدُونَ وقولُ الشاعِر شعر اَمَا وَالَّذِىْ اَبْكٰى وَاَضْحَکَ وَالَّذِىْ، اَمَاتَ وَاَحْيىٰ وَالَّذِىْ اَمرُهُ الاَمر. اَوْ فعلية نحو اما لاتفعل واَلاَ لاَ تضرِبُ والثالثُ ها تَدخُلُ عَلى الجملة الاسمية نحوهَا زيدٌ قائمٌ والمفرد نحو هٰذا وهٰؤلاءِ.

ترجمه: یہ فصل ہے حروف تنبیہ کے بیان میں اور یہ تین حرف ہیں اَلَا واَمَا وھَا یہ وضع کئے گئے ہیں مخاطب کو تنبیہ کرنے کے لیے تاکہ اس سے کلام کا کوئی حصہ فوت نہ ہو جائے پس بہر حال الا اور اما صرف جملہ

داخل ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْن (خبردار بے شک وہی لوگ فسادی ہیں) اور جیسے شاعر کا یہ شعر ہے:

اَما وَالَّذِیْ اَبْکٰی وَاَضْحَکَ وَالَّذِیْ اَمَاتَ وَاَحْیٰی وَالَّذِیْ اَمْرُهُ الْاَمْر

یا وہ جملہ فعلیہ ہو جیسے اما لا تفعل والا لا تضرب اور تیسرے ہا ہے یہ داخل ہوتا ہے جملہ اسمیہ پر جیسے ھا زید قائم اور مفرد پر بھی داخل ہوتا ہے جیسے ھٰذا وھٰؤلاءِ۔

تشریح : اس فصل میں حروف تنبیہ کو بیان فرما رہے ہیں جن کی تعداد تین ہے (۱) اَلا (۲) اَما (۳) ھَا ۔تنبیہ کے لغوی معنی آتے ہیں بیدار کرنا اور کسی چیز پر مطلع کرنا اور اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ جن حروف کے ذریعہ مخاطب کو متنبہ کیا جائے تاکہ غفلت اور لاپرواہی سے اس سے کوئی بات فوت نہ ہو جائے۔

فالا و اَمَا: یہاں سے ان کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں کہ یہ کہاں کہاں داخل ہوں گے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ الا اور اما یہ دونوں صرف جملہ ہی پر داخل ہوتے ہیں عام از یں کہ وہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ اسمیہ کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ، اس میں الا جملہ اسمیہ پر داخل ہو رہا ہے اور اما کی جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کی مثال شاعر کا یہ شعر ہے۔

اَما وَالَّذِیْ اَبْکٰی وَاَضْحَکَ وَالَّذِیْ اَمَاتَ وَاَحْیٰی وَالَّذِیْ اَمْرُهُ الْاَمْر

تشریح: اس شعر کا شاعر ابوالفتح ہزلی ہے اس میں اما برائے تنبیہ ہے اور واؤ برائے قسم ہے اور الذی اسم موصول ہے باقی پورا جملہ اسم موصول کا صلہ ہے اس میں محل استشہاد کلمہ اما ہے جو جملہ اسمیہ پر داخل ہو رہا ہے مطلب شعر کا یہ ہے کہ آگاہ رہو قسم ہے اس ذات کی جو ہنساتا اور رُلاتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی جو مارتا اور جلاتا ہے اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کا حکم حکم ہے۔

اَوْ فِعْلِیَّة: جملہ فعلیہ پر داخل ہونے کی مثال جیسے اَما لَاتَفْعَلُ وَاَلَا لَا تَضْرِبُ۔

وَالثَّالِثُ ھَا ،حروف تنبیہ میں سے تیسرا حرف ہا ہے یہ جملہ اور مفرد دونوں ہی پر داخل ہوتا ہے جملہ پر داخل ہونے کی مثال جیسے ھَا زَیْدٌ قَائِمٌ اور مفرد پر داخل ہونے کے متعلق محشی کتاب نے لکھا ہے کہ فن نحو کی معتبر کتابوں سے (جیسے رضی، منہل وغیرہ) سے معلوم ہوتا ہے کہ ہائے تنبیہ مطلقاً مفردات پر داخل نہیں ہوتا بلکہ تمام مفردات میں سے صرف اسم اشارہ کے ساتھ خاص ہے جیسے ھٰذَا ھٰؤُلَاءِ وغیرہ۔

تمرین:

حروف تنبیہ کتنے ہیں، نیز یہ تینوں جملہ پر داخل ہوتے ہیں یا مفرد پر جو بھی حکم ہو مع امثلہ بیان کیا جائے۔

الجمل العربية:

ألا تجتهد في الدروس، أما تلتحق بالجامعة الإسلامية العربية بديوبند، ها كتابك.

فصل حُروفُ النِّدَاءِ خمسةٌ يا وأيا وهيا واَیْ والهمزةُ المفتوحَةُ فاَی والهمزة للقريب وأيا وهَيَا للبَعِيْدِ ويَا لهُمَا وللمتوسّطِ وقد مرّ اَحكام المنادیٰ.

ترجمہ: حروف نداء پانچ ہیں یـا، اَیـا، هیـا، اَیْ، ہمزہ مفتوحہ۔ پس (ان میں سے) ای اور ہمزہ ندائے قریب کے لیے ہیں اور ایـا وهیـا برائے ندائے بعید ہیں جب کہ یا قریب وبعید دونوں کے لیے ہے اور ندائے متوسط کے لیے ہے اور تحقیق کہ منادی کے احکام گذر چکے ہیں۔

توضیح: النّداءُ خَمسَةٌ ندا‌ء کے لغوی معنی آتے ہیں آواز دینا اور بلانا اور اصطلاح میں نداء کہتے ہیں توجہ کا طلب کرنا ایسے حرف کے ذریعہ جو ادعو کے قائم مقام ہو۔ ان کی تعداد پانچ ہے (۱) یـا (۲) اَیـا (۳) هیـا (۴) اَیْ (۵) ہمزۂ مفتوحہ۔ ان میں سے ای اور ہمزہ ندائے قریب کے لیے ہیں اور یا وهیا ندائے بعید کے لیے ہیں، ان حروف نداء میں سے بعض قریب کے لیے ہیں اور بعض بعید کے لیے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کو دور سے آواز دیں گے تو آواز کو بلند کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور یہ جب ہی ممکن ہے جب کہ حروف بھی کثیر ہوں اور ان کو کھینچا بھی جائے، اب ہم نے دیکھا کہ یہ دونوں چیزیں حروف نداء میں سے صرف ایا اور هیا میں متحقق ہیں اس لیے یہ دونوں ندائے بعید کے لیے خاص ہوئے اور ای اور ہمزہ مفتوحہ میں یہ دونوں باتیں منتفی ہیں اس لیے یہ ندائے قریب کے لیے قرار پائے اور اب مسئلہ باقی رہا یا کا تو اس میں مد تو ہے مگر کثرت حروف نہیں اس لیے اس کو قریب وبعید دونوں کی نداء کے لیے عام کر دیا۔

تمرین:

نداء کی تعریف کیجئے، نیز ان کی تعداد بتلایئے، ساتھ ہی یہ بھی بتلایئے کہ ان میں سے کون ندائے قریب کے لیے ہے اور کون ندائے بعید کے لیے یا متوسط کے لیے۔

فصل حروف الايجاب ستةٌ نعم وبلٰی واَجل وجَيْرِ وانَّ وای اما نعم فلتَقرِيْرِ كَلامٍ سابِقٍ مُثبتاً كَانَ اَو مَنْفِيًّا نحو اجاء زيدٌ قلتَ نعم واَما جَاءَ زيدٌ قلتَ نعم وبلٰی تختصُّ بايجاب ما نُفِي استِفهامًا كقوله تعالىٰ اَلَسْتُ بِرَبِّكُم قَالُوا بلٰی اَوْ خَبَرًا كمَا يُقالُ لَم يقُم زيدٌ قلتَ بلٰی اَی قد قَامَ وایْ للاثباتِ بعدَ الاِستِفهامِ ويلزمُهَا القَسَمُ كمَا اذَا قيلَ هلْ كانَ كذَا قلتَ اِیْ واللهِ وَاَجَلْ وجَيْرِ واِنَّ لتصديق الخبر كما اذا قيلَ جاء زيدٌ قلتَ اَجَل او جَيْرِ او انَّ ای اُصَدِّقُكَ فی هٰذا الخَبر.

ترجمہ: حروف ایجاب چھ ہیں نعم وبلٰی واجَل وجَیرِ وانَّ وای۔ بہرحال نعم تو یہ کلام سابق کے مضمون کوثابت کرنے کے لیے ہے خواہ وہ کلام سابق مثبت ہو یا منفی جیسے (کسی نے کہا) أجاء زید، تو آپ نے جواب میں کہا نَعَمْ (مثبت میں) اور جب کہ کسی نے کہا اما جاء زید تو آپ نے جواب دیا نعم، اور بلٰی نفی کے ایجاب کے لیے مخصوص ہے وہ نفی خواہ استفہاماً ہو جیسے کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: اَلَسْتُ بِرَبِّکُم (کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو انہوں نے جواب دیا قَالُوا بلٰی یعنی کیوں نہیں آپ ہمارے پروردگار ہیں یا نفی خبر ہو جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ لَمْ یَقُمْ زَیْدٌ تو آپ نے جواب دیا بلی یعنی کیوں نہیں وہ یقیناً کھڑا ہے اور ای استفہام کے بعد ثابت کرنے کے لیے آتا ہے اور اس کو قسم لازم ہے جیسا کہ جب کہ کہا گیا هَلْ كَانَ كَذَا (کیا ایسا تھا) تو آپ نے جواب میں کہا ای وَاللّٰه (ہاں اللہ کی قسم ایسا تھا) اور اَجَلْ وجَیْر وَاِنْ یہ خبر کی تصدیق کرنے کے لیے آتے ہیں جیسا کہ جب کہ کہا گیا جَاءَ زَیْدٌ تو آپ نے جواب میں کہا اَجَلْ یا کہا جَیْر یا اِنَّ ای اُصَدِّقُكَ فِی هٰذَا الْخَبر (یعنی میں تیری اس خبر کی تصدیق کرتا ہوں)۔

تشریح: حروف الایجاب ستةٌ۔

حروف ایجاب کو حروف تصدیق بھی کہتے ہیں حروف ایجاب کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ان تمام میں تحقیق کے معنی موجود ہیں یہ حروف بھی چونکہ ثابت کرنے کے لیے آتے ہیں اس وجہ سے ان کو حروف ایجاب کہتے ہیں۔

اَمَّا نَعَمْ الخ: حروف ایجاب میں سے نعم کلام سابق کے مضمون کو ثابت کرنے کے لیے آتا ہے کلام خواہ مثبت ہو یا منفی مثبت کی مثال جیسے کسی شخص نے کہا اجاء زید تو آپ نے جواب میں کہا نعم یعنی ہاں زید آیا ہے اور منفی کی مثال جیسے اَمَا جَاءَ زَیْدٌ کہ کیا زید نہیں آیا آپ نے جواب دیا کہ نَعَمْ ہاں زید نہیں آیا۔

وَبَلٰی تَخْتَصُّ بِاِیجَابِ مَا نُفِیَ الخ: بلٰی اس چیز کو ثابت کرنے کے لیے آتا ہے جس کی سابق میں نفی کی گئی ہے یعنی کلام منفی کے جواب میں آتا ہے اور اس کو مثبت کر دیتا ہے خواہ وہ نفی استفہام کے ساتھ ہو یا بغیر استفہام کے ہو اول کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُم کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو اس کے جواب میں سب روحوں نے عہد کیا بلی کیوں نہیں آپ ہمارے پروردگار ہیں اور ثانی کی مثال جیسے کسی شخص نے کہا لَمْ یَقُمْ زَیْدٌ تو جواب دینے والے نے کہا بَلٰی اَی قَدْ قَامَ یعنی کیوں نہیں کھڑا ہے وہ تو واقعتاً کھڑا ہے۔

وإیْ لِلاِثْبَاتِ الخ: حروف ایجاب میں سے ای استفہام کے بعد کسی شئ کے اثبات کے لیے آتا ہے اور ساتھ ہی قسم بھی اس کے لیے لازم ہے کبھی بھی بغیر قسم کے استعمال نہیں ہوتا مگر یہ یاد رہے کہ اس کے بعد قسم کا ہونا تو ضروری ہے مگر فعل قسم ظاہر میں نہیں آتا جیسے کوئی شخص یوں کہے بل کان کذا تو آپ نے کہا اِیْ وَاللّٰه کہ ہاں اللہ کی قسم ایسا تھا، اَیْ اَقْسَمْتُ وَاللّٰهِ نہیں کہہ سکتے۔

نوٹ: اس کا مُقسِم لفظ رَبِّ اوراللہ اور لفظ عُمَر ہوتا ہے جیسے اِیْ وَاللّٰہ ورَبّی وعُمْرِی واَجَل وجَیْر واِنَّ الخ یہ تینوں حروف خبر کی تصدیق کرنے کے لے استعمال ہوتے ہیں، خبر خواہ مثبت ہو یا منفی اسی سے یہ معلوم ہوا کہ استفہام کی تصدیق کرنے کے لیے بالکل استعمال نہ ہوں گے جیسے کسی شخص نے کہا جاء زید تو آپ نے جواب دیا اَجَل یا جَیْرِ یا اِنَّ اَیْ اُصَدِّقُكَ فِی ھٰذَا الْخَبْرِ یعنی ہاں میں تیری اس خبر (کہ زید آیا ہے) کی تصدیق کرتا ہوں۔

فائدہ: اِنَّ دعاء کی تصدیق کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ابن زبیرؓ کا قول جب ان کے پاس ایک اعرابی نے آ کر کسی چیز کا سوال کیا انہوں نے اس کو کچھ نہ دیا تو اعرابی نے کہا۔

لَعَنَ اللّٰہُ نَاقَةً حَمَلَتْنِی اِلَیْكَ کہ لعنت ہو اللہ کی اس اونٹنی پر جو مجھے اپنے اوپر سوار کر کے تیرے پاس لائی تو حضرت ابن زبیرؓ نے جواب میں فرمایا اِنَّ وَرَاكِبَھَا اَیْ لَعَنَ اللّٰہُ تِلْكَ النَّاقَةَ وَرَاكِبَھَا یعنی اللہ لعنت بھیجے اس اونٹنی پر بھی اور اس کے سوار پر بھی یعنی تیرے اوپر بھی اس مثال میں ان بددعاء کی تصدیق کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔

تمرین:

حروف ایجاب کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے (۲) حروف ایجاب میں سے ہر ایک کس مقصد کے لیے استعمال ہوتے ہیں وضاحت کیجئے۔

الجمل العربية:

هل حفظت الدرس يا ماجد، نعم، ألم يأتكم نذير قالوا بلىٰ، ويستنبؤنک أحق هو قل أی وربی، عندک مالٌ، أجل، هو تعبان، جير، حفظ ماجد الدرس، إنّ.

فصل حُرُوف الزيادة سَبعَةٌ اِنْ، اَنْ وما ولا ومنْ والباء واللام فاِن تزادُ مع ما النافيةِ نحو ما اِنْ زيدٌ قائم ومَعَ ما المصْدريَّةِ نحو انتظِر ما اِنْ يجلسُ الاميرُ ومع لمَّا اِنْ حبستَ حبستُ وانْ تُزاد مَعَ لمَّا كقوله تعالىٰ فَلَمَّا اَنْ جَآءَ البَشِيرُ وبينَ لو والقَسمِ المتقدم عليها نحو وَاللهِ اَنْ لو قُمتَ قمتُ وَمَا تزادُ مَعَ اِذا ومَتٰى وَاَیُّ وَاَنّٰی وَاِنْ شرطياتٍ كما تقولُ اذا ما صُمتَ صمت وكَذا البَواقِی وبعَدَ حُرُوف الجر نحو قوله تعالىٰ فَبِمَا رَحمةٍ مِّنَ اللهِ وَعمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِيْنَ وَمِمَّا خَطِيئَتِهِم اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوا نَارًا وَزيدٌ صدّيقى كما اَنَّ عَمرًا اَخِی وَلا تُزادُ مَعَ الواوِ بَعدَ النفی نحو ما جاء نی زيدٌ وَلا عمرٌو وبعْدَ اَن المَصْدريّةِ نحو قوله تعالىٰ مَا مَنَعَکَ ان لاتَسجُدَ وقبلَ القَسمِ كقوله تعَالىٰ لا اُقْسِمُ بِهٰذا البلَدِ بمعنى اُقْسِمُ واَمَّا منْ والباءُ واللامُ فقد مرّ ذكرُها فی

حُرُوفِ الجرّ فلا نُعِيْدُهَا.

ترجمہ: حروف زیادۃ سات ہیں اِنْ، اَنْ وما ولا ومنْ والباء واللام پس ان زیادہ ہوتا ہے مائے نافیہ کے ساتھ جیسے مَا اِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ (نہیں ہے زید کھڑا) اور مائے مصدریہ کے ساتھ جیسے اِنْتَظِرُ مَا اِنْ يَجْلِسُ الامِيْرُ (زید کے بیٹھنے تک انتظار کر) اور لما کے ساتھ جیسے لَمَّا اِنْ حَبِسْتَ حبستُ (جب تک تو رُکا رہے گا میں بھی رکا رہوں گا اور أن زیادہ ہوتا ہے لما کے ساتھ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَلَمَّا اَنْ جَاءَ البَشِيْرُ پس جس وقت بشارت دینے والا آیا۔ اور ایسے ہی زیادہ ہوتا ہے لواور اس قسم کے درمیان جو کہ اس پر مقدم ہوگئی ہو، جیسے وَاللّٰهِ اِنْ لَوْ قُمْتَ قُمْتُ (اللہ کی قسم اگر تو کھڑا ہوگا تو میں بھی کھڑا ہوں گا) اور حرف ما زیادہ ہوتا ہے اِذَا اور مَتٰى واَى وَانّٰى واَيْنَ واِنْ شرطیہ کے ساتھ جیسا کہ تو کہے اِذَا مَا صُمْتَ صُمْتُ (جب تو روزہ رکھے گا میں بھی رکھوں گا) اور باقی امثلہ کو بھی اسی پر قیاس کر لیجئے۔ اور ایسے ہی ما زیادہ ہوتا ہے جروف جر کے بعد جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ (پس خدا کی مہربانی کی وجہ سے) وَعَمَّا قَلِيْلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِيْن (تھوڑے سے زمانہ کے بعد وہ شرمندہ ہوں گے) وَمِمَّا خَطِيْئَتِهِم اُغْرِقُوْا فَادخِلُوا نَارًا (اور اپنے گناہوں کی وجہ سے وہ غرق کے گئے پس داخل کئے گئے وہ جہنم میں) وَزَيْدٌ صَدِيْقِي كَمَا اَنَّ عَمْرًا اَخِي (اور زید میرا دوست ہے جیسا کہ بے شک عمر میرا بھائی ہے) اور حرف لا زیادہ ہوتا ہے واؤ عاطفہ کے بعد اس حال میں وہ واؤ نفی کے بعد واقع ہو جیسے مَاجَاءَ نِى زَيْدٌ وَلا عمروٌ اور ان مصدریہ کے بعد جیسے اللہ تعالیٰ کا قول مَا مَنَعَكَ اَنْ لا تَسْجُدَ (تجھ کو سجدہ کرنے سے کس نے منع کیا) اور قسم سے قبل بھی زیادہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ بمعنى اُقْسِمُ بِهٰذَا البَلَدِ (میں اس شہر مکہ کی قسم کھاتا ہوں) اور بہرحال من اور باء اور لام ان سب کا ذکر حروف جر کے بیان میں گذر چکا ہے اس لیے اب ہم ان کو دوبارہ بیان نہ کریں گے۔

تشریح: حُرُوفُ الزِّيَادَةِ سَبْعَةٌ الخ :اس فصل میں حروف زیادہ کو بیان کر رہے ہیں ان کو حروف زیادہ اس وجہ سے کہتے ہیں جب کبھی کسی حرف کو کلام میں زائد لانا چاہتے ہیں تو انہی میں سے کسی حرف کو لاتے ہیں اس وجہ سے ان حروف کو حروف زیادہ سے موسوم کیا گیا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہمیشہ ہی زائد ہوتے ہیں پھر کلام میں ان کے زائد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اگر ذکر نہ کیا جائے تو اصل معنی میں کوئی خلل واقع نہ ہو، یہ مطلب نہیں کہ ان کے ذکر میں کوئی فائدہ نہیں چونکہ کلام عرب میں ان کے لفظی اور معنوی دونوں فائدے متحقق ہیں، مثلاً معنوی فائدہ یہ ہے کہ معنی تاکید پیدا ہوجاتے ہیں اور فائدہ لفظی یہ ہے کہ کلام میں تزیین اور خوبصورتی پیدا ہوجاتی ہے اور وزن شعر قائم رہتا ہے اور اس کے علاوہ بہت سے فوائد ہیں، جن کو طوالت کے باعث بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔ بہرحال مصنفؒ فرماتے ہیں کہ حروف زیادہ سات ہیں (۱) ان بکسر الهمزة وسكون النون (۲) اَنْ بفتح

الهمزة وسكون النون (٣) مَا (٤) لَا (٥) مِنْ (٦) باء (٧) لام -فَاِنْ تُزَادُ الخ :حروف زیادہ میں سے ان مکسورہ مخففہ مائے نافیہ کے بعد تاکیدنفی کے لیے اکثر زیادہ ہوتا ہے اور اسم وفعل دونوں پر داخل ہوتا ہے اسم کی مثال جیسے مَا اِنْ زَيْدٌ قَائِمٌ اور فعل کی مثال جیسے حضرت حسانؓ کا شعر ہے:

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِی   لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِی بِمُحَمَّدٍ

میں نے اپنے مقالہ کے ذریعہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف نہیں کی بلکہ محمد کے ذریعہ سے اپنے مقالہ کی تعریف کی ہے اس شعر میں ان مائے نفی کے بعد فعل پر داخل ہو رہا ہے۔

وَمَعَ مَا الْمَصْدَرِيَة :اور بر سبیل قلت ان مائے مصدریہ کے ساتھ زائدہ ہوتا ہے جیسے اِنْتَظِرُ مَا اِنْ يَجْلِسُ الاَمِيْرُ اَی مدّةَ جُلُوْسِ الاَمِيْرِ، اس مثال میں ما مصدریہ ہے جو ظرف کے معنی دے رہا ہے اس کے بعد اِنْ کو داخل کیا گیا چونکہ زائدہ ہے۔

وَمَعَ لَمَّا الخ :اور لما کے بعد بھی بر سبیل قلت ان مکسورۃ زیادہ ہوتا ہے، اور بہ نسبت ان مکسورۃ کے ان مفتوحہ کا لما کے بعد زیادہ ہونا مشہور ہے جیسے لَمَّا اِنْ حَبِسْتَ حَبِسْتُ۔

نوٹ: تین میں لما مع کا مضاب الیہ ہے، مثل کا لمّا محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہوگی۔ ومع لما نحو لمَّا إن حبستَ حبستُ۔

وَاَن تُزَادُ مَعَ لَمَّا الخ: اور ان مفتوحہ لما کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ اس میں انْ زائدہ ہے وبین لو اور ایسے ہی ان لو اور اس قسم کے درمیان جو اس پر مقدم ہو رہی ہو زیادہ ہوتا ہے جیسے وَاللّٰهِ اَنْ لَوْ قُمْتَ قُمْتُ اس میں ان زائدہ ہے چونکہ لو اور قسم واللہ کے درمیان واقع ہو رہا ہے۔

وَمَا تُزَادُ الخ :اور حروف زائدہ میں سے ما ادوات شرط میں سے اذا ومتی وای وانی واین وان کے ساتھ یعنی ان سب میں سے کسی ایک کے بعد زیادہ ہوتا ہے۔

امثلہ: (١) اِذَا مَا صُمْتَ صُمْتُ (٢) مَتٰى مَا تَذْهَبْ اَذْهَبْ (٣) اَيًّا مَا تَدْعُوْ فَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (٤) اَنَّمَا تَقُمْ اَقُمْ (٥) اَيْنَمَا تُسَافِر اُسَافِر (٦) اِنْ مَا تَقْرَأْ اَقْرَا۔ وَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَداً۔ وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِم عَلٰى سَوَاءٍ وبَعْد حُرُوفِ الْجَرّ -اور ایسے ہی ما اگر حروف جر میں سے کسی حرف کے بعد آئے گا تو زائدہ ہوگا جیسے ارشاد ربانی ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ اس میں ما ، با حرف جر کے بعد واقع ہے اس لیے زیادہ ہے۔ وَعَمَّا قَلِيْلٍ لَيُصْبِحَنَّ نٰدِمِيْنَ اس مثال میں ما عن حرف جر کے بعد واقع ہے اور ایسے ہی مِمَّا خَطِيْئٰتِهِم اُغْرِقُوْا فَادْخِلُو نَارًا اس مثال میں ما من حرف جر کے بعد واقع ہے وزید صدیقی کما ان عمرا اخی اس میں ما کاف جار کے بعد واقع ہونے کی

ابتداء سے زیادہ ہے۔

فائده: مَا لفظ غیر و مثل جو کہ مضاف ہوں ان کے بعد بھی بر سبیل قلت زائدہ ہوتا ہے جیسے مِثْلَ مَا اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ (جیسا کہ تم بولتے ہو) وَغَضَبْتُ مِنْ غَيْرِ مَا جُرْمٍ (اور میں بغیر جرم کے غصہ ہوا)۔

وَلا تُزَادُ مَعَ الوَاوْ الخ: اورلفظ لا واو عاطفہ کے ساتھ جب کہ وہ نفی کے بعد واقع ہو زیادہ ہوتا ہے پھر وہ نفی خواہ لفظاً ہو جیسے مَاجَاءَ نِىْ زَيْدٌ وَلا عمروٌ اورخواہ وہ نفی معنیً ہو جیسے غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِيْن اس میں نفی معنیً موجود ہے۔

وَبَعْدَ اَنْ المصدرِيَةِ: اور اَنْ مصدریہ کے بعد بھی لَا زائدہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے مَا مَنَعَكَ اَنْ لَا تَسْجُدَ اس میں لا اَنْ مصدریہ کے بعد واقع ہو رہا ہے اس کی بناء پر زائد ہے۔ یہ یاد رہے کہ ان مخففہ من المثقلہ کے بعد لا زائدہ نہیں ہوتا۔

وقبل القسم الخ، اور لاء کی زیادتی ہوتی ہے قسم سے پہلے جیسے لا اُقْسِمُ بِهٰذَا البَلَد دراصل اقسم ہے، اور لاء زائدہ ہے، اور اُقْسِم سے پہلے لاء کی زیادتی میں راز یہ ہے کہ واقعہ (مقسم علیہ) اتنا واضح ہے کہ اس کو قسم کی ضرورت نہیں ہے۔

وَامَّا مِن والباء واللام، الخ: اور حروف زیادہ میں سے من اور باء اور لام ان سب کا بیان حروف جارہ کی بحث میں گذر چکا ہے شائقین حضرات وہیں رجوع فرمائیں دوبارہ بیان کرنا باعث طوالت ہوگا۔

تمرين:

حروف زیادۃ کس کو کہتے ہیں اور تعداد کتنی ہے کہاں کہاں زائد ہوتے ہیں ہر ایک کی وضاحت کیجئے، مَا اِنْ مَدحتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالتي ، لكن مدحتُ مقالتي بمحمدٍ، شعر کو کس چیز کی دلیل میں پیش کیا ہے۔

الجمل العربية:

ما إن أهل القرآن جاهل، ما إن مدحت محمداً بمقالتي، ولكن مدحت مقالتي بمحمد، والله أن لو صعدتَ الثريّا صعدتُ، أينما تعلم أتعلم، لا أُقسم بيوم القيامة، ما قرأ خالد و لا حامدٌ، ما جاء نى من أحد، ما زيد بقائم، ردف لكم.

فصل حَرفَا التَّفسير اَىْ واَنْ فَاىْ كقَوله تعالىٰ وَاسْئَلِ القَرْيَةَ اى اهلَ القريَةِ كَانَّكَ تُفسِّرُهُ اهلَ القريةِ واَنْ انما يُفَسرُ بها فعل بمعنَى القولِ كقوله تعالىٰ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يا إبرَاهيمَ فلا يقال قلتُ لهُ اَن اكتبْ اذْ هوَ لفظ القول لا معناهُ.

ترجمه: حروف تفسیر دو ہیں اَىْ اور اَنْ پس اَىْ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ اَىْ اَهْلَ

القَرۡيَةِ گویا کہ آپ اس کی تفسیر کررہے ہیں اهل القرية سے اور أنۡ کے ذریعہ سے ایسے فعل کی تفسیر کی جاتی ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَنَادَيۡنَاهُ اَنۡ يَا اِبۡرَاهِيۡمَ آواز دی ہم نے ابراہیم کو کہ اے ابراہیم لہٰذا نہیں کہا جائے گا قُلۡتُ لَه اَن اكۡتُبۡ (میں نے اس سے کہا کہ تو لکھ) اس لیے کہ قُلۡتُ صراحتاً لفظ قول ہے نہ کہ اس کے معنی میں ہے۔

تشریح: حَرفَا التَّفۡسِيۡر : حَرفَا صیغۂ تثنیہ ہے نون اس کا بوجہ اضافت ساقط ہو گیا۔ حروف تفسیر اُنۡ کو کہا جاتا ہے، جو کسی مبہم چیز کی وضاحت کے لیے موضوع ہوں۔ ایسے حروف دو ہیں ای وان فرق دونوں میں یہ ہے کہ ای مطلقاً مبہم چیز کی تفسیر بیان کرتا ہے خواہ وہ چیز مفرد ہو یا جملہ ہو مفرد کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان وَاسۡئَلِ الۡقَرۡيَةَ اَىۡ اَهۡلَ الۡقَرۡيَةِ قریہ سے مراد اہل قریہ ہیں ای حرف تفسیر نے اهل القرية سے اسی کی تفسیر کی ہے۔

اور جملہ کی مثال جیسے قُطِعَ رِزۡقُ اللِّصَ اَىۡ مَاتَ تو اس میں ای حرف تفسیر نے پورے جملہ کی تفسیر بیان کی کہ چور کے رزق کے منقطع ہونے سے مراد اس کا مرجانا ہے۔

وَاَنۡ اِنَّمَا يُفَسَّرُ بِهَا الخ: اور ان کے ذریعہ سے ایسے فعل کے مفعول کی تفسیر کی جاتی ہے جو قول کے معنی میں ہو پھر وہ مفعول جس کی ان تفسیر کرتا ہے اکثر مقدر ہوتا ہے جیسے لفظ امر اور نداء اور کتابت وغیرہ ہیں اس کی مثال کلام الٰہی سے دیتے ہیں جیسے وَنَادَيۡنَاهُ اَنۡ يَا اِبۡرَاهِيۡمَ اور امر کی مثال جیسے اَمَرۡتُهٗ اَنۡ اَقُمۡ اور کتابت کی مثال جیسے كَتَبۡتُ اِلَيۡهِ اَنۡ اَكۡرِمۡ۔ اب کلام الٰہی پر ایک نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ نَادَيۡنٰهُ میں نداء بمعنی القول ہے چونکہ نداء بغیر قول کے ہو نہیں سکتی اور اَنۡ يَا اِبۡرَاهِيۡمَ نَادَيۡنٰهُ کے مفعول مقدر کی تفسیر ہے اس لیے اس کی اصل عبارت ہوگی وَنَادَيۡنَاهُ بِلَفۡظٍ هُوَ قَوۡلُنَا يَا اِبۡرَاهِيۡمَ۔

فَلَا يُقَالُ قُلۡتُ لَه الخ: اب مسئلۂ سابقہ پر اس مسئلہ کو متفرع فرماتے ہیں کہ جب اَنۡ ایسے فعل کے مفعول کی تفسیر بیان کرتا ہے جو بمعنی قول ہو اس لیے ایسے فعل کے مفعول کی تفسیر بیان نہیں کرے گا جو صراحتاً قول ہو اور نہ ایسے فعل کے مفعول کی تفسیر کرے گا جو بمعنی قول نہ ہو لہٰذا قُلۡتُ لَهٗ اَن اكۡتُبۡ کہنا جائز نہ ہوگا اس لیے کہ قُلۡتُ فعل صراحتاً قول ہے بمعنی قول نہیں ہے۔

فائده: اگر کوئی یہ سوال کرے کہ مَا قُلۡتُ لَهُمۡ اِلَّا مَا اَمَرۡتَنِىۡ بِه اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰه میں تو اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰه قلت فعل صریح قول کی تفسیر بیان کررہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰه مَا اَمَرۡتَنِىۡ بِه کی تفسیر کررہا ہے نہ کہ قول کی۔ ترجمہ آیت یہ ہے کہ میں نے ان سے نہیں کہا مگر جس بات کا تو نے مجھ کو حکم دیا ہے یعنی یہ کہ اللہ کی عبادت کرو، یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان مفسرہ کا مابعد اپنے ماقبل کا صلہ نہیں ہوتا ہے جس سے کسی کو یہ دھوکہ لگے کہ کلام اس کے بغیر تمام نہیں ہوگا، چونکہ ماقبل کا صلہ نہیں ہے اس لیے اس کے بغیر کلام تام ہو جائے گا، یہ بھی

نہیں کہ آیت وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔میں ان حرف تفسیر نہیں ہے، بلکہ مخففہ عن المثقلہ ہے چونکہ اَنِ الْحَمْدُ الخ خبر ہے وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ مبتداء کی اس سے ہم نے یہ بتلانا چاہا ہے کہ ان کے تفسیر یہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کا ماقبل اس کا محتاج ہے بغیر اس کے کلام تام نہیں ہوگا۔

تمرین:

حروف تفسیر کی تعریف کیجئے، ساتھ ہی یہ بتلایئے کہ دونوں حروف تفسیر میں کیا فرق ہے۔

الجمل العربية:

أكرمني صديقك، أي راشد، ناديناه أن يا إبراهيم، وأوحينا إلى أمك ما يوحىٰ أن اقذفيه، وكتب إليك أن تجتهد في القرأة، أمرته أن أقُم.

فصل حُروفُ المَصدر ثلثة ما وانْ وانَّ فالاُولَيان للجُملَة الفِعلِيةِ كقولِه تعَالىٰ وَضَاقَتْ عَلَيْهِم الارضُ بِمَا رَحُبَت اى برُحبِهَا وقَولِ الشَّاعِرِ شعر يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِيْ، وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابَا وانْ نحو قوله تعالىٰ فَمَا كَانَ جوَابَ قومِه اِلَّا انْ قَالُوا اَى قولهم وانَّ للجُملةِ الاسْمِيّة نحو علمتُ انَّكَ قَائِمٌ اى قيامَكَ.

ترجمہ: حروف مصدر تین ہیں مَا وانْ وَانَّ پس پہلے دو جملہ فعلیہ کے لیے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا قول وَضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الارضَ بِمَا رَحُبَتْ اَیْ بِرُحْبِهَا (ان پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہوگئی) اور شاعر کا قول شعر ۔

يَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِيْ وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابَا

خوش کرتا ہے انسان کو راتوں کا گذرنا اور حال یہ ہے کہ راتوں کا گذرنا عمر کا گذرنا ہے۔

اور اَنْ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے فَمَا كَانَ جوَابَ قَوْمِه اِلَّا اَنْ قَالُوْا اَیْ قَولهم (نہیں تھا ان کی قوم کا جواب مگر ان کی یہ بات) اور انَّ جملہ اسمیہ کے لیے ہے جیسے عِلِمْتُ اَنَّكَ قَائِمٌ اَیْ قِيَامَكَ۔

تشریح: حُرُوفُ المصدر ثلٰثَةٌ الخ :حروف مصدر ان حروف کو کہتے ہیں جو جملہ کو مصدر کے معنی میں کردیتے ہیں وجہ تسمیہ ان حروف کے صلہ کے باوجود اپنے معنی پر باقی رہنے کے اس پر مصدر کے احکام جاری ہوتے ہیں، اس وجہ سے ان کو حروف مصدر کہتے ہیں حروف مصدر تین حروف ہیں (۱) ما (۲) اَنْ (۳) اَنَّ۔ ان تینوں میں سے ما وان (بفتح الهمزة وسكون النون) یہ دونوں جملہ فعلیہ کے ساتھ خاص ہیں اس لیے یہ صرف جملہ فعلیہ پر ہی داخل ہوسکیں گے پھر جملہ فعلیہ پر داخل ہوکر اس کو مفرد کے حکم میں کردیں گے۔ ما کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَضَاقَتْ عَلَيْهِم الارض بِمَا رَحُبَت اس میں ما رحبت فعل ماضی پر داخل ہوکر

اس کو مصدر کے معنی میں کر رہا ہے لہٰذا رحبت معنی میں برحبہا مصدر کے ہوگا اور شاعر نے بھی اس کی مثال اپنے ایک شعر میں پیش کی ہے۔

یَسُرُّ الْمَرْءَ مَا ذَهَبَ اللَّيَالِيْ وَكَانَ ذَهَابُهُنَّ لَهُ ذَهَابَا

تشریح: شعر یَسُرُّ فعل مضارع معروف مسرت باب نصر ینصر سے بمعنی خوش کرنا المرأ اس کا مفعول ما ذہب میں ما مصدریہ اپنے صلہ سے مل کر مصدر کے معنی میں ہوکر فاعل ہوگا یَسُرُّ فعل کا اور لیالی (جمع لیل کی) فاعل ہے ذہب فعل کا اور آئندہ جملہ بتقدیر قد حال ہے مرء سے یا لیالی سے اس کا ترجمہ ایک فارسی دان شاعر نے یوں کیا ہے شب و روز در عیش و عشرت گذاری تو غافل بخسپی و عمرت گذاری یعنی تو نے رات دن عیش و عشرت میں گذار دیئے تو غفلت کے ساتھ سوتا رہا اور اسی غفلت میں اپنی تمام عمر گذار دی۔

وَاَنْ نحوُ قوله تعالیٰ الخ: اور اَنْ کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فما کَانَ جواب قومِهِ اِلَّا اَنْ قَالُوا اس میں ان مصدریہ ہے اس لیے ان قالوا معنی میں قولهم مصدر کے ہوگا۔

وَاَنَّ لِلجُمْلَةِ الاسمِيَّة: حروف مصدر میں سے اَنَّ جملہ اسمیہ کے ساتھ خاص ہے اس لیے جملہ اسمیہ پر داخل ہوکر اس کو حکم میں مصدر کے کردے گا جیسے عَلِمْتُ اَنَّكَ قَائِمٌ جملہ دخول اَنَّ کی وجہ سے علمتُ قِيَامَكَ کے معنی میں ہے۔

فائدہ: جب ان مثقلہ پر مائے کافہ داخل ہوجائے تو پھر یہ جملہ فعلیہ پر بھی داخل ہوجاتا ہے جیسے عَلِمْتُ اَنَّمَا قُمْتَ۔

تمرین:

حروف مصدر کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے اور تعداد بتلایئے اور ان کا کیا حکم ہے۔

الجمل العربية:

وحُرِّم عليكم صيد البرّ ما دُمتم حرُماً ، عزيز عليه ما عَنِتُّم كاد الفقر أن يكون كفراً، أرى أن السعي واجب لكل عملٍ، إني أرى في المنام أني أذبحک. لم يكد أن يؤدي القرض.

فصل حُرُوف التحضيضِ اربعةٌ هَلا واَلّا ولَو لَا ولَو مَا لَهَا صَدر الكلامِ ومعناهَا حَضٌّ على الفِعلِ اِنْ دَخَلَتْ على المضارع نحو هلا تأكُلُ ولومٌ ان دخَلَتْ على الماضِي نحو هَلا ضربْتَ زَيداً وحِينئِذٍ لاتكونُ تحضيضاً اِلّا باعتبار مافات ولا تدخُلُ الا على الفِعل كما مرّ واِنْ وقَع بعدَهَا اسمٌ فباضمار فعلٍ كما تقولُ لمن ضَرَب قومًا هَلا زَيدًا اَى هَلا ضَربت زيداً وجَمِيعُها مركبةٌ جزوها الثاني حَرفُ النفي والاولُ

حرف الشرط اَو الاستفھامِ اَو حَرف المصدر وللولاَ معنًی اٰخرُ ھُوَ امتِناعُ الجملَة الثانية لِوَجودِ الجُملَة الاولٰی نحو لَو لا عَلِیّ لَھَکَ عُمَرُ وحِینئِذٍ تحتاجُ الٰی جملتَینَ اُولٰھما اسمِیةٌ اَبَداً.

ترجمه: حروف تحضیض چار ہیں ھَلّا واَلّا وَلَوْ لا وَلَوْ مَا ان کے لیےصدارت کلام ضروری ہےاور ان کے معنی ہوتے ہیں فعل پر برانگیختہ کرنا اور ابھارنا اگر یہ مضارع پر داخل ہوں جیسے ھَلَّا تَاكُلُ (کیونکہ نہیں کھاتا ہے تو) اور اگر یہ ماضی پر داخل ہوں تو ان کے معنی ملامت کے ہوتے ہیں جیسے ھَلَّا ضَرَبْتَ زَیْدًا تو نے زید کو کیوں نہیں مارا۔ اور اس وقت ان کے معنی تحضیض کے نہیں ہوتے مگر اس چیز کے اعتبار سے جو فوت ہوگئی اور یہ حروف تحضیض صرف فعل ہی پر داخل ہوتے ہیں جیسا کہ گذر گیا اور اگر ان کے بعد کوئی اسم واقع ہو جائے تو وہ اسم معمول ہوگا فعل مقدر کا جیسا کہ تو اس شخص سے کہے کہ جس نے قوم کو مارا، ھَلا زَیْدًا اَیْ ھَلَّا ضَرَبْتَ زَیْدًا ، اور یہ سب کے سب مرکب ہوتے ہیں ان کا جزء ثانی حرف نفی ہوتا ہے اور جزء اول حرف شرط ہوتا ہے یا حرف استفہام یا حرف مصدر اور لولا کے ایک دوسرے معنی اور ہیں وہ معنی ہیں جملہ ثانیہ کا ممتنع ہونا (نا پایا جانا) جملہ اولی کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے لَوْ لَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ اگر علی موجود نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا اور اس وقت یہ دو جملوں کا محتاج ہوتا ہے ان دونوں میں سے جملہ اولی ہمیشہ اسمیہ ہوتا ہے۔

تشریح: حُرُوف التَّحْضِيْضِ اَرْبَعَةٌ الخ: تحضیض باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا مادہ حض ہے اب تحضیض کا مطلب ہوگا مخاطب کو کسی فعل آئندہ پر برانگیختہ کرنا، ابھارنا۔

حروف تحضیض چار ہیں (۱) ھَلّا (۲) اَلَّا (۳) لَوْ لَا (٤) لَوْمَا، لَھَا صدر الكلام۔ ان سب حروف کے لیے صدرات کلام ضروری ہے۔ ضروری اس لیے ہے کہ کلام کی چونکہ مختلف انواع واقسام ہیں تو یہ حروف ان انواع مختلفہ میں چونکہ ایک نوع پر دلالت کرتے ہیں تو صدارت کلام اس لیے ضروری ہوئی تا کہ شروع ہی سے یہ بات معلوم ہو جائے کہ کلام فلاں نوع سے تعلق رکھتا ہے۔

وَمَعْنَاھَا الخ: یہ حروف اگر فعل مضارع پر داخل ہوں گے تو ان کے معنی فعل آئندہ پر برانگیختہ کرنے کے لیے ہوں گے جیسے ھَلَّا تَاكُلُ اس میں متکلم مخاطب کو برانگیختہ کر رہا ہے کہ تو کیوں نہیں کھا رہا ہے۔

وَلَوْمٌ الخ: اور اگر یہ حروف فعل ماضی پر داخل ہوں تو ان کے معنی ملامت اور تندیم (شرمندہ کرنے) اور کسی فعل کے ترک پر ڈانٹ ڈپٹ کرنے کے ہوں گے، ملامت کرنے کی مثال جیسے ھَلَّا ضَرَبْتَ زَیْدًا اس میں متکلم مخاطب کو ملامت کرتے ہوئے یہ کہہ رہا ہے کہ تو نے بہت برا کیا زید کو کیوں نہیں مارا زید کو مارنا نہ چاہئے تھا، اور تندیم کی مثال جیسے اس شخص کو کہ جس نے قرآن کریم نہیں پڑھا یہ کہا جائے شرمندہ کرتے ہوئے ھَلَّا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ

وَحِیْنَئِذٍ الخ ،جس وقت یہ حروف فعل ماضی پر داخل ہوں گے اس وقت ان کے معنی تحضیض کے نہیں ہوں گے بلکہ باعتبار مافات کے ان کو حروف تحضیض کہہ دیا جاتا ہے اس عبارت سے مصنف گویا کہ ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں وہ سوال یہ کہ فعل ماضی پر داخل ہوکر جب ان کے معنی لوم وغیرہ کے آتے ہیں تو پھر ان کو اس وقت میں حروف تحضیض نہیں کہنا چاہئے تو اس کا جواب دیا کہ اس وقت ان کے معنی تحضیض کے تو نہیں ہوں گے مگر ان کو حروف تحضیض اس اعتبار سے کہہ دیا جاتا ہے کہ مخاطب سے فعل ترک ہوگیا گویا اس ترک فعل پر مخاطب کو آئندہ کے لیے برانگیختہ کیا جارہا ہے۔

وَلَا تَدْخُلُ الخ :حروف تحضیض صرف فعل ہی پر داخل ہوتے ہیں چونکہ تحضیض صرف فعل ہی پر ہوتی ہے نہ کہ اسکے علاوہ کسی اور کے اوپر۔ وہ فعل خواہ لفظاً ہو جیسا کہ ابھی اس کی امثلہ گذری ہیں، یا تقدیراً ہو، جس کی طرف مصنفؒ نے اپنے قول وَاِنْ وَقَعَ بَعدَهَا اِسمٌ الخ ،سے اشارہ کیا ہے کہ اگر ان حروف کے بعد کوئی اسم واقع ہو تو وہ اسم اس فعل مقدر کا معمول ہوگا جو ان حروف کے بعد واقع ہے جیسے کسی ایسے شخص سے جس نے قوم کو مارا ہے اور قوم میں زید بھی شریک ہے اس کو نہ مارا ہو تو اس کو یہ کہا جائے کہ هَلَّا زَیْدًا تو یہاں پر فعل ضربت مقدر ہے اس کو قرینہ حالیہ کی وجہ سے حذف کردیا اصل عبارت ہوگی هَلَّا ضَرَبْتَ زَیداً، وَجَمِیْعُهَا مُرَکَّبَةٌ الخ ،حروف تحضیض تمام کے تمام دو جزء سے مرکب ہوتے ہیں ان کا جزء ثانی حرف نفی ہوتا ہے اور جزء اول بعض میں حرف شرط ہوتا ہے جیسے لولا اور لوما کے اندر اور بعض میں حرف استفہام ہوتا ہے، جیسے هلا کے اندر اور بعض میں حرف مصدر ہوتا ہے جیسے الا میں ان مصدریہ ہے وَلِلَوْلَا مَعْنًی آخَرَ الخ ،اور لو لا کے تحضیض کے علاوہ ایک معنی اور ہوتے ہیں اور وہ معنی یہ کہ جملہ ثاینہ کی نفی ہوتی ہے جملہ اولی کے موجود ہونے کی وجہ سے یعنی جملہ ثانیہ کا وجود اس لیے نہیں کہ جملہ اولیٰ موجود ہے جیسے لَوْ لَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرَ اَیْ لَولَا عَلِیٌّ مَوْجُوْدًا لَهَلَكَ عُمَر اگر علی موجود نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوجاتے مگر علی موجود تھے اس لیے عمر ہلاک نہیں ہوئے۔

فائدہ: اس جملہ سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک حاملہ عورت نے زنا کرلیا تھا حضرت عمر نے زنا کی وجہ سے اس کو سنگسار کرنے کا حکم صادر فرمادیا تو حضرت علیؓ نے اس موقع پر فرمایا کہ اگرچہ عورت زانیہ ہے گنہگار ہے مگر بچہ پیٹ میں ہے اس کا تو کوئی قصور نہیں ہے، اس لیے مسئلہ یہ ہے کہ اس وقت عورت کو سزا نہ دی جائے گی، بلکہ ولادت کے بعد سزا دی جائے گی، جب بچہ کھانا کھانے کے قابل ہوجائے اس موقع پر حضرت عمر نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ اگر علی اس وقت نہ ہوتے تو میں یہ گناہ کا کام کر بیٹھا ہوتا جس سے میں ہلاک ہوجاتا۔

وَحِیْنَئِذٍ تَحْتَاجُ الخ :جس وقت لولا اس معنی ثانیہ کے لیے ہوگا تو اسوقت یہ دو جملوں کا محتاج ہوگا جن میں پہلا جملہ ہمیشہ اسمیہ ہوگا خواہ جملہ ثانیہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔

تمرین:

حروف تحضیض کتنے ہیں، تعداد کتنی ہے حکم کیا ہے وضاحت سے بیان فرمایئے۔

الجمل العربية:

هلاَّ قرأت القرآن، هلا تجتهد في الدرس، ألَّا تشترك معنا في المراجعة، ألا تحبون أن يغفر الله لكم، لولاك لما خلقت الأفلاك، لو لاك علي لهلك عمر، لولا أن اشق على أمتي لأمرتهم بالسواك، لوما المدارس الإسلامية العربية في الهند لصعب تحفظ شعائر الإسلام فيها.

فصل حَرفُ التَّوقّعِ قد وهِيَ في الماضي لتقريب الماضِي الَى الحالِ نحو قدركب الاميرُ اَى قُبَيْلَ هٰذا ولاجْلِ ذٰلِكَ سُمِّيَتْ حرفَ التقريب ايضًا ولهٰذَا تلزمُ الماضِي ليصلحَ اَن يقعَ حَالًا وقد تجيء للتاكيدِ اِذَا كَان جَوَابًا لمن يَّسأَلُ قَامَ زيدٌ تقولُ قد قَامَ زيدٌ وفي المضارع للتقليل نحو اِنَّ الكَذوبَ قد يصدُقُ وان الجَوَّادَ قد يَبْخلُ وقد تجيءُ لِلتحقيق كقوله تعَالى قَدْ يَعْلَمُ اللهُ المُعوِقِيْنَ ويجُوزُ الفَصلُ بينَهَا وبينَ الفِعلِ بِالقَسمِ نحو قَدْ واللهِ اَحْسَنْتَ وقد يُحذف الفِعْلُ بعد قَدْ عندَ القرينةِ كقَول الشاعِرِ شعر .

اَفِدَ الترحُّلُ غَيْرَ اَنَّ رِكَابَنَا لَمَّا تزُلْ بِرِحالِنَا وَكَانَ قَدِنْ اى وكَانْ قَدْ زَالَتْ

ترجمہ: حرف توقع قَد ہے اور وہ ماضی میں ماضی کو حال کے قریب کر دینے کے لیے موضوع ہے جیسے قَدْ رَكَبَ الاَمِيرُ اَىْ قُبَيلَ هٰذَا امیر ابھی ابھی آیا ہے، یعنی تھوڑی دیر پہلے اور اسی وجہ سے اس کا نام حرف تقریب بھی رکھا گیا ہے اور اسی وجہ سے قد کے لیے ماضی کا ہونا لازم ہے تا کہ وہ صلاحیت رکھے اس بات کی کہ وہ حال واقع ہو جائے اور کبھی قد تاکید کے لیے آتا ہے جب کہ جواب ہو اس شخص کا جو کہ سوال کر رہا ہو هَل قَامَ زَيدٌ تو کہے (اس کو جواب دینے کے لیے) قَدْ قَامَ زَيْدٌ (یقیناً زید کھڑا ہے) اور قد مضارع میں تقلیل کے لیے آتا ہے جیسے ان الكَذُوبَ قَدْ يَصْدُقُ (بے شک جھوٹا شخص کبھی کبھی سچ بول دیتا ہے) وَانَّ الجَوَادَ قَدْ يَبْخَلُ اور بے شک کبھی کبھی سخی آدمی بخل کرنے لگتا ہے اور کبھی قد تحقیق کے لیے آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ المعَوِّقِيْنَ (بے شک اللہ تم میں باز رہنے والوں کو جانتا ہے) اور جائز ہے اس کے اور فعل کے درمیان قسم کے ذریعہ سے فصل کرنا جیسے قَدوَ اللّٰهِ اَحْسَنْتَ۔ اللہ کی قسم بے شک تو نے اچھا کیا، اور کبھی قد کے بعد قرینہ کے وقت فعل کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے جیسے شاعر کا قول ہے۔

اَفِدَ الترحُّلُ غَیرَ اَنَّ رِکَابَنَا لَمَّا تزُلُ بِرِحالِنَا وَکَانَ قَدِنْ ای وکَانْ قَدْ زَالَتْ

ترجمہ: نزدیک ہوگیا کوچ کرنا مگر ہمارے وہ اونٹ جن پر ہم نے سفر کیا ہے انہوں نے کوچ نہیں کیا ہے ہمارے کجاوٴں کے ساتھ گویا کہ ان کی شان یہ ہے کہ بے شک وہ قریب ہیں کہ وہ کوچ کریں گے ہمارے سفر کے ارادہ کی وجہ سے۔

تشریح: حَرْف التَّوقُّعِ قَدْ الخ:

حرف توقع صرف قد ہے اس میں تحقیق کے معنی پائے جاتے ہیں خواہ یہ ماضی پر داخل ہو یا مضارع پر اسی سے اس کی وجہ تسمیہ بھی سمجھ میں آ گئی کہ چونکہ اس حرف کے ذریعہ سے اس شخص کو جو خبر کا متوقع اور امیدوار ہے اس کو خبر دیتے ہیں اس لیے اس کو حرف توقع کہتے ہیں۔

وَھِیَ فِی الْمَاضِی الخ :اگر یہ حرف قد ماضی پر داخل ہو تو ماضی کو حال کے معنی کے قریب کر دیتا ہے جیسے آپ اس شخص کو جو امیر کی سواری کا متوقع ہے یہ کہیں قَدْ رَکِبَ الامِیْر یعنی عنقریب جس چیز کی تو امید رکھے ہوئے تھا بے شک وہ حاصل ہوگئی۔ بالکل بعینہ اسی قبیل سے ہے مکبر (تکبیر کہنے والا) کا قول۔

قَدْقَامَتِ الصَّلٰوۃ: ان دونوں میں تین معنی جمع ہوگئے ایک تحقیق دوم توقع سوم تقریب۔

فائدہ: کبھی کبھی قَدْ صرف تحقیق اور تقریب کے لیے ہوتا ہے جیسے آپ قَدْ رَکِبَ الاَمِیْر اس شخص کو کہیں جو کہ امیر کی سواری کا متوقع نہ ہو۔

وَلاَجلِ ذٰلِکَ الخ: قد چونکہ ماضی کو حال کے معنی کے قریب کر دینے کے لیے آتا ہے اس لیے اس کا نام حرف تقریب بھی ہے۔

وَلِھٰذَا تَلْزَمُ الخ :اور اس وجہ سے کہ قد ماضی کو حال کے قریب کر دینے کے لیے موضوع ہے اس کا ماضی کے ساتھ ہونا لازم ہے تا کہ ماضی حال واقع ہونے کی صلاحیت رکھے، چونکہ وہ ماضی جو کہ حال واقع ہوگی وہ عامل کے زمانہ پر مقدم ہوگی جیسا کہ جب کہ تو یہ کہے جَاءَ نِیْ زَیْدٌ قَدْ رَکِبَ اَبُوْہُ تو رکوب (سوار ہونا) مَجِیْءُ (آنے) پر مقدم ہوگا اور یہ بات آپ حال کے بیان میں پڑھ چکے ہیں حال اور اس کے عامل دونوں کا زمانہ ایک ہوتا ہے دونوں کے زمانہ کا مختلف ہونا ممنوع ہے اس لیے قد کے لیے ماضی کو حال کے قریب کر دینا ضروری ہے تا کہ عمل کا زمانہ قریب ہو جائے اور قریب شئ اس شئ کے حکم میں ہوتی ہے۔

وَقَدْ تَجِیءُ لِلتَّاکِیْد الخ: اور کبھی کبھی قد صرف تاکید کے لیے ہوتا ہے تقریب کے معنی سے بالکل خالی ہوتا ہے قد تاکید کے لیے اس وقت ہوتا ہے جب کہ قَدْ کا مدخول اس شخص کا جواب واقع ہو رہا ہو جو کہ سوال کرتے ہوئے کہہ رہا ہو ھَل قَام زید تو آپ نے اس کے جواب میں کہا قَدْ قَامَ زَیْدٌ تو اس میں قد تاکید کے لیے ہے۔

وَفِی المُضَارِع الخ :اگر قد مضارع پر داخل ہو تو تقلیل کے معنی کے لیے موضوع ہوگا جیسے اِنَّ الکُذُوبَ قَدۡ یَصۡدق وَاِنَّ الۡجَوَادَ قَدۡ یَبۡخَلُ ان دونوں مثالوں میں قد تقلیل (قلت بیان کرنے) کے لیے ہے۔ کذوب بروزن فعول مبالغہ کے واحد کا صیغہ ہے بمعنی بہت جھوٹ بولنے والا اور قد بجائے تقلیل کے مقام مدح میں تکثیر کے لیے استعمال ہوتا ہے جیسے قَدۡ یَعۡلَم اللّٰہُ الَّذِیۡنَ یَتَسَلَّلُوۡنَ مِنۡکُمۡ لِوَ اذًا اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے چپکے سے کھسک جاتے ہیں۔اس میں قد تکثیر و تحقیق دونوں کے لیے موضوع ہے۔

وَقَدۡ تَجِیۡءُ الخ :اور کبھی قد مضارع میں بھی تحقیق کے لیے آجاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے قَدۡ یَعۡلَم اللّٰہ المُعَوِّقِیۡن اس میں قد برائے تحقیق ہے۔

وَیَجُوۡزُ الۡفَصۡلُ الخ : قَدۡ اور اس کے فعل کے درمیان قسم کے ذریعہ سے فصل پیدا کر دینا بھی جائز ہے جیسے قَدۡ وَاللّٰہِ اَحۡسَنۡتَ بے شک اللہ کی قسم تو نے اچھا کیا۔

وقد یحذف الخ:اور قد کے بعد کبھی کبھی اس کے فعل کو حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ اس کے حذف پر قرینہ موجود ہو جیسے شاعر کا یہ قول ہے۔

اَفِدَ الترحُّلُ غَیۡرَ اَنَّ رِکَابَنَا لَمَّا تزُلُ بِرحالِنَا وَکَانۡ قَدِنۡ

یہ شعر زیاد بن معاویہ کا ہے اَفِدَ بروزن سَمِعَ ہے بمعنی نزدیک ہونا اور تَرَحُّلُ باب تفعل کا مصدر ہے بمعنی رحلت اور کوچ کرنا یہ فاعل ہے افد فعل کا اور غیر بمعنی اِلَّا حرف استثناء ہے اور رِکَاب بکسر الراء ہے بمعنی وہ اونٹ جن پر سفر کیا جاتا ہے۔یہ ترکیب میں ان کا اسم ہے اور لَمَّا حرف نفی ہے جو فعل مضارع تَزُوۡلُ پر داخل ہو کر اس کو جزم دے رہا ہے، علامت جزم سقوط حرف علت ہے رحال جمع ہے رحل کی بمعنی پالان یہ خبر ہے ان کی اور کانۡ مخفف ہے کَاَنَّ مُشَدَّدۡ کا اسی لیے ملغی ہے۔گویا کہ اس کا اسم ضمیر واحد مؤنث غائب ہے جو کہ راجع ہے رکاب کی طرف اور قَدۡ زَالَتۡ اس کی خبر ہے معنی شعر یہ ہیں رحلت کرنا قریب ہو گیا مگر ہمارے وہ اونٹ جن پر سفر کرتے ہیں انہوں نے کوچ نہیں کیا ہمارے کجاووں کے ساتھ گویا کہ ان اونٹوں کی شان یہ ہے کہ یقیناً وہ قریب ہے کہ کوچ کریں گے ہمارے سفر کا پختہ ارادہ کرنے کی وجہ سے۔

تمرین:

حرف توقع کے بارے میں بتلائیے کہ یہ ماضی پر داخل ہو کر کیا معنی دیتا ہے، اور مضارع پر داخل ہو کر کیا معنی دیتا ہے مع مثال بیان کیجئے۔

(۲) مصنفؒ شاعر کے اس شعر سے کیا بتلانا چاہتے ہیں:اَفِدَ الترحُّلُ غَیۡرَ اَنَّ رِکَابَنَا لَمَّا تزُلُ بِرحالِنَا وَکَانۡ قَدِنۡ.

الجمل العربية:

قد ذهب القطار، قد واللہ نصرت الدين، قد ينقطع التيار الكهربائی، (لائٹ کبھی کبھی کٹتی ہے) قد جاء الأستاد، قد قامت الصلوة، قد يعلم الله الذين يتسللون منكم لواذا (اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو تم میں سے چپکے سے کھسک جاتے ہیں)۔

فصل حرفَا الاستفهَام الهمزةُ وهَلْ لَهُمَا صدرُ الكلامِ وتدخُلان علَى الجملةِ اسْميَّة كانَتْ نحو ازيدٌ قائِمٌ او فعليةً نحو هَل قام زيدٌ ودخُولهُمَا على الفعلِيَّةِ اكثر اِذِ الاستِفهَامُ بالفِعلِ اولٰى وقد تدخُلُ الهمزة فى مَوَاضِعَ لا يجُوزُ دُخولُ هلْ فِيها نحو ازيداً ضَرَبت واَتَضْربُ زَيدًا وهُو اخُوكَ وازيدٌ عِندَكَ امْ عمرٌو واَومَن كانَ وافمَنْ كان واثم اِذَا مَا وَقَعَ ولا تُستَعْمَلُ هَلْ فى هذِه المَواضِع وههُنا بحثٌ.

ترجمہ: حرف استفہام دو حرف ہیں ہمزہ اور ہل ان دونوں کے لیے صدارت کلام ضروری ہے اور یہ دونوں جملہ پر داخل ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ اسمیہ ہو جیسے اَزَيدٌ قَائِمٌ یا فعلیہ ہو جیسے هَلْ قَامَ زَيدٌ اور اکثر ان کا دخول فعلیہ پر ہوتا ہے اس لیے کہ استفہام (بہ نسبت اسم کے) فعل کے ساتھ زیادہ بہتر ہے اور کبھی ہمزہ ایسے مواقع میں داخل ہوتا ہے کہ جن مواقع میں ھل کا دخول جائز نہیں جیسے اَزَيدًا ضَرَبْتَ وَاَتَضرِبُ زَيدًا وَهُوَ اَخُوكَ کیا مارا تو نے زید کو، اور کیا مارے گا، تو زید کو حالانکہ وہ تیرا بھائی ہے وازید عندک ام عمرو اور (چوتھا موضع یہ ہے کہ ہمزہ حرف عطف کے اوپر داخل ہوتا ہے نہ کہ ہل جیسے) اَوَ مَنْ كَانَ اور اَفَمَنْ كَانَ اور اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اور ان مواضع میں ہل استعمال نہیں ہوتا اور اس جگہ بحث ہے۔

فصل حرفَا الاستفهَام الهمزةُ وهَلْ الخ:

حروف استفہام دو حرف ہیں (۱) ہمزہ (۲) ھل ان دونوں کے لیے بھی صدارت کلام ضروری ہے چونکہ یہ دونوں بھی کلام کی انواع مختلفہ میں سے ایک نوع پر داخل ہوتے ہیں یعنی نوع استفہام پر، تو ان دونوں کے لیے بھی صدارت ضروری ہے تاکہ اول امر ہی میں یہ بات معلوم ہو جائے کہ کلام اس نوع سے تعلق رکھتا ہے۔

اور یہ دونوں جملہ پر داخل ہوتے ہیں خواہ وہ جملہ فعلیہ ہو یا اسمیہ، اسمیہ کی مثال جیسے اَزَيدٌ قَائِمٌ اور فعلیہ کی مثال جیسے هَلْ قَامَ زَيدٌ، ہمزہ جب کہ جملہ فعلیہ پر داخل ہو اس کی مثال جیسے اَقَامَ زَيدٌ اور ھل کے جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کی مثال جیسے هَلْ زَيدٌ قَائِمٌ۔

فائدہ: ہمزہ اس جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے کہ جس کی خبر خواہ اسم ہو یا فعل جیسے اَزَيدٌ قَائِمٌ واَزَيدٌ قَامَ ھل اس جملہ اسمیہ پر داخل نہیں ہوتا کہ جس کی خبر فعل ہوتی ہے لہٰذا هَل زَيدٌ قَام نہیں کہہ سکتے مگر بطریق

وجہ اس کی یہ ہے کہ ھل باعتبار اصل کے بمعنی قد ہوتا ہے جیسا کہ کلام الٰہی میں اسی اصل کے مطابق آیا ہے ھَلْ اَتٰی عَلَی الِانْسَانِ اَیْ قَدْ اَتٰی عَلَی الِانْسَانِ۔

وَدُخُولُهَا عَلَى الفِعْلِيَّةِ الخ : یہاں سے اس مسئلہ کو بیان فرمارہے ہیں کہ کلام کے بعض مواقع ایسے ہیں جن میں صرف ہمزہ ہی ہوتا ہے ھـــل کا داخل ہونا ان مقامات میں جائز ہی نہیں چنانچہ مصنفؒ نے ایسے چار مواقع بیان فرمائے۔ پہلا موقع یہ ہے کہ ہمزہ باوجود فعل کے ہونے کے اسم پر داخل ہوجاتا ہے جیسے أَزَيْدًا ضَرَبتَ مگر هَلْ زَيْدًا ضَربتَ کہنا جائز نہیں ہے۔

دوسرا موقع یہ ہے کہ ہمزہ استفہام انکاری کے لیے ہوتا ہے جب کہ ھــل استفہام انکاری کے لیے نہیں ہوتا لہٰذا أَتَضرِبُ زَيْدًا وَهُوَ اَخُوكَ کہہ سکتے ہیں مگر هَلْ تَضرِب زَيْدًا وَهُوَ اَخُوكَ نہیں کہہ سکتے۔

تیسرا موقع یہ ہے کہ ہمزہ کا استعمال ام متصلہ کے ساتھ ہوجاتا ہے برخلاف هل کے جیسے اَزَيْدٌ عِندَكَ اَمْ عَمرٌو مگر هَلْ زَيْدٌ عِندَكَ اَمْ عَمرٌو کہنا جائز نہیں۔

چوتھا موضع یہ ہے کہ ہمزہ حروف عطف پر داخل ہوجاتا ہے مگر ھـــــل کا دخول جائز نہیں جیسے کلام الٰہی میں أَوَمَنْ كَانَ وَاَفَمَنْ كَانَ وَاَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ مثال اول میں ہمزہ واؤ حرف عطف پر داخل ہورہا ہے اور دوسری میں فاء کے اوپر اور تیسری میں ثم کے اوپر، یہ یاد رہے کہ ھــل کا دخول حروف عطف پر اس وقت جائز نہیں جب کہ هل ہمزہ کے معنی میں نہ ہو اور اگر ہمزہ کے معنی میں ہو تو پھر دخول جائز ہے۔

وَلَا تُستَعمَلُ هَلْ الخ : ان چاروں مواضع مذکورہ میں هل کا استعمال جائز نہیں اور وجہ عدم جواز کی یہ ہے کہ موضع اول میں تو چونکہ ہل باعتبار اصل کے قد کے معنی میں ہے اور قد خاصہ ہے فعل کا اور جب ھــل استفہام کے معنی میں ہوتا ہے تو اس سے قبل ہمزہ مقدر ہوتا ہے چنانچہ هل خرج زید کی تقدیر اَهَلْ خَرَجَ زَيْدٌ ہے ہمزہ کو هل استفہام کے معنی میں کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا لہٰذا جب ھــل فعل کو اپنے بعد دیکھتا ہے تو اپنے معنی اصلی یعنی قــد کے معنی کو یاد کرتا ہے چونکہ باوجود معنی اصلی کے امکان کے اس کو ترک کرنا قبیح ہے اس لیے موضع اول میں هل کا استعمال جائز نہیں۔

اور صورت ثانیہ میں ھـل کا استعمال اس لیے جائز نہیں کہ ھـل اس معنی میں کبھی بھی استعمال نہیں ہوتا جس میں انکار کے معنی ہوں اور صورت ثالثہ میں اس لیے جائز نہیں کہ اصل کے اعتبار سے ام متصلہ ہمزہ کے ساتھ خاص ہے نہ کہ هل کے ساتھ۔

اور صورت رابعہ میں اس لیے ھـــــل کا استعمال ناجائز ہے کہ استفہام کے معنی میں ہمزہ اصل ہے۔ اور دوسرے اس لیے کہ ہمزہ هل سے مختصر ہے لہٰذا کثرت استعمال کے وہی زیادہ لائق ہوگا۔

وَهٰهُنَا بَحثٌ اور ہمزہ کے داخل ہونے کے مسئلہ میں ان مواضع میں کہ جہاں ھل کا دخول جائز نہیں اس میں بحث اور کلام ہے چونکہ جب یہ دونوں حرف استفہام ہونے میں شریک ہیں تو ھل کا استعمال بھی بقول معترض جائز ہونا چاہئے، اور اس جملہ کا یہ بھی مطلب ہوسکتا ہے کہ بعض مواقع ایسے بھی ہیں کہ جہاں ہل کا استعمال جائز ہے، مگر ان مواقع میں ہمزہ کا استعمال ناجائز چنانچہ موقع اول یہ ہے کہ حرف عطف کبھی کبھی ھل پر تو داخل ہوجاتا ہے جب کہ ہمزہ پر اس کا دخول کبھی بھی جائز نہیں جیسے آیت کریمہ کے اندر ہے فَهَلْ اَنْتُمْ شَاكِرُوْنَ وَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُوْنَ۔

دوسرا موقع یہ ہے کہ ام کے بعد ھل استعمال ہوتا ہے مگر ہمزہ استعمال نہیں ہوسکتا۔ جیسے أَمْ هَلْ تستوی الظلمت والنور۔ علاوہ ازیں بھی بہت سے مواقع ہیں جن کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں۔

تمرین:

حروف استفہام دو کون کون سے ہیں۔

(۲) دونوں کے لیے کیا احکام ہیں۔

(۳) دونوں کا مدخول کیا ہے۔

(۴) دونوں کے مابین فرق کیا ہے۔

الجمل العربية:

أدين الاسلام حق، فهل أنتم شاكرون، فهل أنتم منتهون، أتعلمت الدين أم الدنيا، ألم نشرح لک صدرک، هل جزاء الإحسان إلا الإحسان.

فصل حُرُوف الشرطِ اِنْ ولَوْ وَاَمَّا لها صدر الكلام ويَدْخُلُ كل واحد منها علَى الجُملَتَيْن اسميَّتَين كانَتَا اَوْ فِعليتين اَوْ مختلِفَتين فاِنْ للاستِقبالِ وَاِن دخلَتْ عَلى المَاضى نحو اِنْ زُرتَنِى اَكرمتُکَ ولو للمَاضى وان دخلَتْ على المضارع نحو لو تزورُنى اكرمتُکَ ويلزمهما الفِعلُ لفظًا كَمَا مرّ اَوْ تقديرًا نحو اِنْ انتَ زائرى فانا اُكرمُکَ واعلم اَنَّ اِنْ لا تُستَعمَلُ اِلَّا فى الأمور المشكوكة فَلا يقالُ آتِيکَ اِنْ طلَعَتِ الشمسُ بَل يُقال اٰتِيکَ اِذَا طلَعَتِ الشَّمْسُ.

ترجمہ: حروف شرط تین ہیں اِنْ ولَوْ واَمَّا ان کے لیے صدارت کلام ضروری ہے اور ان تینوں میں سے ہر ایک حرف دو جملوں پر داخل ہوتا ہے خواہ وہ دونوں جملے اسمیہ ہوں یا فعلیہ یا دونوں مختلف ہوں کہ ایک فعلیہ اور دوسرا اسمیہ پس ان استقبال کے لیے ہے اگرچہ ماضی پر داخل ہو جیسے اِنْ زُرْتَنِىْ اَكْرَمْتُكَ اور لَوْ ماضی کے

ہے اگر چہ مضارع پر داخل ہووے، جیسے لَوْ تَزُوْرُنِیْ اَکْرَمْتُكَ اور لازم ہے ان دونوں کو فعل لفظاً جیسا کہ گذرا یا تقدیراً ہو جیسے اِنْ اَنْتَ زَائِرِیْ فَاَنَا اُکْرِمُكَ اگر تو میری زیارت کرے گا تو میں تیرا اکرام کروں گا اور جان تو کہ ان نہیں استعمال ہوتا مگر امور مشکوکہ کے اندر لہٰذا نہیں کہا جائے گا آتِیْكَ اِنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ بلکہ کہا جائے گا آتِیْكَ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ۔

تشریح: حُرُوْفُ الشَّرطِ اِنْ ولَوْ وَاَمَّا یہ حروف شرط ہیں ان کے لیے بھی صدارت کلام ضروری ہے تا کہ اول ہی امر میں یہ معلوم ہو جائے کہ کلام کس نوع سے تعلق رکھتا ہے۔

وَیَدْخُلُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهَا الخ :تینوں حروف دو جملوں پر داخل ہوتے ہیں خواہ وہ دونوں جملہ اسمیہ ہوں یا فعلیہ پھر وہ دونوں خواہ حقیقت میں اسمیہ ہوں جیسا کہ اما کے اندر اور خواہ باعتبار ظاہر کے اسمیہ ہوں اور حقیقت میں فعلیہ ہوں جیسے وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ کہ ظاہر میں ان اسم پر داخل ہو رہا ہے مگر حقیقت میں فعلیہ پر داخل ہو رہا ہے اس لیے کہ اس کی اصل وَاِنْ اسْتَجَارَكَ اَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اسْتَجَارَكَ تھی۔

فائدہ: ہماری اس بیان کردہ تشریح سے کہ اسمیہ خواہ باعتبار ظاہر کے ہوں، اس سے مصنفؒ کی عبارت پر یہ اعتراض وارد نہیں ہوسکتا کہ مصنف نے فرمایا کہ حروف شرط میں سے ہر ایک جملہ اسمیہ وفعلیہ دونوں پر داخل ہوتے ہیں حالانکہ ان اور لو کبھی بھی اسم پر داخل نہیں ہوتے بلکہ ان کا مدخول ہمیشہ فعل ہوتا ہے جیسا کہ مصنفؒ نے بھی آگے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ویَلْزَمُهَا الفِعْلُ، ہماری بیان کردہ تعمیم سے یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے اور خواہ وہ دونوں جملے فعلیہ ہوں یا دونوں جملے مختلف ہوں اس طور پر کہ اول فعلیہ ہو اور ثانی اسمیہ یا اس کے برعکس۔

فَاِنْ لِلْاِسْتِقْبَالِ الخ :حروف شرط میں سے ان استقبال کے لیے آتا ہے اگر چہ یہ ماضی پر داخل ہو جیسے اِنْ زُرْتَنِیْ اَکْرَمْتُكَ اس پر ایک سوال یہ واقع ہوتا ہے کہ اِنْ اَکْرَمْتَنِیْ الْیَوم فَقَدْ اَکْرَمْتُكَ اَمْسِ میں آپ کیا کہیں گے چونکہ اس میں ان شرطیہ کے دخول کے باوجود ماضی ہی کے معنی موجود ہیں۔الجواب یہ قول اصل میں اِنْ اَکْرَمْتَنِی الْیَوْم فَقَدْ صَحّ الاخْبَارُ مِنِّیْ بعَدَ اکْرامِكَ الْیَوْمَ لِی بِاَنِّیْ اَکْرَمْتُكَ اَمْسِ کے معنی میں ہے لہٰذا فلا اشکال علیه معنی اس عبارت کے یہ ہوں گے اگر تو نے آج میرا اکرام کیا تو صحیح ہے میری جانب سے خبر دینا تیرا آج میرا اکرام کرنے کے بعد بایں طور کہ میں تیرا اکرام کل گذشتہ کر چکا ہوں۔

وَلَوْ لِلْمَاضِی الخ :اور لو ماضی کے لیے آتا ہے اگر چہ مضارع پر داخل ہووے جیسے لَوْ تَزُوْرُنِیْ اَکْرَمْتُكَ اگر تو نے میری زیارت کی تو میں نے بھی تو تیرا اکرام کیا ہے۔

فائدہ: لَوْ کبھی کبھی ان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے وَلَامَةٌ مُوْمِنَةٌ خَیْرٌ مِنْ مُشْرِكَةٍ وَلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ اَیْ اِنْ اَعْجَبَتْكُمْ (مؤمنہ باندی بہتر ہے مشرکہ آزاد عورت سے اگر چہ وہ تمہیں اچھی لگے) اما

فراء کا مذہب یہ ہے کہ لوکان کے ساتھ بمعنی مستقبل استعمال ہوتا ہے یہ اگر چہ قلیل ہے مگر ثابت ہے امام فراء کی اس بات کو مسترد نہیں کیا جا سکتا جیسے:

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ۔ علم حاصل کرو اگر چہ تمہیں چین جانا پڑے۔

وَيَلْزَمُهُمَا الْفِعْلُ الخ: اِنْ اور لَوْ دونوں کے لیے فعل کا ہونا لازم ہے خواہ وہ فعل لفظاً ہو جیسے کہ ماقبل میں مثال اس کی گذر چکی ہے یا تقدیراً ہو جیسے اِنْ اَنْتَ زَائِرِىْ فَاَنَا اُكْرِمُكَ ۔ اس کی تقدیری عبارت ہے اِنْ كُنْتَ زَائِرِى فَاَنَا اُكْرِمُكَ اس میں جب فعل کو حذف کر دیا گیا تو ضمیر متصل کو منفصل سے تبدیل کر دیا گیا۔

وَاعْلَمْ اَنَّ ان لا تُسْتَعْمَلُ الخ : یہاں سے ایک فائدہ جدیدہ کو بیان کر رہے ہیں کہ ان کا استعمال ہمیشہ ایسے امور میں ہوتا ہے جن میں شک اور احتمال ہو کسی دوسری چیز کا کما مر مثالہ اسی وجہ سے آتِيْكَ اِنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ کہنا جائز نہیں ہوگا چونکہ طلوع شمس امور مشکوکہ میں سے نہیں ہے بلکہ امور یقینیہ میں سے ہے ہاں آتِيْكَ اِذَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ کہہ سکتے ہیں چونکہ اذا کا استعمال امور یقینیہ میں ہوتا ہے اور شمس کا طلوع ہونا بھی امور یقینیہ میں سے ہے۔

ولو تدُلُّ علٰى نفى الجملة الثانيةِ بسبَب نفِى الجملَة الاُولٰى كقولهِ تعَالىٰ لَوْ كان فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا وَاِذَا وَقَعَ القَسَمُ فى اول الكلام وتقدَّم على الشرط يجبُ اَنْ يكُونَ الفعلُ الَّذِى تَدْخل عليه حرفُ الشرط ماضياً لفظاً نحو واللهِ اِنْ اتيْتَنِى لاكْرَمتُک او معنىً نحو وَاللهِ اِنْ لَم تَاتِنِى لاهجَرتُک وحينئِذٍ تكونُ الجملَةُ الثانية فى اللَّفظِ جوابًا للقسَمِ لا جزاءً للشرطِ فلِذٰلِکَ وجَبَ فيها مَا وَجَبَ فِى جواب القسمِ منَ اللام ونحوِهَا كمَا رأيتَ فى المثالَين اما اِنْ وقَعَ القسمُ فِى وَسط الكَلام جازان يُعتبَر القسمُ بان يكونَ الجوابُ لهٗ اِنْ اتيتَنِى وَاللهِ لآتِينَّکَ وجاز اَنْ يُلغٰى نحو اِنْ تَاتِنى وَاللهِ آتِکَ.

ترجمہ: اور لَوْ دلالت کرتا ہے جملہ ثانیہ کی نفی پر جملہ اولیٰ کی نفی کی وجہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا اگر آسمان وزمین میں چند معبود ہوتے اللہ کے سوا، تو دونوں تباہ وبرباد ہو جاتے اور جب واقع ہووے قسم اول کلام میں اور مقدم ہو جائے شرط پر تو واجب ہے یہ کہ ہو وہ فعل جس پر حرف شرط داخل ہو رہا ہے ماضی خواہ وہ لفظاً ہو جیسے وَاللّٰهِ اِنْ اَتَيْتَنِى لَاكْرَمْتُكَ یا وہ معنیً ہو جیسے وَاللّٰهِ اِنْ لَمْ تَاتِنِى لَاهْجَرْتُكَ اللہ کی قسم اگر تو میرے پاس نہ آتا تو میں تجھے برا بھلا کہتا۔ اور اس وقت جملہ ثانیہ لفظ میں جواب ہوگا قسم کا نہ کہ جزاء ہوگا شرط کی پس اسی وجہ سے واجب ہے اس میں وہ چیز جو واجب ہے قسم میں یعنی لام اور اسی کے مثل

جیسا کہ آپ نے دونوں مثالوں میں دیکھا۔ بہر حال اگر قسم وسطِ کلام میں واقع ہو تو جائز ہے کہ اعتبار کیا جائے قسم کا بایں طور کہ ہووے وہ جواب قسم کا جیسے اِنْ اَتَیْتَنِی وَاللّٰہِ لاتِیَنكَ اللہ کی قسم اگر تو میرے پاس آئے گا تو میں تیرے پاس ضرور آؤں گا۔ اور جائز ہے یہ کہ اس کو ملغی قرار دیا جائے جیسے اِنْ تَاتِنِی وَاللّٰہ آتِكَ۔

تشریح: ولَوْ تَدُلُّ عَلٰی نَفْیِ الخ: اور لو جملہ ثانیہ کی نفی پر دلالت کرتا ہے جملہ اولیٰ کی نفی کی وجہ سے یعنی اس بات کو بتلاتا ہے کہ جملہ ثانیہ کی نفی اس لیے ہے کہ چونکہ جملہ اولیٰ منفی ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے لَوْ کَانَ فِیْھِمَا اٰلِھَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا، اس آیت میں لو فساد کی نفی پر دلالت کر رہا ہے اس وجہ سے کہ چند معبود نہیں ہیں۔

فائدہ: لو کا اس معنی مذکورہ میں استعمال بہت متعارف ہے مگر کبھی کبھی ثانی کے اثبات کے لیے آتا ہے اول کے وجود اور عدم کی تقدیر کی بنیاد پر جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ صُھَیْبٌ لَوْ لَمْ یَخَفِ اللّٰہَ لَمْ یَعْصِہٖ اچھا ہے بندہ صہیب اگر وہ اللہ سے نہ ڈرتے تو نہ بچتے گناہ سے اس میں عصیان کی نفی خوف کی نفی کو لازم ہے جیسا کہ عصیان کی نفی خوف کے وجود کو لازم ہے اسی مسئلہ کو آپ اس مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں۔

لَوْ اَھَنْتَنِی لاکْرَمْتُكَ اَیْ لِاِکْرَامِی اِیَّاكَ ثَابِتٌ سَوَاءٌ اکْرَمْتَنِی اَوْ اَھَنْتَنِی یعنی میں تو تیرا اکرام ضرور کروں گا خواہ تو میرا اکرام کرے یا نہ کرے یعنی توہین کرے۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَسَمُ الخ: مطلب یہ ہے کہ اگر قسم اول کلام میں واقع ہو جائے اور شرط پر بھی مقدم ہو تو وہ فعل کہ جس پر حرف شرط داخل ہو رہا ہے اس کا ماضی ہونا ضروری ہے ماضی خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً لفظاً کی مثال جیسے وَاللّٰہِ اِنْ اَتَیْتَنِی لاکْرَمْتُكَ اس میں قَسَم شروع کلام میں واقع ہے اور شرط پر بھی مقدم ہے اس لیے فعل اتیت ماضی لائے جو کہ لفظی لحاظ سے ماضی ہے اور معنی کی مثال جیسے وَاللّٰہِ اِنْ لَمْ تَاتِنِی لاھْجُرْتُكَ اس میں لَمْ تَاتِنِیْ لَمْ جازمہ کی وجہ سے معنی ماضی ہے۔ اَھْجَرْتُكَ اِھْجَار باب افعال سے ہے بمعنی فحش و بیہودہ بکنا، اب رہی یہ بات کہ صورت مذکورہ میں فعل کا ماضی ہونا کیوں واجب ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب لو حرف شرط کا عمل جزاء میں ممتنع ہو گیا تو شرط میں اس کا ماضی ہونا واجب ہو گیا، تا کہ یہ لو حرف شرط، شرط میں بھی عمل نہ کرے تا کہ شرط جزاء کے موافق ہو جائے عمل کے نہ ہونے میں۔

وَحِیْنَئِذٍ الخ: اور اس وقت یعنی قسم جب کہ شروع کلام میں واقع ہو اور شرط پر مقدم ہو تو لفظ کے اعتبار سے جملہ ثانیہ قسم کا جواب ہو گا نہ کہ شرط کی جزاء اس لیے کہ اگر جملہ ثانیہ شرط کی جزاء بھی واقع ہو گا تو اس کا مجزوم اور غیر مجزوم دونوں ہونا لازم آئے گا اور یہ محال ہے ہاں البتہ معنوی اعتبار سے دونوں ہی کا جواب واقع ہو سکتا ہے، قسم کا جواب اس لیے کہ اس کی قسم کھائی گئی ہے اور شرط کی جزاء اس لیے کہ وہ مشروط ہے شرط کے ساتھ۔

فَلِذٰلِكَ وَجَبَ فِیْھَا الخ: جملہ ثانیہ چونکہ لفظ کے لحاظ سے قسم کا جواب واقع ہو گا نہ کہ شرط کی جزاء اسی

جملہ ثانیہ میں اس چیز کا ہونا ضروری ہے جس چیز کا جواب میں ہونا ضروری ہے یعنی لام کا ہونا اور اِنَّ کا ہونا جب کہ جواب قسم جملہ موجبہ ہو اور ما اور لا کا ہونا جب کہ جواب قسم جملہ منفیہ ہو مندرجہ بالا دونوں مثالوں میں آپ نے اس کو اچھی طرح محسوس کر لیا ہے۔

اَمَّا اِنْ وَقَعَ الْقَسَمُ الخ: ہاں اگر قسم بجائے اول کلام میں واقع ہونے کے درمیان کلام میں واقع ہو اور شرط یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز اس پر مقدم ہو جائے تو ایسی صورت میں دو وجہیں جائز ہیں اول یہ کہ قسم کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو جواب قسم قرار دیا جائے اس صورت میں شرط کا ماضی ہونا واجب ہے جیسے اِنْ اَتَیْتَنِی وَاللّٰہِ لَآتِیَنَّکَ۔

وَجَازَ اَنْ یُلْغٰی: دوسری صورت یہ ہے کہ قسم کو ملغی قرار دیتے ہوئے اس جواب کو شرط کی جزاء قرار دیا جائے جب اس کو شرط کی جزاء قرار دیں گے تو شرط کا ماضی ہونا بھی واجب نہ ہوگا جیسے اِنْ تَاتِنِیْ وَاللّٰہِ اٰتِكَ۔

واَمَّا لتفصیل ما ذُکر مُجملاً نحو النَّاس سَعِیدٌ وشَقِیٌّ امَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوا ففِی الجنَّةِ وامَّا الَّذِین شَقُوا ففِی النَّارِ ویجبُ فِی جوابها الفاءُ واَنْ یکونَ الاوّلُ سببًا للثَّانِی واَن یُحذَفَ فعلُها مَعَ اَنَّ الشَّرطَ لا بدَّ لهُ من فعلٍ وذٰلِک لیکونَ تنبیهًا علٰی ان المقصُودَ بِها حُکم الاسمِ الواقعِ بعدَها نحو امّا زید فمنطلِقٌ تقدیرهٗ مهما یکن مِّنْ شیْءٍ فزیدٌ منطلِقٌ فحُذِفَ الفِعلُ والجَارُ والمجرور واُقیمَ اَما مقام مَهْما حتی بَقی اَمَّا فزیدٌ مُنطلِقٌ ولمَّا لم یُناسِب دُخُولُ حرفِ الشرط علٰی فاءِ الجزَاءِ نقلوا الفاءَ اِلی الجُزءِ الثَّانی ووَضَعُوا الجُزءَ الاوّلَ بینَ امّا والفاءِ عِوضًا عنِ الفِعلِ المحذوف وثم ذٰلِک الجزء الاول ان کانَ صالحًا للابتداءِ فهُوَ مبتَدأ کما مرَّ وَاِلَّا فعاملُهٗ ما یکونُ بعدَ الفاءِ کامّا یومَ الجُمُعَة فَزیدٌ مُنطَلِقٌ عامِلٌ فی یَوْمِ الجمعَةِ عَلَی الظَّرفِیَّةِ.

ترجمہ: اور اما اس چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے ہے جو مجملاً یعنی اجمال میں ذکر کی گئی ہے جیسے اَلنَّاسُ سَعِیْدٌ وَشَقِیٌّ لوگ نیک بخت ہیں اور بد بخت ہیں بہر حال جو لوگ نیک بخت کئے گئے ہیں پس وہ جنت میں جائیں گے اور بہر حال جو بد بخت کئے گئے ہیں وہ جہنم میں ہوں گے اور واجب ہے اس کے جواب میں فاء کا لانا اور یہ کہ ہو اول سبب ثانی کے لیے اور واجب ہے یہ کہ اما کے فعل کو حذف کر دیا جائے، باوجود اس کے کہ شرط کے لیے فعل کا ہونا ضروری ہے اور یہ حذف فعل اس لیے ضروری ہے تا کہ اس بات پر تنبیہ ہو جائے کہ مقصود اما کے ذریعہ (تفصیل سے) اس اسم کا حکم ہے جو کہ اس کے بعد واقع ہو، جیسے اَمَّا زَیْدٌ فَمُنْطَلِقٌ اس کی تقدیر مَهْمَا یَکُنْ مِنْ شَیْءٍ فَزَیْدٌ فَمُنْطَلِقٌ ہے (جو بھی چیز ہو پس زید تو چلنے والا ہے) پس حذف کر دیا گیا ہے فعل اور جار مجرور کو اور اما کو مہما کے قائم مقام کر دیا گیا یہاں تک کہ باقی رہ گیا اَمَّا زَیْدٌ فَمُنْطَلِق۔ اور جب کہ حرف شرط کا دُخول

فاء جزائیہ کے اوپر مناسب نہیں ہے تو نحویوں نے نقل کر دیا فا جزائیہ کو جزء ثانی (منطلق) کی طرف اور رکھ دیا جزء اول کو فعل محذوف کے عوض میں اما اور فاء کے درمیان پھر وہ جزء اول اگر صلاحیت رکھتا ہے ابتداء کی تو وہ مبتداء ہوگا جیسا کہ اس کی مثال گذر گئی ورنہ تو اس کا عامل وہ ہوگا جو کہ فاء کے بعد ہے جیسا کہ اَمَّا یَوْمُ الْجُمُعَةِ فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ پس منطلق عاملِ (ناصب) ہے ظرفیت کی بنا پر یَوْم الْجُمُعَةِ کے اندر۔

تشریح: واَمَّا لتفصیل ما ذُکر مُجملاً الخ : حروف شرط میں سے اما اس چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے آتا ہے جس کو متکلم نے سابق میں بطریق اجمال ذکر کیا تھا۔

یا اس چیز کی تفصیل بیان کرنے کے لیے آتا ہے جو متکلم کے ذہن میں مجمل تھی اور مخاطب کو قرائن کے ذریعہ سے معلوم تھی ان دونوں ہی صورتوں میں اما کا تکرار ضروری ہے۔ اگرچہ بعض نے یہ کہا کہ تکرار اما واجب نہیں، اور کبھی کبھی اما استیناف کے لیے آتا ہے اس سے پہلے کوئی چیز بطور اجمال کے بیان کی ہوئی نہیں ہوتی جیسے وہ اما جو کتابوں کے شروع میں آتا ہے جیسے اَمَّا بَعْدُ۔ مصنفؒ نے اس کی مثال کلام خداوندی کے ذریعہ سے دی ہے فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وسَعِیْد اَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوا ففِی الجنَّةِ واَمَّا الَّذِین شَقُوا ففِی النَّارِ۔

اس آیت میں اما کے ذریعہ سے شقی وسعید ہونے کی تفصیل بیان کی گئی ہے کہ جو نیک بخت ہیں وہ جنت میں ہوں گے اور جو بد بخت ہیں وہ جہنم میں ہوں گے۔

وَیَجِبُ فِیْ جَوَابِهَا الخ: اَمَّا کے جواب میں فاء کا آنا ضروری ہے اور دوسرے یہ ضروری ہے کہ اول جملہ سبب ہو ثانی جملہ کے لیے ان دونوں چیزوں کا اما کے جواب میں ہونا اس لیے ضروری ہے کہ فا اور سببیت مذکورہ اما کے کلمہ شرط ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

وَاَنْ یُحْذَفَ الخ : جس فعل پر اما داخل ہوتا ہے اس کا محذوف ہونا ضروری ہے جب کہ حرف شرط کے لیے واجب ہے کہ وہ فعل پر ہی داخل ہو مگر پھر بھی اما کے فعل کا حذف ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ حذف فعل سے اس بات پر آگاہی ہو جائے کہ اما کے ذریعہ تفصیل کا مقصد اس اسم کے حکم کو بتلانا ہے جو اس اما کے بعد واقع ہو رہا ہے۔ مصنفؒ نے اس کو مثال کے ذریعہ سے سمجھایا ہے کہ جیسے اَمَّا زَیْدٌ فَمُنْطَلِق ہے اس کلام کی اصل عبارت مَهْمَا یَکُنْ مِنْ شَیْءٍ فَزَیْدٌ مُنْطَلِقٌ ہے اس میں فعل شرط یکن کو حذف کر دیا گیا اور ساتھ ہی جار مجرور من شیء کو بھی حذف کر دیا گیا اس کے بعد اما کو مهما کے قائم مقام کر دیا گیا ان تغیرات کے بعد اَمَّا زَیْدٌ فَمُنْطَلِق بچا اور یہ آپ پہلے سے جانتے ہیں کہ فاء جزائیہ کے اوپر حرف شرط کا دخول جائز نہیں یعنی اَمَّا فزَیْدٌ مُنْطَلِق نہیں کہہ سکتے، لہٰذا اب نحاۃ نے اس فاء جزائیہ کو جزء ثانی منطلق کی طرف منتقل کر دیا اور جزء اول زید کو اما اور فاء جزائیہ کے درمیان فعل محذوف کے عوض میں لے آئے تا کہ حرف شرط اور حرف جزاء دونوں کے پے در پے آنے کی کراہت

لام نہ آئے لہٰذا اس طرح تغیرات کثیرۃ کے بعد اَمَّا زَیۡدٌ فَمُنۡطَلِقٌ بنا۔

ثُمَّ ذٰلِکَ الۡجُزۡءُ الۡاَوَّلُ الخ: پھر یہ جزء اول جو کہ اما کے بعد واقع ہو رہا ہے ترکیب کے اعتبار سے اگر مبتداء بننے کی صلاحیت رکھتا ہو اس طور پر کہ ظرف واقع نہ ہو رہا ہو تو یہ جزء مبتداء واقع ہو جائے گا جیسا کہ آپ نے اَمَّا زَیۡدٌ فَمُنۡطَلِقٌ کے اندر خوب ملاحظہ فرمایا اور اگر اس کے برعکس یہ جزء اول ظرف ہونے کی وجہ سے مبتداء بننے کی صلاحیت نہ رکھے تو اس جزء کا عمل وہ ہوگا جو فاء جزائیہ کے بعد واقع ہے جیسے اَمَّا یَوۡمَ الۡجُمُعَۃِ فَزَیۡدٌ مُنۡطَلِقٌ میں یوم الجمعۃ ظرف ہے اس کا عامل منطلق ہے جو اس کو نصب دے رہا ہے ظرفیت یعنی مفعول فیہ کی بناء پر۔

فائدہ: یہ ترکیب امام سیبویہؒ کے مذہب کے مطابق تھی چونکہ ان کے نزدیک اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہے مَھۡمَا یَکُنۡ مِنۡ شَیۡءٍ فَزَیۡدٌ مُنۡطَلِقٌ یَوۡمَ الۡجُمُعَۃِ اس میں فعل شرط یکن اور جار مجرور من شیء کو حذف کر کے اما کو مھما کی جگہ میں لایا گیا اور حرف شرط و جزاء کے پے در پے آنے کی کراہیت کی وجہ سے یوم الجمعۃ کو درمیان میں لایا گیا۔

امام مبردؒ یہ فرماتے ہیں کہ یوم الجمعۃ فعل شرط یکن محذوف کا معمول ہے لہٰذا ان کے مذہب کے اعتبار سے تقدیری عبارت ہوگی۔

مَھۡمَا یَکُنۡ مِنۡ شَیۡءٍ یَوۡمَ الۡجُمُعَۃِ فَزَیۡدٌ مُنۡطَلِقٌ جس وقت فعل شرط یکن اور جار مجرور من شیء کو حذف کیا اور اما کو مھما کے قائم مقام کیا تو باقی رہا اَمَّا یَوۡمَ الۡجُمُعَۃِ فَزَیۡدٌ مُنۡطَلِقٌ اس کے علاوہ بھی اس مسئلہ میں کئی مذاہب اور ہیں جن کو ہم نے طوالت کے باعث ترک کر دیا۔

تمرین:

(۱) حروف شرط کتنے ہیں؟ اور کون کون سے ہیں؟

(۲) إن کا مدخول کیا ہوتا ہے۔

(۳) اِنۡ کس معنی کیلئے آتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی بتلایئے کہ کیا اِنۡ کا استعمال امور یقینیہ کیلئے بھی ہوتا ہے۔

(۴) لَوۡ کس جملہ کی نفی کے لیے آتا ہے، کیا لَوۡ جملہ ثانیہ کے اثبات کے لیے بھی آتا ہے یا نہیں جب قسم شروع کلام میں حرف شرط سے پہلے آئے تو کیا حکم ہے، اور جب قسم درمیان کلام میں واقع ہو تو کیا حکم ہے؟

(۵) اَمّا کی وضع کس معنی کے لیے ہوئی ہے۔

الجمل العربية:

إن لا تحفظ الدرس فأعاقبک، إن تجتهد فأمنحک إن تنتهوا يغفر لكم، لو سمعوا ما استجابوا لكم، لو نشاء لجعلنه أجاجا، فأما الذين آمنوا فيعلمون أنه الحق، فأما الذين في

قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة.

فصل حرفُ الرَّدع كلّا وضِعَتْ لِزَجر المتكلّم ورَدْعِهٖ عما يتكلّم به كقوله تعالىٰ وَاَمَّا اذا مَا ابْتلٰه فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيقُوْلُ رَبّى اهَانَنْ كَلَّا اى لايتكلَّمُ بِهٰذا فَاِنَّهٗ لَيْسَ كذٰلكَ هٰذَا بعدَ الخبر وقد تَجِيْءُ بَعدَ الامر ايضاً كما اِذَا قيل لكَ اِضْرِبْ زَيدًا فقلتَ كلا اى لَا افعلُ هٰذا قطّ وقد تجىءُ بمَعنٰى حقًّا كقوله تعَالىٰ كَلَّا سَوفَ تَعْلَمُوْن وحِيْنَئِذٍ تكونُ اسمًا فيبنٰى لكونِهٖ مُشابِهًا لِكَلا حَرفاً وقيل تكونُ حرفًا اَيضاً بمعنٰى اِنَّ لتحقيق الجملةِ نحو كَلَّا اِنَّ الاِنْسَانَ لَيَطْغٰى بمعنى اِنَّ.

ترجمه: حرفِ رَدَع کلا ہے جو کہ وضع کیا گیا ہے متکلم کو ڈانٹنے اور منع کرنے کے لیے اس چیز سے جس چیز کے ساتھ وہ کلام کر رہا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے وَاَمَّا اذَا مَا ابْتَلٰه فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيقُوْلُ رَبّى اَهَانَنْ كَلَّا اى لايتكلّمُ بِهٰذا فَاِنّهٗ لَيْسَ كذٰلكَ۔ اور بہر حال جب پروردگار انسان کی آزمائش کرے پھر اس پر اس کے رزق کو تنگ کر دے تو وہ کہتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کیا ہے۔ ہرگز نہیں یا کوئی نہیں یعنی اس طرح کی بات نہ کرے چونکہ معاملہ ایسا نہیں ہے۔ یہ کلا زجر کے لیے موضوع ہے جب کہ خبر کے بعد ہو اور کبھی امر کے بعد بھی آتا ہے جیسا کہ جب کہ تجھے کہا جائے اِضْرِبْ زَيْدًا تو تو کہے كَلَّا اَىْ لَا اَفْعَلُ هٰذَا قَطُّ یعنی میں یہ کام زید کو مارنے کا بالکل نہیں کروں گا اور کبھی كَلَّا حَقًّا کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا قول ہے كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ جلد ہی عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ اور اس وقت کلا اسم ہوتا ہے (نہ کہ حرف) اور مبنی ہوتا ہے اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے کلا حرف کے (لفظاً اور معنیً) اور کہا گیا کہ کلا (جب بمعنی حقاً ہو) حرف بھی ہوتا ہے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کے معنی میں ہوتا ہے جو کہ تحقیق جملہ کا فائدہ دیتا ہے، جیسے كَلَّا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى۔ یہ اِنَّ کے معنی میں ہے سچ مچ بے شک کافر انسان البتہ سرکشی کرتا ہے۔

تشریح: فصل حَرْفُ الرَّدعِ كَلَّا الخ: حرف ردع صرف کلا ہے، ردع کے معنی ڈانٹنے ڈپٹنے کے آتے ہیں اس لیے کلا کو واضع نے وضع کیا ہے متکلم کو زجر و توبیخ کرنے اور اس کام سے منع کرنے کے لیے جس کے بارے میں وہ غلط گفتگو کر رہا ہے جیسے مثلاً آپ سے کسی شخص نے یہ کہا کہ فُلَانٌ يَبْغَضُكَ تو آپ نے اس کو منع کرنے اور اس کی غلطی پر تنبیہ کرنے کی غرض سے کہا کلا یعنی ہرگز ایسا نہیں ہے وہ کبھی بھی مجھ سے بغض اور عداوت نہیں رکھتا ہے۔ مصنفؒ اس کی مثال آیت قرآنیہ سے دے رہے ہیں کہ جیسے فَيَقُوْلُ رَبِّىْ اَهَانَنْ كَلَّا۔ یعنی ایسے مت کہہ کہ اللہ نے رزق میں تنگی کر کے مجھ کو ذلیل کر دیا چونکہ ایسی بات ہرگز نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں پر رزق کے دروازے کھول دیتا ہے اور اپنے نیک بندوں پر تنگ کر دیتا ہے لہٰذا رزق کی تنگی وکشادگی

عزت وذلت کی دلیل نہیں ہے۔

هٰذَا بعد الخبر: یعنی کلام جومتکلم کوزجر وتوبیخ کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب کہ خبر کے بعد واقع ہو جیسا کہ مندرجہ بالا مثال میں کَـلا فیـقول رَبّی اَهَانَنْ خبر کے بعد واقع ہو رہا ہے، وقـد تجی کبھی کبھی کلا امر کے بعد بھی واقع ہو جاتا ہے مثلاً جیسے تجھ سے کسی شخص نے کہا اِضْـرب زَیـدًا (زید کو مار) تو تو نے اس کے جواب میں کہا کلا میں زید کو ہرگز نہیں ماروں گا وہ تو بہت اچھا آدمی ہے۔

وقـد تـجیء بمعنی حـقاً کبھی کبھی حقا کے معنی میں بھی کلا کا استعمال ہوتا ہے اس سے مقصود جملہ کے معنی کی تحقیق ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے کلّا سـوف تـعلمُون اَی حقًّا سَوفَ تَعلمُون، وحِینَئِذٍ تکُون اسـمًا جب کلا بمعنی حقا ہوتا ہے تو یہ اسم ہوتا ہے اور مبنی ہوتا ہے کلا حرف کے ساتھ لفظاً و معنیً مشابہت تو ظاہر ہے اور معنوی مشابہت یہ ہے کہ زجر وتوبیخ ایسی چیز کی نقیض اور ضد سے ہوتا ہے کہ جس کی حقیقت اعتقاد سے علیحدہ نہیں ہوتی اس لیے کہ کسی حقیقت کا بیان کبھی اس کی نقیض سے ہوتا ہے اور کبھی اس کے برعکس، لہٰذا جر اور حقیقت دونوں اس اعتبار مذکور سے لازم وملزوم ہیں۔

وقیل اس قول کے قائل امام مازنی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کَلّا حَـقًّـا کے معنی میں رہتے ہوئے بھی حرف ہوتا ہے یہ اِن حرف مشبہ بالفعل کے معنی میں ہوتا ہے جو کہ تحقیق جملہ کا فائدہ یتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کَلَّا اِنَّ الانسَـانَ لَیَـطْغٰی ۔اس میں کلا بمعنی اِنَّ ہے اسی لیے اس کا ترجمہ ہم نے یہ کیا ہے سچ مچ بے شک انسان سرکشی کرتا ہے یا حد سے گذر جاتا ہے۔

تمرین:

کلّا حرف رَدَع متکلم کو زجر وتوبیخ کرنے کے لیے کس وقت استعمال ہوتا ہے، اور حقًّا کے معنی میں کب استعمال ہوتا ہے۔

الجمل العربية:

كلَّا إن الإنسـان ليطغىٰ، كلا إن معى ربى سيهدين، هل كنت غائباً عن الدرس كلاّ، كلا لا أعمل ما تعملون، كلا إن كتاب الفجّار لفى سجين.

فـصـل تَاءُ التانیثِ السّاکنۃُ تلحقُ المَاضیَ لتَدُلَّ علٰی تَانیُثِ مَا اُسنِدَ الیه الفعل نـحـو ضُـرِبَتْ هِنْدٌ وقد عَرفتَ مَواضِعَ وُجُوبِ الحاقِهَا واِذَا لقِیَهَا سَاکِنٌ بَعْدَهَا وَجَبَ تـحـریکهـا بـالـکسرِ لاَنَّ السَّاکِنَ اذا حُرِّکَ حُرِّکَ بالکسْرِ نحو قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ وَحـرکتُهـا لا تـوجـب رَدَّ مَا حُذِفَ لاجل سکونها فَلَا یُقَالُ رماتِ المرأۃُ لِاَنَّ حرکتَهَا

عارِضَةٌ وَاقعةٌ لرفع التقاءِ السّاكِنين فقولُهُم المرأتان رماتا ضعيفٌ واَمَّا الحاقُ علامة التثنِية وجمع المذكرِ وجمع المؤنث فضعِيفٌ فَلا يُقَالُ قَامَ الزَّيْدَانِ وَقامُوا الزيدُون وَقُمْنَ النِّساءُ وبتقدير الالحاقِ لا تكونُ الضمائر لِئَلا يلزَمَ الاضمارُ قبلَ الذِكر بل علاماتٍ دالَةٍ علٰى احوالِ الفاعِلِ كتاءِ التانيثِ.

ترجمه : تاء تانیث ساکنہ لاحق ہوتی ہے ماضی کے ساتھ تاکہ دلالت کرے اس چیز کے مونث ہونے پر جس کی طرف فعل کی اسناد کی گئی ہو جیسے ضُرِبَتْ هِنْدٌ اور یقیناً آپ اس سے قبل پہچان چکے ہیں اس کے الحاق کے وجوب کے مقامات کو اور جب کوئی ساکن اس سے ملے جو کہ اس کے بعد ہے تو واجب ہے اس تاء کو حرکت دینا کسرہ کے ساتھ اس لیے کہ جب کسی ساکن کو کوئی حرکت دی جاتی ہے تو کسرہ ہی کے ساتھ دی جاتی ہے جیسے قَدْ قَامَتِ الصَّلوٰةُ ، اور اس کی حرکت نہیں واجب کرتی ہے اس حرف کے لوٹانے کو جو کہ حذف کیا گیا ہے اس کے سکون کی وجہ سے لہٰذا نہیں کہا جائے گا رمَاتِ الْمَرْأَة اس لیے کہ اس کی حرکت عارضی ہے جو واقع ہوئی ہے التقاء ساکنین کے رفع کرنے کی وجہ سے پس ان کا قول اَلْمَرْأَتَانِ رَمَاتَا ضعیف ہے اور بہر حال تثنیہ اور جمع مذکر و جمع مونث کی علامت کا الحاق پس یہ ضعیف ہے لہٰذا قَامَا الزَّيْدَانِ وَقَامُوا الزَّيْدُوْنَ وَقُمْنَ النِّسَآءُ نہیں کہا جائے گا اور الحاق کی تقدیر کے ساتھ وہ علامات ضمیریں نہیں ہوتی تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے ، بلکہ وہ علامات فاعل کے احوال پر دلالت کرنے والی ہوتی ہیں جیسا کہ تاء تانیث ساکنہ۔

فصل: تَاءُ التَّانِيثِ السَّاكِنَةُ الخ:

اس فصل میں تاء تانیث ساکنہ کے موضع لحوق کو بیان فرمائیں گے اس میں ساکنہ کی قید سے تاء تانیث متحرکہ سے احتراز ہے چونکہ وہ اسم کا خاصہ ہے۔

اور اس تاء تانیث کے ساکن ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ تاء اصل کے اعتبار سے ساکن ہو اگر چہ کسی عارض کی وجہ سے متحرک ہوگئی ہو جیسے کہ قَامَتَا کے اندر تا اصل کے لحاظ سے ساکن ہے مگر التقاء ساکنین کی وجہ سے متحرک ہوگئی۔ بہر حال مسئلہ یہ ہے کہ تاء افعال میں سے صرف ماضی ہی کے ساتھ لاحق ہوتی ہے تاکہ اول امر ہی سے اس بات کا پتہ چل جائے کہ مسندالیہ مؤنث ہے خواہ مسندالیہ فاعل ہو جیسے ضَرَبَتْ هِنْدٌ اور خواہ نائب فاعل ہو جیسے ضُرِبَتْ هِنْدٌ۔

وَقَدْ عَرَفْتَ مَوَاضِعَ الخ: رہا یہ مسئلہ کہ تاء تانیث کا لحوق کب واجب ہے اور کب جائز ہے اس کو فاعل کی فصل میں بیان کیا جا چکا ہے لہٰذا اعادہ اس کا اب مناسب نہیں، معلومات کے شائقین وہیں ملاحظہ فرمائیں۔

وَاِذَا لَقِيَهَا سَاكِنٌ الخ: اگر تاء تانیث ساکنہ کے بعد کوئی حرف ساکن واقع ہو جائے تو اس تاء تانیث ساکنہ

التقاء ساکنین کو دفع کرنے کی وجہ سے کسرہ والی حرکت دینا واجب وضروری ہوگا اور کسرہ والی حرکت اس لیے دی جائے گی کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی ساکن کو حرکت دی جاتی ہے تو کسرہ والی حرکت دی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حرکات ثلثہ میں سے کسرہ کی حرکت کا استعمال قلیل ہے تو قلت کی وجہ سے کسرہ ہی سکون کے مناسب ہے اس کی مثال جیسے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ اس میں تاء تانیث ساکن ہے جب ساکن کے ساتھ الف لام لاحق ہوا تو تاء تانیث کو کسرہ دے دیا گیا۔

وحَرَكَتُهَا لاتُوجِبُ الخ :اس عبارت سے ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جب التقاء ساکنین کی وجہ سے دو ساکن میں سے ایک کو حذف کر دیا گیا اس کے بعد جب تاء تانیث کو حرکت دے دی گئی تو ساکن محذوف کو لوٹانا واجب ہونا چاہئے، چونکہ علت حذف التقاء ساکنین تھی اور وہ تاء تانیث کے حرکت دینے سے زائل ہوگئی، لہٰذا اس قاعدہ کے پیش نظر رَمتِ المَرْأۃُ کے اندر الف کو کیوں نہیں لوٹایا گیا، تو الف کو لوٹ آنا چاہئے۔ مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ رَمَات المرأۃ کہنا جائز نہیں ہوگا چونکہ اس میں تاء کی حرکت اصلی نہیں ہے بلکہ عارضی ہے جو کہ التقاء ساکنین کو رفع کرنے کی وجہ سے لائی گئی ہے، اور وہ التقاء ساکنین تاء اور اس کا مابعد حرف ساکن ہے جو اس کے ساتھ لاحق ہوا تو جب تاء کی حرکت عارضی ہے اور عارضی کالمعدوم ہوتا ہے چونکہ ہر وہ حرکت جو کہ امر عارض کی وجہ سے حاصل ہوتی ہو وہ بحکم سکون ہی ہوتی ہے۔

فَقَولُهُمْ اَلْمَرْأتَانِ رَماتا الخ :مصنفؒ فرماتے ہیں کہ رہا اہل عرب کا یہ قول اَلْمَرْأتَانِ رَمَاتَا کہ اس میں الف محذوف کو کیوں لوٹا دیا گیا تو اس کا جواب دیا کہ یہ ضعیف ہے۔

وَاَمَّا اِلْحَاق الخ :یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ علامت تثنیہ وجمع الحاق کے مسئلہ میں مثل تاء تانیث کے ہے لہٰذا جیسے فعل میں تاء تانیث اس لیے لاحق کرتے ہیں کہ یہ معلوم ہوجائے کہ مسند الیہ بھی مؤنث ہے ایسے ہی فعل میں تثنیہ جمع کی علامت کا الحاق بھی جائز ہونا چاہئے کہ اس بات پر آگاہی ہوجائے کہ مسند الیہ تثنیہ وجمع ہے۔

مصنفؒ نے اس کا جواب دیا کہ فاعل کے اسم ظاہر ہونے کی صورت میں فعل میں تثنیہ وجمع کی علامت کا الحاق کرنا یہ ضعیف ہے چونکہ تثنیہ وجمع کا ہونا ان علامات کا محتاج نہیں ہے، اس لیے کہ اَلزَّيْدَانِ تثنیہ وَالزَّيْدُوْنَ وَالنِّسَآءُ جمع یہ خود فاعل ہیں اور اگر فعل میں بھی تثنیہ وجمع کی علامت کا الحاق کریں گے تو اس صورت میں تعدد فاعل اور اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، اور برخلاف مسند الیہ کے مؤنث ہونے کے چونکہ اس میں تانیث کبھی معنوی ہوتی ہے اور کبھی سماعی لہٰذا تانیث تمام اوقات میں معلوم نہیں ہوتی۔

فَلَا يُقَالُ قَامَا الزَّيْدَانِ الخ: لہٰذا قَامَا الزَّيْدَانِ بِالْحَاق الالِفِ فی التثنیه وَقَامُوا

الزَّيْدُوْنَ بِالْحَاقِ الوَاوِ فِی جمع المُذکّر وَقُمْنَ النِّسآءُ بِالْحاق النُّونِ فِی جَمْع المؤنث کہنا جائز نہیں ہوگا۔

وبتَقْدِيرِ الالْحَاقِ الخ :مطلب یہ ہے کہ اگران علامات تثنیہ وجمع کوفعل کے ساتھ لاحق کردیں اگر چہ یہ ضعیف ہی سہی تو کیا ان علامات کوضمائر نہیں کہیں گے تو مصنفؒ نے فرمایا کہ یہ علامات ضمیریں نہیں کہلائیں گی ورنہ تو بلاوجہ کے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا بلکہ یہ علامت حروف ہوں گے جو اول امر سے ہی تاءتانیث ساکنہ کی طرح فاعل کے احوال پر دلالت کریں گے، یعنی جیسے فعل میں تاءتانیث ساکنہ کے لاحق کرنے سے فعل کے بیان کرتے ہی یہ پتہ چل جاتا ہے کہ فاعل مؤنث ہے ایسے ہی ان علامتوں کے لگانے سے شروع ہی میں یہ پتہ چل جاتا ہے کہ فاعل تثنیہ وجمع ہے۔

فائدہ: سوال یہ ہے کہ تاءتانیث ساکنہ ضمیر کیوں نہیں ہے جیسا کہ ضَرَبْتُ کی تاء متحرکہ ضمیر ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضمیر نہیں ہے اس لیے کہ اگر یہ ضمیر ہوتی تو فاعل کے اسم ظاہر ہونے کی صورت میں تعدد فاعل ہونے کی وجہ سے اس کا حذف ہونا لازم ہوتا جیسے ضَرَبَتْ هِنْدٌ اس سے معلوم ہوا کہ تاءساکنہ حرف ہے جوکہ ماضی کے آخر میں صرف فاعل کے مؤنث ہونے پر دلالت کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہ تمام بحث سیبویہ کے مذہب کے مطابق ہے بعض نحاۃ نے یہ کہا کہ یہ حروف فاعلیت کی بنا پر مرفوع ہیں اوران کا مابعدان سے بدل واقع ہے۔

تمرین:

(۱) تاءتانیث ساکنہ افعال میں سے کس فعل کے ساتھ ملتی ہے۔

(۲) تاءتانیث ساکنہ کوکون سی حرکت دی جاتی ہے۔

(۳) وحركتها لا توجب سے مصنفؒ کیا بتلانا چاہتے ہیں۔

(۴) المرأتان رماتا سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔

(۵) وأما الحاقُ علامَة التثنية سے کس سوال مقدر کا جواب دینا چاہتے ہیں۔

الجمل العربية.

قدقامت الصلوة، أدت حسنى ما عليها، ضربت الأم تأديباً، قالت يا أيها الملأُ فى أمرى.

فصل التنوين نونٌ ساكنةٌ تتبع حركَةَ آخِرِ الكَلِمةِ لا لِتاكيد الفعل وهِیَ خَمْسَةُ اقسامٍ الاوّل للتمكن وهو ما يَدُلّ على ان الاسم متمكن فى مقتضى الاسمِيَّةَ اى انَّهٗ منصَرِفٌ نحو زيد ورجُلٌ والثانِى للتنكير وهُوَ مَا يَدُلُّ علىٰ اَنَّ الاسمَ نكرةٌ نحو صهٍ اَى اسكُتْ سكوتًا مَا فى وقت ما واما صَهْ بِالسكونِ فمعْنَاه اُسكتِ السكوتَ الانَ والثَّالثُ للعِوَضِ وهو ما يكون عِوَضًا عَن المضاف اليهِ نحو حِينئِذٍ وسَاعتئِذٍو يومئِذٍ

اَی حِینَ اِذَا کَانَ کَذَا والرَّابعُ للمقابلة وھُو التنوین الذی فی جمع المؤنث السالِمِ نحو مُسْلِماتٍ وھٰذہِ الاربَعَةُ تختصُّ بالاسم والخامِسُ للترنُّم وھُو الذی یَلحقُ آخِرَ الابیَاتِ والمصاریع کقَول الشاعر شعر : اقِلّی اللَّوْمَ عَاذِلَ وَالعِتَابَنْ. وقُولِی اِنْ اصبْتُ لقَدْ اصَابَنْ وکقولہ ع یَا اَبَتَا عَلَّکَ اَوْ عَسَاکَنْ، وقد یُحذفُ مِنَ العَلَمِ اِذَا کانَ موصُوفًا بابن او ابنةٍ مُضَافًا اِلٰی عَلَمٍ آخَر نحو جَاءَ نِیْ زَیْدُ بنُ عَمْرٍو وھِنْدُ ابنَةُ بکرٍ.

ترجمہ: تنوین اس نون ساکن کو کہتے ہیں جو کلمہ کی آخر حرکت کے تابع ہو نہ کہ وہ تاکید فعل کے لیے ہو اور وہ پانچ اقسام پر مشتمل ہے اول قسم وہ ہے جو تمکن کے لیے ہے (تنوین تمکن) اور وہ وہ ہے جو کہ دلالت کرے اس بات پر کہ اسم متمکن ہے اسمیت کے تقاضا کرنے میں یعنی بے شک وہ منصرف ہے جیسے زَیْدٌ اور رَجُلٌ اور دوسری قسم تنوین تنکیر ہے اور وہ وہ ہے جو کہ دلالت کرے اس بات پر کہ اسم نکرہ ہے جیسے صَہٍ اَیْ اُسْکُتِ سُکُوْتًا مَا فِیْ وَقْتٍ مَّا یعنی کسی وقت خاموش رہ اور بہر حال سکون کے ساتھ صہ اس کے معنی ہیں، اُسْکُتُ السُّکُوْتَ الاٰنَ یعنی ابھی خاموش رہ اور قسم ثالث تنوین عوض ہے اور وہ وہ ہے جو کہ مضاف الیہ کے عوض میں آتی ہے جیسے حِیْنَئِذٍ وَسَاعَتَئِذٍ وَیَوْمَئِذٍ اَیْ حِیْنَ اِذْ کَانَ کَذَا اور قسم چہارم تنوین مقابلہ ہے اور تنوین مقابلہ وہ تنوین ہے جو جمع مؤنث سالم کے اندر ہوتی ہے جیسے مُسْلِمَاتٍ اور تنوین کی یہ چار قسمیں خاص ہیں اسم کے ساتھ اور پانچویں قسم تنوین ترنم ہے اور تنوین ترنم وہ ہے جو کہ ابیات اور مصرعوں کے آخر میں آتی ہے جیسے شاعر کا قول ہے ۔

اقِلّی اللَّوْمَ عَاذِلَ وَالعِتَابَنْ وقُولِی اِنْ اصبْتُ لقَدْ اصَابَنْ

اے عاذلہ معشوقہ تو ملامت اور غصہ کو کم کر دے اور اگر میں درست بات کہوں تو تو کہہ کہ ہاں اس نے یقیناً درست کہا اور جیسا کہ شاعر کا قول ہے ع

مصرعہ: یَا اَبَتَا عَلَّکَ اَوْ عَسَاکَنْ

اے میرے ابا جان امید ہے کہ آپ رزق کو حاصل کر لیں گے۔

اور کبھی حذف کر دی جاتی ہے تنوین عَلَمْ سے جب کہ وہ موصوف ہو اس ابن یا ابنۃ کے ساتھ جو مضاف ہو دوسرے علم کی طرف جیسے جَاءَ نِیْ زَیْدُ بنُ عَمْرٍ وھِنْدُ ابْنَةُ بَکْرٍ۔

تشریح: اَلتَّنْوِیْنُ نُوْنٌ سَاکِنَةٌ الخ :تنوین مصدر ہے باب تفعیل کا کہا جاتا ہے نَوَّنْتُه اَیْ اَدْخَلْتُهٗ نُوْنًا یعنی کلمہ پر میں نے تنوین داخل کر دی اور اصطلاح میں تنوین کہتے ہیں اصل وضع میں اس نون ساکن کو جو کلمہ کی آخری حرکت کے تابع ہو وہ نون ساکن تاکید فعل کے لیے نہ ہو۔

یہاں یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ یہ تنوین تلفظ میں نون ساکن ہوتی ہے اور کتابت میں دوز بر دوز یر دو پیش

لگاتے ہیں۔

فوائد قیود : تَتَبَعُ حَرکَةَ اٰخِرِ الکلِمَةِ کی قید سے من ولدن وغیرہ کے نون سے احتراز ہوگیا آخر الکلمة آخر سے مراد وہ حرف ہے کہ جس پر کلام آخر ہو جائے اس معنی کے لحاظ سے قاض کے ض کی تنوین اس تعریف میں داخل رہے گی اور کلمہ سے مراد عام ہے خواہ وہ کلمہ حقیقتاً ہو یا حکماً اس لحاظ سے قائمة وبصری کی تنوین بھی اس تعریف میں شامل رہے گی یہ بھی یاد رہے کہ مصنفؒ نے آخر الکلمة کہانہ کہ آخرالاسم، یہ اس واسطے تاکہ تنوین ترنم خارج نہ ہو جو کہ فعل واسم دونوں ہی کے آخر میں ہے، لَالِلتَاکِیدِ الفِعلِ کی قید سے احتراز ہے نون خفیفہ سے جیسے اِضرِبَنْ چونکہ یہ نون ساکن بھی اگرچہ کلمہ کی آخری حرکت کے تابع ہے لیکن چونکہ یہ تاکید فعل کے لیے ہے اس لیے اس نون کو تنوین نہیں کہیں گے۔

وَهِیَ خَمسَةُ اَقسَامٍ :تنوین کی کل پانچ قسمیں ہیں جن میں سے شروع کی چار اسم کے ساتھ خاص ہیں اور آخر کی ایک اسم وفعل سب میں پائی جاتی ہے۔

وَالاَوَّلُ لِلتمَکُّنِ الخ: اول قسم تنوین تمکن ہے تنوین تمکن اس تنوین کو کہتے ہیں جو اسم کے منصرف ہونے یا منصرف کے حکم میں ہونے پر دلالت کرے اس کا دوسرا نام تنوین صرف بھی ہے چونکہ یہ اسم کے منصرف وغیر منصرف ہونے میں فصل کر دیتی ہے اس کی مثال جیسے زَیدٌ وَرَجُلٌ۔

فائدہ :بعض علماء نے یہ وہم کیا کہ رجل کی تنوین تنوین تنکیر ہے مگر یہ غلط ہے چونکہ اگر رجل کسی شخص کا نام رکھ دیں تب بھی اس کی تنوین علی حالہ باقی رہتی ہے، اگر یہ تنوین برائے تنکیر ہوتی تو دریں حالت باقی نہ رہتی۔

وَالثَّانِیْ لِلتَّنکِیرِ :قسم دوم تنوین کی تنوین تنکیر ہے اور تعریف اس کی یہ ہے کہ وہ تنوین جو اسم کے نکرة ہونے پر دلالت کرے نہ کہ معرفہ ہونے پر لہٰذا یہ تنوین بَیْن المعرفة والنکرة فارق کہلائے گی جیسے صَهٍ اس کا مطلب ہوگا اُسکُتْ سُکُوتًا مَّا فِی وَقتٍ مَّا یعنی خاموش رہنے کی تاکید ہے مطلقاً کسی بھی وقت میں۔

فائدہ : علامہ رضیؒ نے فرمایا کہ تنوین تنکیر خاص ہے اسم صوت واسم فعل کے ساتھ جیسے صَهٍ وسیبوَیهٍ ونِفطوَیه۔

وَاَمَّا صَهْ بِالسُّکُونِ الخ :اس لفظ صہ کو اگر بجائے تنوین کے بالسکون پڑھا جائے تو اس کے معنی ہوں گے اُسکُتُ السُّکُوتَ الاٰنَ یعنی تو ایسی خاموشی اختیار کر جس کو تو ابھی پہچان رہا ہے۔

وَالثَّالِثُ لِلعِوَضِ الخ :ان اقسَامِ خمسه میں قسم سوم تنوین عوض ہے اور تنوین عوض اس تنوین کو کہتے ہیں جو مضاف الیہ کے عوض میں آئے جیسے حِینَئِذٍ وَسَاعَتَئِذٍ وَیَومَئِذٍ اس کی صل تھی حین إذ کان کَذَا وساعَةً إذ کَانَ کَذَا ویوم إذ کَانَ کَذَا۔ان میں حین وغیرہ مضاف ہیں اذ کی طرف اور اذ مضاف

اپنے مابعد جملہ کی طرف جب جملہ کو تخفیفاً حذف کیا گیا تو تنوین کو اذا کے ساتھ لاحق کر دیا گیا تا کہ یہ مضاف الیہ جملہ محذوفہ کا عوض ہو جائے۔

وَالرَّابِعُ لِلْمُقَابَلَةِ الخ :اور تنوین مقابلہ کہتے ہیں اس تنوین کو جو جمع مذکر سالم کے مقابلے میں جمع مؤنث سالم کے اوپر داخل ہوتی ہے جیسے مُسْلِمَاتٍ اس میں تنوین مُسْلِمِیْنَ کے نون کے مقابلے میں ہے اور الف و تا اس میں علامت جمع ہیں جیسا کہ واؤ اور یا مسلمون و مسلمین میں علامت جمع ہیں یہ مذکورہ چاروں قسمیں خاص ہیں اسم کے ساتھ کما سبق فی اول الکتاب۔

والخَامِسُ لِلتَّرَنُّم الخ :قسم پنجم ترنم ہے اور تنوین ترنم کہتے ہیں اس تنوین کو جو ابیات و مضارع کے آخر میں آتی ہے شعر خوانی میں حسن پیدا کرنے کے لیے مصاریع جمع ہے مصراع بکسر المیم کی جس کے معنی ہیں آدھا شعر اور اَبْیَات جمع ہے بَیْت کی اور بیت کہتے ہیں دو مصرع کو تنوین ترنُم کی مثال جیسے شاعر جریر بن عطیہ تمیمی کا یہ مشہور شعر ہے۔

اقِلّی اللَّوْمَ عَاذِلَ وَالعِتَابَنْ وقُوْلی اِنْ اصَبْتُ لَقَدْ اصَابَنْ

اَقِلّیْ باب افعال سے امر حاضر کا واحد مؤنث ہے بمعنی کم کر دے عِتَابن اور اَصَابَنْ کی اصل عِتَابًا وَاَصَابَا تھی عَاذِلُ منادیٰ مرخم ہے حرف نداء محذوف ہے اس کی اصل تھی یا عَاذِلَةُ اور لَقَدْ اَصَابَن مقولہ ہے قُوْلِی فعل کا مطلب شعر کا یہ ہے اے میری محبوبہ عاذِلہ تو اپنے اس عتاب اور ملامت کو جس کو ہمارے کردار کی وجہ سے کرتی ہے کم کر دے اور یہ غور فرما کہ اگر میں کوئی کام ٹھیک کروں تو تو یوں کہہ دیا کر کہ ہاں یہ کام ٹھیک کیا اور ایسے ہی شاعر کے شعر کا یہ مصرع ہے یَا اَبَتَا عَلَّكَ اَوْ عَسَاكَنْ اس مصرع میں یَا اَبَتَا میں اب منادیٰ مضاف ہے۔ یاء متکلم کی طرف اور تا و الف اس یاء متکلم کے عوض میں ہیں اور عَلَّكَ بمعنی لَعَلَّكَ ہے اور عَسَاكَ معطوف ہے عَلّكَ کے اوپر اور خبر لَعَلَّ و عَسٰی کی محذوف ہے اس کی تقدیری عبارت ہے عَلَّكَ تَجِدُ رِزْقًا او عَسَاكَ تَجِدُهٗ مطلب یہ ہے کہ شاید تو پالے گا رزق کو یا امید ہے کہ پالے گا تو رزق کو۔ یہ اس تنوین کی مثال ہے جو مصرع کے آخر میں آتی ہے جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا۔

وَقَدْ يُحْذَف الخ :کبھی کبھی تنوین کو علم سے حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ اس کی صفت لائی گئی ہو اِبْنٌ یا اِبْنَةٌ کے ساتھ اور وہ اِبْنٌ یا اِبْنَةٌ مضاف ہو کسی دوسرے علم کی جانب جیسے جَاءَ نِی زَیْدُ بْنُ عَمْرٍو وَهِنْدُ ابْنَةُ بَكْرٍ ایسے ہی اہل عرب کا قول ہے هذَا فُلان بن فُلَان یہ لفظ بھی چونکہ علم سے ہی کنایہ ہے ہاں البتہ جَاءَ نِی زَیْدٌ بن عَالِمٍ وهذا عَالِمُ ٭ابْنُ زَیْدٍ وَزَیْدُ ٭ابْن عَمْرو ان میں تنوین کو حذف کرنا جائز نہ ہوگا اول دو مثالوں میں ابن چونکہ دو علم کے درمیان میں نہیں ہے اور آخر کی مثال میں ابن چونکہ علم کی صفت نہیں بلکہ خبر

اس لیے حذف تنوین جائز نہیں ہے۔

فائدہ: لفظ اِبْنَۃٌ تمام احکام میں لفظ ابن کے مثل ہے مگر الف کے حذف میں اِبْنٌ سے مختلف ہے اس کا الف رسم الخط میں باقی رہتا ہے تاکہ لفظ بنت کے ساتھ التباس لازم نہ آئے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس تنوین کو کسرہ والی حرکت دی جاتی ہے التقاء ساکنین کی وجہ سے اور کبھی التقاء ساکنین کی وجہ سے ضمہ والی حرکت دی جاتی ہے اگر دوسرے ساکن کے بعد ضمہ اصلی ہو جیسے وَعذَابِ نِ ارکُضْ۔

تمرین:

تنوین کی تعریف بیان کیجئے۔

(۲) تنوین کی اقسام خمسہ کون کون سی ہیں مع امثلہ بیان کیجئے۔

(۳) تنوین علم سے کب حذف کی جاتی ہے۔

(۴) ابنۃ لفظ ابن کے کون سے حکم میں مختلف ہے۔

الجمل العربیۃ:

ھذا زیدٌ جدُّکَ، ھنّ مؤمناتٌ قانتاتٌ، عابداتٌ، لو یفتدی من عذاب یومئذٍ ببنیہ، إذا فرغت من الدرس ما تعمل حینئذٍ، صہٍ جاء الأستاذ، أقلی اللّوم عاذلَ والعتابنْ ھٰذا نفطویہ، کان سیبویہ امام للنحو، لعلک تجد رزقاً أو عساکنْ.

فصل نونُ التاکیدِ وھِی وُضِعَتْ لتاکید الامْرِ والمُضَارع اذا کانَ فیہ طلبٌ بازاءِ قد فتاکید الماضِی وھِیَ علٰی ضَرَبَیْنِ خَفِیفَۃٌ اَی سَاکنۃٌ اَبَدًا نحو اِضْرِبُنْ وثقِیلَۃٌ اَی مُشدّدۃٌ مفتُوحَۃٌ اَبداً اِن لم یکُنْ قبلَھَا الفٌ نحو اِضرِبُنَّ ومَکسُورۃٌ اِنْ کَانَ قبلَھَا الفٌ نحو اِضرِبَانّ واِضرِبْنَانّ وتدخُل فی الامر والنھی والاستِفھَامِ والتَمنِی والعرضِ جوازًا لانَّ فی کُلٍّ مِنْھَا طلَبًا نحو اِضْرِبن ولاتَضربن وھل تضربن ولیتک تضربن والا تنزِلن بنا فتُصیبَ خیرًا وقد تدخل فی القَسم وجوباً لوقوعہٖ علیٰ ما یکُوْنُ مطلوباً للمتکلّمِ غَالبًا فارادو اَنْ لا یکون اٰخر القَسمِ خَالیًا عن معنَی التَّاکید کما لا یخلُو اوّلُہٗ منہ نحو واللہ لافعلَنَّ کَذَا.

ترجمہ: یہ فصل ہے نون تاکید کے بیان میں نون تاکید وہ نون ہے جو امر اور مضارع کی تاکید کے لیے موضوع ہو جب کہ مضارع میں طلب موجود ہو یہ قد کے مقابلے میں ہے جو کہ مضارع کی تاکید کے لیے وضع کیا گیا اور وہ دو قسم پر ہے اول خفیفہ یعنی وہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے جیسے اضربن اور دوم ثقیلہ یعنی وہ ہمیشہ مشددہ مفتوحہ

ہے اگر اس سے قبل الف نہ ہو جیسے اِضْــرِبـن اور مکسورہ ہوتا ہے اگر اس سے قبل الف ہو جیسے اِضــرِبَـانّ وَاِضرِبْنَانِّ اور داخل ہوتا ہے نون تاکید مطلقاً بطور جواز کے امر و نہی و استفہام و تمنی و عرض میں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک میں طلب کے معنی موجود ہیں جیسے اِضْرِبَنْ وَلا تَضرِبَنْ وھَل تَضْرِبَنْ وَلَيْتَكَ تَضرِبَنْ وَاَلَا تَـنْزِلَنْ بنا فتُصِيْبَ خَيْرًا اور کبھی داخل ہوتا ہے نون تاکید وجوباً قسم کے اندر اس کے واقع ہونے کی وجہ سے اس چیز پر کہ جس کا وجود اکثر و بیشتر متکلم کو مطلوب ہوتا ہے تو ارادہ کیا انہوں نے اس بات کا کہ قسم کا آخر تاکید کے معنی سے خالی نہ ہو جیسا کہ نہیں خالی ہے قسم کا اول تاکید سے جیسے وَاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ كَذَا۔

تشریح : فصل نون التَّاكِيد ۔نون تاکید اس نون کو کہتے ہیں جو مطلوب کو حاصل کرنے میں تاکید کا فائدہ دے۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس نون کی وضع کا مقصد یہ ہے کہ یہ نون امر اور اس مضارع کی تاکید کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے جس میں طلب کے معنی موجود ہوں مضارع کے لیے طلب کی قید اس لیے لگائی کہ اس نون کے ذریعہ اسی فعل کی تاکید لائی جاتی ہے جس میں کہ طلب کے معنی پائے جاتے ہیں وھِـیَ بِـاِزَاءِ قَـدْ اور یہ نون تاکید بمقابلہ قد ہے یعنی جیسے قد ماضی کی تاکید کے لیے وضع کیا گیا ہے ایسے ہی یہ نون بھی مضارع کی تاکید کے لیے وضع کیا گیا ہے بشرطیکہ اس میں طلب کے معنی موجود ہوں۔

وھِیَ عَلٰی ضَرْبَيْنِ الخ :اس نون تاکید کی دو قسمیں ہیں ایک خفیفہ دوم ثقیلہ۔نون خفیفہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے چونکہ یہ مبنی ہوتا ہے اور مبنی کی اصل سکون ہے اور نون ثقیلہ ہمیشہ مشدد ہوتا ہے پھر اس نون ثقیلہ سے قبل اگر الف موجود نہ ہو تو یہ نون مفتوح ہوتا ہے جیسے اِضْرِبَنَّ صیغہ واحد مذکر حاضر و جمع مذکر حاضر و واحد مؤنث حاضر کے اندر۔

و مکسورة اور اگر اس کے ماقبل الف موجود ہو تو یہ نون مکسور ہوتا ہے یہ الف خواہ تثنیہ کی ضمیر ہو جیسے اِضْرِبَانِّ یا زائدہ ہو جیسے اِضْرِبْنَانِّ جمع مؤنث حاضر کے اندر۔

وَتَـدْخُـلُ فِـی الامرِ: یہ نون تاکید خواہ ثقیلہ ہو یا خفیفہ امر کے آخر میں داخل ہوتا ہے امر خواہ معروف ہو یا مجہول حاضر ہو یا غائب رہا یہ سوال کہ نون تاکید امر کے آخر میں کیوں داخل ہوتا ہے حالانکہ یہ حرف نفی و استفہام و قسم کی طرح حروف معانی میں سے ہے اور حروف صدارت کلام کو مقتضی ہوتے ہیں لہٰذا اس کے لیے بھی مناسب یہ تھا کہ امر کے شروع میں آتا۔

الـجـواب :امر کے شروع میں یہ اس لیے نہیں آتا ہے کہ اگر یہ شروع میں آ جائے تو ابتداء بالسکون لازم آئے گی جو کہ محال ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ چونکہ تنوین کے مشابہ ہے اور اس کا محل آخر کلمہ ہے تیسرے یہ کہ موکد بالکسر ہمیشہ موکد بالفتح سے موخر ہوتا ہے۔

وفِی النَّھیِ: ایسے ہی نہی واستفہام وتمنی وعرض کے اندر بھی داخل ہوتا ہے ان مواضع خمسہ میں دخول نون صرف جائز ہے واجب نہیں ہے اور جائز اس لیے کہ ان سب مواضع میں چونکہ طلب کے معنی پائے جاتے ہیں اور طلب تاکید کے مناسب ہے اور طلب کے معنی امر ونہی واستفہام میں تو ظاہر ہیں بارہا آپ پڑھ چکے ہیں اب مسئلہ رہا تمنی اور عرض کا سو یہ دونوں بھی چونکہ بمنزلۂ امر کے ہیں۔

فائدہ: نون تاکید نفی کے اندر بھی داخل ہوتا ہے نہی کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے اگر چہ نفی میں طلب کے معنی نہیں ہوتے۔

امثلہ: امر کی مثال جیسے اِضْرِبَن اور نہی کی مثال جیسے لَا تَضْرِبَنَّ اور استفہام کی مثال جیسے ھَلْ تَضْرِبَنَّ اور تمنی کی مثال جیسے لَیْتَ تَضْرِبَنَّ اور عرض کی مثال جیسے اَلَا تَنْزِلَنَّ بِنَا فَتُصِیْبُ خَیْراً۔

وَقَدْ تَدْخُلُ فِی الْقَسَمِ الخ: اور جواب قسم کے اندر جب کہ وہ مثبت ہو نون تاکید کا داخل ہونا واجب ہے اور وجہ واجب ہونے کی یہ ہے کہ قسم اکثر وبیشتر ایسی چیز پر واقع ہوتی ہے کہ جس کا حاصل کرنا متکلم کو مطلوب ہوتا ہے اس لیے نحویین نے یہ ضروری سمجھا کہ جیسے قسم کا اول تاکید سے خالی نہیں ایسے ہی قسم کا آخر بھی تاکید کے معنی سے خالی نہ ہو جیسے وَاللّٰہِ لَاَفْعَلَنَّ کَذَا (بتشدید النون فی القسم)۔

واعْلَمْ انَّہٗ یَجِبُ ضَمُّ ما قَبلَھا فی جَمْعِ المذکر نحو اضربُنَّ لیَدُلَّ عَلی الوارِ المحذوفَۃِ وکسرُ مَا قبلھا فی المخاطبۃِ نحو اضرِبن لیَدُلّ علی الیَاءِ المحذوفَۃِ وفتحُ ما قبلھا فِی مَا عَدَاھُمَا اَمَّا فی المفرد فلانہ لو ضُمَّ لَالتَبَسَ بجمعِ المذکر ولو کُسِرَ لَالتَبَسَ بالمخاطبۃِ وَاَمَّا فی المثنّٰی وجَمْعِ المؤنَّثِ فلان ما قَبلَھَا الفٌ نحو اِضْرِبانِّ وَاضْرِبْنَانِّ وزِیدَتْ الفٌ قبل النونِ فی جمعِ المؤنثِ لکراھَۃِ اجتماعِ ثلٰث نوناتٍ نُونَ الضَّمیر ونُونَا التاکید ونونُ الخفیفۃ لا تدخلُ فی التثنیۃ اصلاً فی جَمْعِ المؤنثِ لانہٗ لو حرَّکت النونَ لم تبقَ خفیفۃ فلم تکن علی الاصْلِ وانْ ابقیَتَھا ساکنۃً یلزَم التِقاءُ الساکنَیْن علٰی غیر حَدِّہٖ وھُوَ غیرُ حَسَنٍ.

ترجمہ: اور جاننا چاہئے کہ بے شک اس کے ماقبل ضمہ دینا واجب ہے جمع مذکر کے اندر جیسے اِضْرِبُنَّ تاکہ دلالت کرے واؤ محذوفہ پر اور اس کے ماقبل کو کسرہ دینا واجب ہے واحد مؤنث حاضر کے اندر جیسے اِضْرِبِنَّ تاکہ دلالت کرے یائے محذوفہ کے اوپر اور ان دونوں کے علاوہ میں فتحہ دینا واجب ہے۔ بہر حال مفرد میں تو اس لیے کہ اگر ضمہ دیا جائے تو التباس لازم آئے گا جمع مذکر کے ساتھ اور اگر کسرہ دیا گیا تو التباس لازم آئے گا واحد مؤنث حاضر کے ساتھ اور بہر حال تثنیہ وجمع مؤنث کے اندر اس لیے کہ نون کے ماقبل الف ہے جیسے اِضْرِبَانِّ واِضْرِبْنَانِّ اور زیادہ

گیا الف جمع مؤنث کے اندر نون سے پہلے تین نونوں کے اجتماع کے مکروہ ہونے کی وجہ سے وہ تین نون ایک تو نون ضمیر ہے اور دونون تاکید ہیں اور نون خفیفہ تثنیہ کے اندر بالکل داخل نہیں ہوتا ہے اور نہ جمع مؤنث کے اندر اس لیے کہ اگر حرکت دی جائے گی نون کو تو نہیں باقی رہے گا خفیفہ پس نہیں ہوگا اصل کے اوپر اور اگر تو نے اس کو ساکن باقی رکھا تو لازم آئے گا التقاء ساکنین عَلٰی غَیْرِ حَدِّہٖ اور وہ جائز نہیں ہے۔

تشریح: واعلَمْ انَّه یَجِبُ الخ: یہاں سے مصنفؒ ماقبل کی بحث کے متعلق ایک فائدہ جلیلہ بیان فرما رہے ہیں وہ یہ ہے کہ صیغہ جمع مذکر غائب وحاضر میں نون تاکید کے ماقبل کو ضمہ دینا واجب ہے تاکہ یہ ضمہ اس واؤ کے حذف پر دلالت کرے جو التقاء ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے ان دو ساکنوں میں سے اول واؤ حرف علت ہے اور ان میں سے دوسرا تاکید کا اول نون ہے جیسے اضربُن (کہ دراصل اِضربُوْنَّ ہے) کہ اس میں واؤ اور نون ساکن دونوں جمع ہو گئے تھے اس لیے واؤ کو حذف کر کے اس کے ماقبل ضمہ دے دیا گیا اس پر پے در پے دو سوال واقع ہوتے ہیں اول یہ کہ آپ نے واؤ کو حذف کیا ہے اجتماع ساکنین کی وجہ سے جب کہ اسی کے مثل اجتماع ساکنین نون ثقیلہ کے اندر جائز ہے کئی مقامات میں جیسے اَتُحَاجُّوْنِی اس میں اول مدہ ہے اور ثانی مدغم ہے۔

الجواب: اس مقام پر واؤ کو حذف کیا گیا ہے تخفیف کو طلب کرنے کی وجہ سے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اِضْـرِبُنَّ میں واؤ کو نون تاکید کے متصل ہونے سے کیوں حذف کر دیا اس لیے کہ واؤ تو فاعل ہے اور فاعل کا حذف جائز نہیں ہے؟

الجواب: یہاں واؤ محذوف ہے ہی نہیں وہ اس طور پر کہ اس پر دلالت کرنے والی چیز ضمہ ہے جو موجود ہے تو گویا کہ واؤ خود موجود ہے۔

ویَـجِـبُ کسْرُ مَا قَبْلَهَا الخ: اور نون تاکید کے ماقبل کسرہ واجب ہوگا واحد مؤنث حاضر کے اندر تاکہ یہ کسرہ یاء محذوفہ پر دلالت کرے جیسے اِضْرِبِنَّ۔

ویَـجِـبُ الفتْحُ الخ: اور ان دونوں کے ماسوا میں فتحہ واجب ہوگا خواہ وہ واحد مذکر غائب ہو یا حاضر یا واحد مؤنث غائب ہو یا تثنیہ ہو خواہ غائب ہو یا حاضر یا جمع مؤنث ہو خواہ غائب ہو خواہ حاضر۔

اَمَّـا فِی المفرَدِ الخ: مفرد کے تینوں صیغے مذکر غائب وحاضر ومونث غائب ان میں تو فتحہ دینا اس لیے واجب ہے کہ اگر ضمہ دیا جائے گا تو ان کا التباس جمع مذکر کے ساتھ لازم آئے گا چونکہ جمع مذکر میں نون تاکید کے ماقبل ضمہ ہوتا ہے اور اگر بجائے ضمہ کے کسرہ دیا جائے تو واحد مؤنث حاضر کے ساتھ التباس لازم آئے گا اس لیے فتحہ متعین ہوا۔

وَاَمَّـا فِی المثنّٰی الخ: اور تثنیہ کے چاروں صیغوں اور جمع مؤنث غائب وحاضر کے دونوں صیغوں میں اس لیے فتحہ واجب ہے کہ نون تاکید کے ماقبل الف ہے اور وہ اپنے ماقبل فتحہ چاہتا ہے جیسے اِضْـرِبَـان وَاضْـرِبْـنَانِّ

مثال اول تثنیہ کی اور ثانی جمع مؤنث کی ہے

وَزِیْدَتْ اَلِف الخ: اور جمع مونث کے اندر آپ نے ملاحظہ فرمایا ہے کہ نون تاکید کے ماقبل الف کی بھی زیادتی کی گئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو تین نون کا جمع ہونا لازم آتا جو کہ مکروہ ہے ان تین نون میں ایک تو نون ضمیر ہے اور دو نون تاکید ہیں، چونکہ نون ثقیلہ بمنزلہ دو نون کے ہے اور تین نون کا جمع ہونا اس لیے مکروہ ہے کہ ثقل پیدا ہو گیا، اور ثقل ادغام کا مقتضی ہے اب ادغام کیسے ہو اس لیے اس ثقل کو دفع کرنے کے لیے الف لے آئے، جس کا نام ہم نے الف فاصل رکھا اب رہی یہ بات کہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے حروف زوائد میں سے الف ہی کو کیوں اختیار کیا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حروف زائد میں سب سے زیادہ خفیف ہے اس لیے فصل کے لیے اسی کو اختیار کیا گیا۔

وَنُوْنُ الْخَفِیْفَۃِ الخ: اور نون خفیفہ ہر اس جگہ نہیں آتا جہاں کہ الف آتا ہے اور ایسی چھ جگہ ہیں چار تثنیہ کے صیغے مذکر و مؤنث غائب و حاضر اور دو صیغے مؤنث غائب و حاضر اور وجہ ان مواضع میں نون خفیفہ کے نہ آنے کی یہ ہے کہ اگر نون کو ان مواقع میں لائیں گے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی لازم آئے گی وہ یہ کہ نون خفیفہ کی وضع سکون پر ہوئی ہے اگر آپ اس کو حرکت دیں گے تو اس کا وضع اصلی سے خروج لازم آئے گا اور اگر اصل کا لحاظ کرتے ہوئے سکون پر باقی رکھیں گے تو اجتماع ساکنین علی غیر حدہ یعنی غیر محل میں اجتماع ساکنین کا جواز لازم آئے گا اور یہ بھی جائز نہیں ہے اور اگر التقاء ساکنین کو دفع کرنے کے لیے الف کو حذف کریں تو یہ بھی ممکن نہیں ہے اس لیے کہ اس صورت میں تثنیہ کے صیغوں کا التباس لازم آئے گا مفرد کے صیغے کے ساتھ اور اجتماع ساکنین علی غیر حدہ اس کو کہتے ہیں کہ دو ساکن کا دو کلموں میں جمع ہونا جن میں سے اول ساکن مدہ ہو اور ثانی غیر مدغم ہو۔

فائدہ: التقاء ساکنین علی غیر حدّہ کے مقابلہ میں التقاء ساکنین علی حدہ ہوتا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ اول ساکن حرف مدہ ہو اور ساکن ثانی مدغم ہو اور یہ دونوں ایک کلمے کے اندر ہوں تو یہ التقاء ساکنین جائز ہے جیسے دَآبَّۃ کہ اس کی اصل دابِبَۃ تھی بائے اُولٰی، کی حرکت کو حذف کر کے ثانی میں ادغام کر دیا گیا اس لیے کہ مدغم مستقل ملفوظ نہیں ہوتا ہاں مدغم فیہ کے تابع ہو کر تو مدغم کالمعدوم ہو گیا تو گویا کہ کلام میں ایک ہی ساکن تھا مگر اس پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اِضْرِبُنَّ کی اصل اِضْرِبُوْا تھی جب اس کے ساتھ نون تاکید متصل ہوا تو قیاس کا تقاضہ یہ تھا کہ اس کو اضربون پڑھا جاتا اس لیے کہ اس میں اجتماع ساکنین علی حدہ ہے اور ایسے ہی اِضْرِبِنَّ کو اِضْرِبِیْن پڑھا جاتا تو ان دونوں میں سے اضربن میں واؤ کو اور اضربن میں یاء کو حذف نہ کرنا چاہئے تھا جیسا کہ اِضْرِبْنَانِ کے اندر حذف نہیں کیا گیا۔

الجواب: نون تاکید ضمیر بارز کے ساتھ بمنزلہ علیحدہ کلمہ کے ہے لہٰذا اجتماع ساکنین ایک کلمہ کے اندر نہ ہوا، اس لیے قیاس کا تقاضہ یہی تھا کہ واؤ اور یاء کو دونوں مثالوں میں حذف کیا جائے۔

تمرین:

(۱) نون تاکید کی تعریف کرتے ہوئے یہ بتلایئے کہ اس کی کتنی قسمیں ہیں، اور افعال میں سے کون سے افعال پر داخل ہوتا ہے۔

(۲) جواب قسم کے اندر افعال میں سے کون سے افعال پر داخل ہوتا ہے۔

(۳) نون تاکید کے ماقبل حرف کا کیا اعراب ہوتا ہے۔

(۴) نون خفیفہ کتنی جگہوں میں نہیں آتا اور نہ آنے کی وجہ کیا ہے۔

(۵) التقاء ساکنین علی غیر حدہ اور علیٰ حدہ کی تعریف بیان فرمایئے۔

الجمل العربية:

تا الله لأكيدنّ أصنامكم، إما ترين من البشر أحداً، هل تذهبنّ إلى البيت، ليتك تؤمنن بالله ورسوله، ألا تطيعنّ فجزاک الله خيرا، وليعلمن الله الذين آمنوا وليعلمنّ الكاذبين، هل يُدخلن اللهُ الذين آمنوا فی الجنة، نعم، يدخلَنّ الله الذين آمنوا فی الجنة.

يا ناظراً فيه سل بالله مرحمة — على المصنف واستغفر لصاحبه
واطلب لنفسک من خير تريد بها — من بعد ذلک غفراناً لکاتبه
لو أن لی يوم التلاق مکانة — عند الرؤف لقلت يا مولانا
أنا المسیء وأنت مولی محسن — ها قد أساتُ واطلب الإحسانا
يا رب صل وسلم دائما ابدا — على حبيبک خير الخلق كلهم

فَرَغْتُ بِعَونِ الله تعالیٰ وبِمَنِّه وكَرَمِه الجَزِيْل من تَالِيفِ شَرحِ الكِتاب الموسُوْم بتَهْذيْب النّحو فِی شَهْرِ ربيع الاوّل مِنْ شَهُوْرِ سنة خمس و ثلاثين وَارْبع مِأة بعد الالف (١٤٣٥) مِن هِجْرَةِ الرَّسُوْلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ صلى الله عليه وسلم وعَلٰی آلِهٖ واصحَابه اَجمَعِيْن، اَللّٰهُمَّ مَتِّع طَالِبِيْه بِفَوَائِده وزَيِّن قَاصِدِيْه بفَرَائِده وارْزُقِ الرَّاغِبِين اِلَيْه مِنْ مقَاصِدِه وَالمرجو مِنْهُم اَنْ يَدعُوَ لِیْ بِالخَيْرِ والغُفْرَانِ عَسٰی اَنْ يَخْتمنی الله سُبْحَانَه بِالسَّعَادَةِ مَعَ الايْمَانِ.

محمد طاهر قاسمی

خادم مدرسہ احیاء العلوم صدیقیہ موضع پٹلوکر
پوسٹ نعمت پور ضلع سہارنپور (یوپی)